اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ ۔ (القرآن)

"بلاشبہ یہ قرآن اس راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے۔"

دعوۃ القرآن

جلد اول

تفسیر سورۂ فاتحہ تا سورۂ عنکبوت

(پارہ ۱ تا ۲۰)

مولانا شمس پیرزادہ رحمۃ اللہ علیہ

ادارہ دعوۃ القرآن

۵۹/ محمد علی روڈ ممبئی ۴۰۰۰۰۳

فون: ۲۳۴۶۵۰۰۵

مجلد آٹھواں ایڈیشن

اپریل ۲۰۲۲ء

ہدیہ ۱۱۰۰/ روپئے

فہرست

صفحہ نمبر	سورۃ کا نام	سورۃ نمبر	صفحہ نمبر	سورۃ کا نام	سورۃ نمبر
د	عرض ناشر		۷۸۱	سورۃ ابراھیم	۱۴
و	مقدمہ		۸۰۳	سورۃ حجر	۱۵
			۸۲۹	سورۃ نحل	۱۶
۱	سورۂ فاتحہ	۱	۸۸۱	سورۃ بنی اسرائیل	۱۷
۸	سورۂ بقرہ	۲	۹۲۹	سورۃ کہف	۱۸
۱۳۵	سورۂ آل عمران	۳	۹۷۹	سورۃ مریم	۱۹
۲۰۳	سورۂ نساء	۴	۱۰۰۹	سورۃ طہ	۲۰
۲۸۳	سورۂ مائدہ	۵	۱۰۵۳	سورۃ انبیاء	۲۱
۳۵۳	سورۂ انعام	۶	۱۰۹۳	سورۃ حج	۲۲
۴۳۱	سورۂ اعراف	۷	۱۱۳۱	سورۃ مؤمنون	۲۳
۵۰۶	سورۂ انفال	۸	۱۱۵۹	سورۃ نور	۲۴
۵۴۷	سورۂ توبہ	۹	۱۲۰۵	سورۂ فرقان	۲۵
۶۲۱	سورۃ یونس	۱۰	۱۲۳۵	سورۃ شعراء	۲۶
۶۶۷	سورۃ ھود	۱۱	۱۲۷۷	سورۃ نمل	۲۷
۷۰۸	سورۃ یوسف	۱۲	۱۳۱۵	سورۂ قصص	۲۸
۷۵۷	سورۃ رعد	۱۳	۱۳۵۹	سورۃ عنکبوت	۲۹

تصاویر و نقشہ جات

تصاویر و نقشہ	صفحہ نمبر
مسجدِ حرام کا نقشہ	۵۵
مسجدِ حرام	۵۶
سعی صفا و مروہ	۶۱
عرفات	۷۹
مسجد نمرہ	۸۳
حج کے مقامات کا نقشہ	۸۴
منیٰ دوران حج	۹۱
بیت اللہ	۱۶۸
شہر مکہ اور مسجدِ حرام	۱۶۹
نقشہ غزوۂ اُحد	۱۷۸
جبل اُحد	۱۷۹
جدول میراث	۲۱۴
بنی اسرائیل کی بادیہ پیمائی	۳۰۱
کھجور کے درخت کے گچھے	۳۹۹
قومِ نوح کا مسکن	۴۵۵
آثارِ ثمود	۴۵۸
قوم لوط اور قومِ شعیب کا مسکن	۴۵۹
ایلہ (اصحاب سبت)	۴۸۹
بدر کا راستہ	۵۱۱
نقشہ جنگ بدر	۵۱۵
بدر کا میدانِ جنگ	۵۱۹
مدینہ سے تبوک	۵۴۹
کونسا قبیلہ کہاں آباد تھا	۵۵۳
غار ثور	۵۷۹
مسجدِ قبا	۶۰۶
مسجد نبوی	۶۰۷
بنی اسرائیل کے خروج کا راستہ	۶۵۹
قومِ یونس کی آبادی	۶۶۳
کنعان اور مصر (زمانہ یوسف میں)	۷۰۹
قرآن اپنی اصل شکل میں محفوظ ہے	۸۱۳
عربوں کا تجارتی شاہراہ	۸۲۳
آثارِ ثمود	۸۲۴
مسجدِ اقصیٰ	۸۸۷
کہف اور الرقیم	۹۳۷
الرقیم کا محل وقوع	۹۵۱
مجمع البحرین	۹۵۵
سائرس کی مغربی مہم	۹۶۸
سائرس کی مشرقی مہم	۹۶۹
سائرس کی تیسری مہم اور آہنی دیوار کی تعمیر	۹۷۰
یروشلم کے ہیکل کا نقشہ	۹۹۱
بیت لحم جہاں حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی	۹۹۱
وادی طویٰ	۱۰۱۷
علقہ اور مضغہ کی تصویریں	۱۱۳۷
قومِ ثمود کی وہ جگہ جہاں اللہ کی اونٹنی چلتی پھرتی تھی	۱۲۶۴
ثمود کی سنگ تراشی کا ایک نمونہ	۱۲۶۵
قیصرِ روم کے نام نبی ﷺ کے نامہ گرامی کا عکس	۱۳۱۴
مدین اور کوہِ طور	۱۳۳۴
اشاریہ (انڈکس)	

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

’’تفسیر دعوۃ القرآن‘‘ اردو کا آٹھواں ایڈیشن (طبع جدید کمپیوٹر کا تیسرا ایڈیشن) آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکرو احسان ہے کہ اس نے ادارہ دعوۃ القرآن کو اس کے کلام پاک کی خدمت کی توفیق بخشی جو کہ فی زمانہ اس کے فضل خاص ہی سے کسی کو حاصل ہوسکتی ہے۔

مختلف حلقوں کی طرف سے اس تفسیر کی جو قدر دانی ہورہی ہے وہ محض اللہ کا فضل ہے۔ اس تفسیر کے پانچ زبانوں اردو، ہندی، مراٹھی، گجراتی اور انگریزی کے متعدد ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ اور اہل علم کے علاوہ عام پڑھے لکھے طبقہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔ اور مفسر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ رائے صحیح ثابت ہوئی ہے جو انہوں نے اس تفسیر کے مقدمہ میں لکھی ہے کہ ’’اگرچہ اردو میں متعدد قابل قدر تفاسیر موجود ہیں لیکن ایک ایسی مختصر اور جامع تفسیر کی ضرورت ہے، جس میں مسلمانوں کے ذہن ہی کو نہیں، غیر مسلمین کے ذہن کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہو اور اس مناسبت سے ضروری توضیحات پیش کی گئی ہوں۔ علاوہ ازیں اس کا مختصر اور جامع ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ طوالت کے نتیجہ میں بعض اوقات افادیت کم ہوجاتی ہے۔ اور اس کی اشاعت کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانے کا کام مشکل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح زیادہ مختصر نوٹ ہونے کی صورت میں ضروری باتوں کی وضاحت نہیں ہو پاتی۔ اور خاص طور سے غیر مسلموں کے لئے اس کی افادیت کم ہوجاتی ہے۔ ان ہی وجوہ و اسباب اور مذکورہ مقاصد کے پیش نظر تفسیر دعوۃ القرآن مرتب کی جارہی ہے۔ جس کا آغاز ۱۹۷۶ء میں کیا گیا تھا‘‘۔

مفسر مرحوم ومغفور نے مزید آگے فرمایا ہے کہ ’’تفسیر **دعوۃ القرآن** کے سلسلہ میں چند باتوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے متن کا ترجمہ عربی سے براہ راست اردو میں کیا ہے۔ ترجمہ میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ بامحاورہ ترجمہ ہو نہ کہ آزاد ترجمہ کیوں کہ آزاد ترجمہ میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ جب کہ کلام الٰہی کے ترجمہ کے سلسلہ میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں آزاد ترجمہ میں الفاظ کی رعایت کم کی جاتی ہے۔ ترجمہ گو بڑا فصیح وبلیغ معلوم ہوتا ہے لیکن مفہوم ادا کرنا ترجمہ کا بدل نہیں ہوسکتا۔ کسی بھی عبارت کا ترجمہ اور مفہوم بیان کرنے میں جو فرق ہوتا ہے وہ بہر حال برقرار رہے گا۔ رہا لفظی ترجمہ تو اس سے مطلوبہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس سے معنیٰ معلق ہوکر رہ جاتے ہیں۔ ان دونوں کے بین بین ہمارے خیال میں بامحاورہ ترجمہ کا طریقہ ہی احوط وانسب ہے۔ پھر یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن کے الفاظ اتنے معنیٰ خیز، اس کا بیان اتنا جامع، اس کا اسلوب اتنا بلیغ، اس کی ترتیب اتنی دقیق، اس کا نظم اتنا پُرمغز اور اس کے اشارات اس شان کے ہیں کہ اس کو کسی بھی دوسری زبان میں ٹھیک ٹھیک منتقل کرنا قطعاً ناممکن ہے۔ اس لئے ہم جو کچھ کرسکتے ہیں وہ اس کا قریب قریب ترجمہ ہے نہ کہ عین ترجمہ۔ تفسیری حواشی مرتب کرتے ہوئے ہم نے عصر حاضر کے ذہن اور دعوتِ قرآنی اور تعلیماتِ ربّانی کے سلسلہ

میں اُبھرنے والے سوالات کو سامنے رکھا ہے، تاکہ اس ذہن کی تشفی کا سامان ہو۔لیکن ہم نے اس بات کی پوری احتیاط برتی ہے کہ قرآن کو کسی مخصوص رنگ میں پیش نہ کیا جائے، خواہ وہ تصوف کا رنگ ہو یا سیاست کا، اور نہ کسی مخصوص نظریہ کی تائید کا اس کو ذریعہ بنایا جائے، اور نہ ہی اس کی اصطلاحات کا کوئی ایسا مفہوم بیان کیا جائے جو امت کے مسلمات کے خلاف ہو۔اسی طرح اسماء وصفات کے بارے میں سلف صالحین کے اس طریقہ کو اختیار کیا ہے جس کی نشان دہی امام مالکؒ کے بیان سے ہوتی ہے۔جب ان سے استواء علی العرش کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اللہ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے اس کی کیفیت مجہول (نامعلوم) ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے''۔

ادارہ دعوۃ القرآن ایک رجسٹرڈ ٹرسٹ ہے، جس کا اولین مقصد قرآن کریم کے ترجمے اور تفسیر کو مختلف زبانوں میں شائع کرنا اور اسے وسیع پیمانہ پر پھیلانا ہے تاکہ قرآن کی دعوت اور اس کا پیغام مسلمانوں میں بھی اور غیر مسلموں میں بھی زیادہ سے زیادہ لوگوں تک بہ آسانی پہنچ سکے۔اس مقصد کے پیشِ نظر کتابوں کا ہدیہ کم رکھا جاتا ہے۔اور خسارہ کی اس اسکیم کو چلانے میں جو اصحابِ خیر معاون بنتے ہیں، وہ قرآن کریم کی ایک ایسی خدمت میں شریک ہوتے ہیں، جو وقت کا ابھرتا ہوا تقاضا ہے۔

یہ تفسیر جیسا کہ آپ جانتے ہیں تین جلدوں میں طبع ہوتی رہی ہے۔پچھلے ایڈیشن ہی ہم نے اس بات کا اہتمام کیا کہ اس تفسیر کو دو جلدوں میں شائع کیا جائے اس کے لئے کمپیوٹر کی جدید طباعت اور نفیس کاغذ (بائبل پیپر) پر اسے شائع کیا گیا۔اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے کہ اس حسین تبدیلی کو قدردانوں نے بہت پسند کیا۔اور ہر حلقہ کی طرف سے اس کی تحسین ہوئی ہے۔

اس ٹرسٹ کے سابق سکریٹری جناب شہاب بانکوٹی صاحب جن کی قابل قدر خدمات ادارہ کو اولین دور سے حاصل رہی ہے۔اپنی درازی عمر کی وجہ سے سبکدوش ہو چکے ہیں۔اور یہ بھاری ذمہ داری میرے ناتواں شانوں پر آگئی ہے۔اللہ تعالیٰ موصوف کی خدمات کو قبول فرمائے اور مجھے اس کام کو بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق وصلاحیت سے نوازے۔(آمین)

محمد صدیق قریشی

سکریٹری

ادارہ دعوۃ القرآن ممبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

قرآن کریم فرمانروائے کائنات کی طرف سے دنیائے انسانیت کے نام وہ مقدس، عظیم الشان اور انقلاب آفریں پیغام ہے، جو لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرکے اوران میں اپنے رب کی صحیح پہچان پیدا کرکے اس راہ پر ڈالنا چاہتا ہے جو خدا تک پہنچنے کی بالکل سیدھی اور واحد راہ ہے۔ اس کے مخاطب صرف مسلمان ہی نہیں، بلکہ بلالحاظ مذہب وملت دنیا کی ساری قومیں ہیں۔ خواہ ان کی زبان عربی ہو یا کوئی اور، اور خواہ وہ دنیا کے کسی ملک اور کسی خطہ میں رہتی ہوں۔

اس کا کھلا تقاضا یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کیا جائے اور اس کی اشاعت وسیع پیمانہ پر عمل میں لائی جائے۔ چند افراد تک پہنچانے کی کوشش کافی نہیں ہے، بلکہ ضروری ہے کہ اپنے اردگرد پھیلے ہوئے کروڑہا افراد تک اسے پہنچانے کا منصوبہ بنایا جائے۔

دعوتِ اسلامی کی اشاعت کا بہترین اور مؤثر ترین ذریعہ قرآن مجید ہے۔ خود قرآن نے اپنی یہ شان **فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ** (''قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو تذکیر کرو جو میری وعید سے ڈریں'' سورہ ق۔ ۴۵) جیسی آیات کے ذریعے نمایاں کی ہے۔ دوسری تمام چیزیں دعوت کے تعلق سے بالکل ثانوی اہمیت رکھتی ہیں۔ لہٰذا ہر قسم کے تبلیغی نصاب میں اور ہر قسم کے اسلامی لٹریچر میں قرآن کو دعوتِ اسلامی کا مرکز ومحور بنانا چاہیئے۔ اور مخاطب کی جو زبان ہو، اس میں قرآن کے ترجمہ کو ذریعۂ دعوت بنانے میں اوّلیت دی جانی چاہیئے۔

امّت کے اندر اس وقت شخصیت پرستی، گروہ بندی اور جماعتی عصبیتوں کا جو غلبہ ہے، اس کو ختم کرنے کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ افرادِ امّت میں قرآن کے ساتھ شعوری ربط اور گہری وابستگی پیدا کرنیکی کوشش کی جائے۔ ایسی وابستگی، جو ان کے اندر قرآن مجید کا فہم پیدا کردے اور وہ حق وباطل میں امتیاز کرنے لگیں۔

ان دوگونہ مقاصد یعنی غیر مسلمین تک قرآن کا پیغام پہنچانے اور مسلمانوں میں دعوت وارشاد اور تبلیغ واصلاح کے میدان میں قرآن کو مرکزِ توجہ بنانے اور اس کے ساتھ شعوری ربط پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کی تشریح وتفسیر اس طور سے کی جائے کہ اس کی اصل دعوت سمجھنے میں قاری کو مدد ملے۔ توحید، آخرت اور رسالت کے دلائل بخوبی واضح ہوں۔ جدید فکری گمراہیوں کے مقابلہ میں قرآن کی راہِ ہدایت روشن ہو۔ قرآنی تعلیمات کے سلسلہ میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو، ربطِ آیات ونظمِ کلام اس طرح واضح ہو کہ قاری کو اس کے اندر علم وحکمت کے خزانوں کا سراغ ملے۔ تربیت وتزکیہ اور تعمیرِ سیرت کے پہلو نمایاں ہوں۔ احکام وقوانین کی مصلحتیں بے نقاب ہوں اور مسائل حیات میں قرآن کی رہنمائی جلوہ گر ہو۔ ان تمام باتوں کا اہتمام عصر حاضر کے انسان کو قرآن سے قریب کرنے کے لئے ضروری ہے۔ پھر قرآن کا ایک مخصوص طریقِ دعوت (Approach) بھی ہے جو مخاطب کو فرداً فرداً خدا اور آخرت کے تعلق سے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کراتا ہے۔ اور اسے اس بات کیلئے آمادہ کرتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے عقیدہ وعمل کو درست کرے اور اللہ کا مخلص بندہ بن جائے۔ اس بنیادی اور داخلی وصف کے پیدا ہوجانے ہی پر ان ذمہ داریوں کی ادائیگی موقوف ہے جو خارج سے اور اجتماعی ہیئت سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ بالفاظ دیگر قرآن کا اصل ہدف انسان کا اپنا نفس ہے نہ کہ خارجی نظام۔ اس لئے وہ انسان کے سامنے سب سے پہلے وہ باتیں رکھتا ہے جو اس کے قلب وذہن میں انقلاب لاتی ہیں اور اس کے بعد ہی وہ اس قابل ہوتا ہے کہ خارجی دنیا میں انقلاب لائے۔ مگر موجودہ دور میں دعوت اسلامی کو پیش کرنے کا ایک نیا ڈھنگ اختیار کیا جارہا ہے جس میں اسلامی نظام کا فلسفہ بیان کیا جاتا ہے اور اصل زور اس نظام کے برپا کرنے پر دیا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ مخاطب اپنی اولین ذمہ داری کا احساس صحیح طور سے نہیں کرپاتا اور نہ دین کا مزاج شناس بنتا ہے، بلکہ اس کی تمام تر نگاہیں خارجی انقلاب پر مرکوز ہوکر رہ جاتی ہیں۔ اس صورت حال کی اصلاح کیلئے ضروری ہے کہ حسب موقع قرآن کے دعوتی اپروچ کی وضاحت کی جائے۔ نیز دعوتِ قرآنی کی تشریح وتوضیح کرتے وقت ایسا قالب اور ایسی اصطلاحات استعمال کرنے سے احتراز کیا جائے جو اس کی اس امتیازی خصوصیت اور اس کی اسپرٹ کو متاثر کرتی ہوں۔ اگرچہ اردو میں متعدد قابل قدر تفاسیر موجود ہیں لیکن مذکورہ مقاصد کے پیش نظر ایک

مختصر اور جامع تفسیر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، اس لئے بھی کہ علاقائی زبانوں میں قرآن کے معانی کو منتقل کرنے کیلئے ایسی تفسیر کی ضرورت ہے جس میں مسلمانوں کے ذہن ہی کو نہیں، غیر مسلمین کے ذہن کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہو اور اس مناسبت سے ضروری توضیحات پیش کی گئی ہوں۔ علاوہ ازیں اس کا مختصر اور جامع ہونا بھی ضروری ہے۔ ورنہ طوالت کے نتیجہ میں بعض اوقات افادیت کم ہو جاتی ہے ۔ اور اس کی اشاعت کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچانے کا کام مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زیادہ مختصر نوٹ ہونے کی صورت میں ضروری باتوں کی وضاحت نہیں ہو پاتی۔ اور خاص طور سے غیر مسلموں کے لئے اس کی افادیت کم ہو جاتی ہے۔ ان ہی وجوہ واسباب اور مذکورہ مقاصد کے پیش نظر تفسیر دعوۃ القرآن مرتب کی جارہی ہے۔ جس کا آغاز ۱۹۷۶ء میں کیا گیا تھا اور جس کے اب تک متعدد اجزاء شائع ہو چکے ہیں۔ اب نظر ثانی کے بعد ابتدائی دس پاروں کی تفسیر (سورۂ فاتحہ تا سورۂ توبہ) جلد کی شکل میں شائع کی جارہی ہے۔ امید ہے کہ مکمل تفسیر تین جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ (انشاء اللہ العزیز)

تفسیر **دعوۃ القرآن** کے سلسلہ میں چند باتوں کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ راقم الحروف نے متن کا ترجمہ عربی سے براہ راست اردو میں کیا ہے۔ ترجمہ میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ بامحاورہ ترجمہ ہو نہ کہ آزاد ترجمہ کیوں کہ آزاد ترجمہ میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ جب کہ کلام الٰہی کے ترجمہ کے سلسلہ میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں آزاد ترجمہ میں الفاظ کی رعایت کم کی جاتی ہے۔ ترجمہ گو بڑا فصیح وبلیغ معلوم ہوتا ہے لیکن مفہوم ادا کرنا ترجمہ کا بدل نہیں ہو سکتا۔ کسی بھی عبارت کا ترجمہ اور مفہوم بیان کرنے میں جو فرق ہوتا ہے وہ بہرحال برقرار رہے گا۔ رہا لفظی ترجمہ تو اس سے مطلوبہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے معنیٰ معلق ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ان دونوں کے بین بین ہمارے خیال میں بامحاورہ ترجمہ کا طریقہ ہی احوط وانسب ہے۔ پھر یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ قرآن کے الفاظ اتنے معنیٰ خیز، اس کا بیان اتنا جامع، اس کا اسلوب اتنا بلیغ، اس کی ترتیب اتنی دقیق، اس کا نظم اتنا پُرمغز اور اس کے اشارات اس شان کے ہیں کہ اس کو کسی بھی دوسری زبان میں ٹھیک ٹھیک منتقل کرنا قطعاً ناممکن ہے۔ اس لئے ہم جو کچھ کر سکتے ہیں وہ اس کا قریب قریب ترجمہ ہے نہ کہ عین ترجمہ۔ تفسیری حواشی مرتب کرتے ہوئے ہم نے عصر حاضر کے ذہن اور دعوتِ قرآنی اور تعلیماتِ ربّانی کے سلسلہ میں ابھرنے والے سوالات کو سامنے رکھا ہے، تاکہ اس ذہن کی تشفی کا سامان ہو۔ لیکن ہم نے اس بات کی پوری احتیاط برتی ہے کہ قرآن کو کسی مخصوص رنگ میں پیش نہ کیا جائے، خواہ وہ تصوف کا رنگ ہو یا سیاست کا، اور نہ کسی مخصوص نظریہ کی تائید کا اس کو ذریعہ بنایا جائے، اور نہ ہی اس کی اصطلاحات کا کوئی ایسا مفہوم بیان کیا جائے جو امت کے مسلمات کے خلاف ہو۔ اسی طرح اسماء وصفات کے بارے میں سلف صالحین کے اس طریقہ کو اختیار کیا ہے جس کی نشان دہی امام مالکؒ کے بیان سے ہوتی ہے۔ جب ان سے استواء علی العرش کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اللہ کا عرش پر مستوی ہونا معلوم ہے اس کی کیفیت مجہول (نامعلوم) ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

قرآن کی تشریح کا اصل حق سنت کو ہے۔ اس لئے اس کی روشنی میں تفسیری نوٹ لکھے گئے ہیں اور موقع کی مناسبت سے حدیثیں بھی نقل کر دی گئی ہیں۔ البتہ روایات کے معاملہ میں ہم نے فیاضی کا ثبوت نہیں دیا ہے، کیونکہ تفسیر سے متعلق بکثرت روایات کی صحت مشتبہ ہے۔ نیز ایسی روایات بھی ہیں جو قرآن کے بیان سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

فقہیات میں ہم نے کسی فقہی مسلک کی پابندی قبول نہیں کی ہے، بلکہ جو بات بھی باعتبار دلائل کتاب وسنت سے اقرب معلوم ہوئی ہے اس کو اختیار کیا ہے۔ قرآن کو کسی خاص مسلک یا مکتبۂ فکر کی ترجمانی کا ذریعہ بنانا وہ سنگین جرم ہے جس کے نتیجہ میں امت کے اندر تخرب کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔

تفسیر "**دعوۃ القرآن**" کے سلسلہ میں ہم نے عربی کی مستند اور مشہور تفاسیر سے استفادہ کیا ہے مثلاً تفسیر طبری، تفسیر ابن کثیر، تفسیر رازی، فتح القدیر للشوکانی، کشاف، روح المعانی، احکام القرآن للجصاص، سید قطب کی فی ظلال القرآن، تفسیر فراہی وغیرہ۔ اردو تفاسیر میں مولانا ابوالکلام آزاد کی ترجمان القرآن، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر ثنائی، مولانا مودودی کی تفہیم القرآن، مولانا امین احسن اصلاحی کی تدبر قرآن۔ انگریزی تفاسیر میں مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر،

عبداللہ یوسف علی کی تفسیر، علاوہ ازیں دیگر متعدد عربی اردو تفاسیر و تراجم سے مدد لی ہے۔ تاہم یہ واضح رہے کہ ہم نے کسی ایک تفسیر کی پابندی قبول نہیں کی ہے، بلکہ تحقیق کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس کے علاوہ غیر مسلموں کے پیش نظر عقیدۂ تناسخ، وحدتِ ادیان، اہنسا، اوتار، دیومالائی تصوراتِ شرک و بت پرستی وغیرہ کے بارے میں قرآن کے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ نیز حسب موقع بائبل کے اقتباسات بھی پیش کئے ہیں، تاکہ قرآن کے بیان کی صحت مزید واضح ہو جائے۔ اسی طرح ان جدید افکار و نظریات سے بھی تعرض کیا ہے جو آج ذہنوں پر بُری طرح مسلط ہیں۔ مثلاً تحدید نسل، کاروباری سود، مساواتِ مرد وزن، طلاق کے معاملہ میں مغربی طرز فکر، دین کا محدود تصورِ سیاست اور اجتماعی زندگی سے اس کو بے دخل کرنا وغیرہ۔ مزید برآں مسلمانوں میں پھیلی ہوئی گمراہیوں کی بھی تردید کی گئی ہے۔ مثلاً قبر پرستی، بدعات، شخصیت پرستی، روایات پرستی، اوہام و خرافات وغیرہ۔

اگرچہ ہم نے تفسیر کو عام فہم اور مختصر رکھنے کی غرض سے علمی مباحث کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا، تاہم بعض اہم مقامات پر اور خاص طور سے جہاں مفسرین میں اختلاف ہوا ہے ہم نے اپنی تحقیق مدلل طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، تاکہ بات منقح ہو جائے۔ اس لئے کہیں کہیں علمی بحث کا انداز اختیار کرنا پڑا ہے۔ اپنی بے بضاعتی کے باوجود کوشش کی ہے کہ قرآن کی بات بے کم و کاست اور بالکل نکھر کر سامنے آ جائے اور دل و دماغ میں نفوذ کرتی چلی جائے۔ یہ حقیر سی کوشش ہے اور اس میں کامیابی توفیق الٰہی پر منحصر ہے۔

دعا ھے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کی تکمیل کا سامان کرے۔ قرآن کا فہم اور علم بصیرت عطا کرے، غلطیوں سے بچائے، خطاؤں سے درگذر فرمائے اور قبولیت سے نوازے۔

اللّٰھُمَّ ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہٗ وارنا الباطلَ باطِلاً وارزقنا اجتنابہٗ۔

شمس پیرزادہ علیہ الرحمۃ

ادارہ دعوۃ القرآن

۵۹، محمد علی روڈ بمبئی۔ ۳

۱۴؍ رمضان ۱۴۰۸ھ

یکم مئی ۱۹۸۸ء

ا۔الفاتحۃ

یہ سورہ نبوت کے ابتدائی زمانہ میں مکہ میں نازل ہوئی۔اس کی سات آیتیں ہیں۔اس سورہ کی حیثیت دیباچۂ قرآن کی ہے اور اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ فاتحہ یعنی افتتاحی سورہ ہے۔اس کا اعجاز یہ ہے کہ نہایت مختصر ہونے کے باوجود اس میں پورے قرآن کا لبّ لباب موجود ہے۔اسی لئے اسے ام القرآن کہا گیا ہے۔قرآن کی دعوت کے بنیادی نکات، توحید، آخرت اور رسالت کو نہایت خوبی کے ساتھ اس میں سمودیا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت، ربوبیت، اور الوہیت کی صفات بیان ہوئی ہیں جو توحید پر دلالت کرتی ہیں۔روزِ جزاء کا مالک ہونا توحید اور آخرت دونوں پر دلالت کرتا ہے اور انعام یافتہ لوگوں کا راستہ سلسلۂ رسالت پر دلالت کرتا ہے۔

اس سورہ کے معانی پر غور کرنے سے حقائق و معارف کے بے شمار پہلو روشن ہوجاتے ہیں اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ گویا دریا کو کوزے میں بند کردیا گیا ہے۔

یہ سورہ دعائیہ پیرایہ میں ہے اور دعا بھی ایسی جو ایک سلیم الفطرت انسان کے ضمیر کی آواز اور اس کے دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا ترانہ حمد ہے۔گویا اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ ان الفاظ میں اس کے حضور دعا گو ہو۔کلام کا یہ انداز نہایت لطیف ہے، لیکن جو لوگ لطافت سے نا آشنا ہوتے ہیں وہ یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ اگر یہ اللہ کا کلام ہے تو '' میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے '' کہنے کا کیا مطلب؟ حالانکہ یہاں بلاغت کا پہلو نہایت روشن ہے اور فحوائے کلام سے بخوبی واضح ہے کہ خالقِ کائنات اپنے بندوں کو یہ تعلیم دے رہا ہے کہ وہ اس کی حمد وثناء اس آغاز کے ساتھ اور ان الفاظ میں کریں اور ان کلمات کے ساتھ اس کے حضور دعا گو ہوں۔اس طرح بندوں کو نہ صرف بندگی کی تعلیم دی گئی ہے بلکہ آداب بندگی بھی سکھائے گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے یہود و نصاریٰ کو اسلام کی شاہراہ دکھائی تھی، تاکہ وہ خود اس پر چلیں اور دنیا والوں کو اس پر چلنے کی دعوت دیں۔لیکن انہوں نے کجروی اختیار کر کے اپنے اوپر بھی راہِ حق گم کردی اور دنیا والوں کو بھی تاریکی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا۔یہ دعا اس تاریکی سے نکلنے کی دعا ہے، چنانچہ اس کی برکت سے دنیا کو قرآن کی روشنی ملی۔

بندہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی دعا کے جواب میں پورا قرآن اس کے سامنے رکھ دیتا ہے کہ تلاش جس کی ہے وہ راہِ ہدایت تیرے سامنے روشن ہے۔اب اللہ کا نام لے اور اس راہ پر گامزن ہوجا۔

سورۂ فاتحہ اور نماز نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ لازماً پڑھی جاتی ہے۔یہ اللہ تعالیٰ سے مناجات ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کی طرف متوجہ ہوکر ہر آیت کا جواب عنایت فرماتا ہے۔حدیث قدسی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

''میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کردیا ہے اور میرے بندے کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے طلب کیا۔چنانچہ بندہ جب اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی۔جب بندہ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔جب بندہ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ۔ جب بندہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور بندے کے درمیان مشترک ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جو اس نے طلب کیا۔اور جب بندہ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کے لئے وہ کچھ ہے جو اس نے مجھ سے طلب کیا۔'' (مسلم نسائی)

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٤

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٥

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝٦

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝٧

(۱) سورۃ الفاتحۃ

آیات: ۷

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے۔ ا؎

[۱] حمد ۲؎ اللہ ہی کیلئے ہے ۳؎ جو تمام کائنات کا رب ہے ۴؎۔

[۲] رحمٰن ورحیم ہے ۵؎۔

[۳] روزِ جزا کا مالک ہے ۶؎۔

[۴] ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں ۷؎ اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں ۸؎۔

[۵] ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت بخش ۹؎۔

[۶] ان لوگوں کے راستے کی جنھیں تو نے انعام سے نوازا ۱۰؎۔

[۷] جو نہ مغضوب ہوئے ۱۱؎ اور نہ گمراہ۔ ۱۲؎

تفسیر

۱۔ یہ قرآن کی افتتاحی آیت ہے اور ہر سورہ کا آغاز بجز سورۂ توبہ کے اسی آیت سے ہوا ہے۔ گویا اس کی حیثیت تمہید کی سی ہے۔ یہ مختصر، جامع معنیٰ خیز اور نہایت ہی بابرکت کلمات ہیں جس میں خدا کے متبرک نام اور اسکی صفتِ رحمت کا ذکر ہے۔ ان ابتدائی کلمات ہی پر غور کرنے سے معرفت الٰہی (خدا کی صحیح پہچان) کے دروازے کھلنے لگتے ہیں اور انسان کے اندر اس کی صحیح پہچان کا پیدا ہوجانا اس کی رحمت کا فیضان ہے۔

کسی بھی اچھے کام کو شروع کرنے کے لئے ان سے زیادہ موزوں اور بہتر کلمات کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر اچھے کام کا آغاز حتّٰی کہ کھانے پینے کی ابتداء بھی ان کلمات (بسم اللہ) سے کرنا اسلامی تہذیب کا شعار ہے۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز اِقْرَأ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ (پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا) سے ہوا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آیت بسم اللہ نازل کرکے بندہ کی رہنمائی فرمائی کہ وہ اس حکم کی تعمیل ان الفاظ میں کرے۔

حضرت محمد ﷺ کے بارے میں تورات میں یہ پیشنگوئی موجود ہے کہ آپ اللہ کا کلام، اللہ کا نام لیکر پیش کرینگے۔ چنانچہ تورات کی کتاب استثناء میں ہے۔

''میں ان کے لئے انہیں کے بھائیوں میں سے تیری (موسیٰ) مانند ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اُسے حکم دونگا وہی وہ اُن سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہے گا، نہ سنے گا تو میں اُنکا حساب اس سے لونگا'' (استثناء۱۸: ۱۸، ۱۹)

یہ آیت دعا کی حیثیت رکھتی ہے۔ گویا بندہ کتاب الٰہی کا آغاز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ تیری توفیق ہی پر منحصر ہے۔ اور ہدایت کی راہ مجھ پر اسی صورت میں روشن ہوسکتی ہے اور حقائق و معارف کے اس اتھاہ سمندر میں علم و بصیرت کے موتی میں اسی صورت میں چن سکتا ہوں جبکہ تو میری دستگیری فرمائے۔

''بسم اللہ'' کی ''ب'' قرآن کا پہلا حرف ہے اور عربی قاعدے کے مطابق یہ بائے استعانت ہے۔ گویا قرآن کا پہلا حرف ہی قاری کی یہ حیثیت متعین کردیتا ہے کہ وہ ایک عاجز بندہ ہے جو اللہ کی مدد کا ہر وقت محتاج ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کا دروازہ ان ہی لوگوں پر کھولتا ہے جو خدا کی کتاب کا مطالعہ خدا بنکر نہیں کرتے بلکہ بندہ کی حیثیت سے جویائے حق اور طالب ہدایت بن کر کرتے ہیں۔

۲۔ متن میں حمد کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی تعریف اور شکر دونوں کے ہیں۔ ''تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ خوبیوں والا ہے اور کمالات سے متصف ہے۔ وہ عیوب اور کمزوریوں سے نہ صرف پاک اور منزّہ ہے بلکہ اس کے لئے حسن ہی حسن اور جمال ہی جمال ہے۔ اور وہ سرچشمۂ خیر و برکت ہے۔ اس کے یہ فضائل و کمالات ذاتی اور مستقل ہیں اور وہ تمام صفات حسنہ میں تنہا اور یکتا ہے۔ اس لئے تنہا وہی لائق ستائش ہے اور اسی کے گن گائے جانے چاہئیں، اسکے سوا کوئی ہستی نہیں ہے جو بالذات اپنے اندر خوبیاں رکھتی ہو۔ اس لئے کائنات میں ایک سے زیادہ خداؤں کے تصور کے لئے سرے سے کوئی بنیاد موجود ہی نہیں ہے اور جب حقیقت یہ ہے تو پھر اللہ کے سوا کسی دوسری ہستی کو خدا سمجھ کر اس کے گن گانے اور اس کی مالا جپنے کا سوال پیدا ہی کہاں ہوتا ہے؟

اور 'شکر اللہ ہی کے لئے ہے' کا مطلب یہ ہے کہ انسان جن بیشمار نعمتوں سے نوازا گیا ہے وہ سب اللہ ہی کی بخشش اور دین ہیں۔ مثلاً زندگی جیسی عظیم نعمت، خورد و نوش کا اعلیٰ ذوق اور اس کے مطابق رزق کا سامان، اولاد جیسی آنکھوں کی ٹھنڈک، عقل و شعور اور علم کی دولت اور دیگر ظاہری اور باطنی نعمتیں سب اسی کی عطا کردہ ہیں۔ اس لئے شکر کا مستحق بھی تنہا وہی ہے۔ اسی کی نعمتوں کا اعتراف کرنا چاہیئے اور اسی کا سپاس گذار اور شکر گذار بنکر رہنا چاہیئے۔

شکر کا یہ جذبہ دین کی اساس ہے اور اسی بنیاد پر خالقِ کائنات سے انسان کا صحیح تعلق قائم ہوتا ہے۔ گویا یہ ہدایت کی کلید ہے۔ اسی لئے قرآن انسان کی ذہنی و فکری تربیت اس انداز سے کرتا ہے کہ اس کے اندر شکر کا جذبہ ابھرے اور وہ اللہ تعالیٰ کا گرویدہ بن جائے۔

۳۔ اللہ اس ہستی کا نام ہے جو تمام کائنات کا خالق ہے۔ یہ نام ہمیشہ سے اس کے لئے خاص رہا ہے۔ اس لفظ سے نہ جمع کا صیغہ بنایا جاسکتا ہے اور نہ مؤنث کا۔ عربی میں اس کے معنیٰ معبود حقیقی کے ہیں۔ دوسری زبانوں میں اس کا ٹھیک ٹھیک بدل ملنا مشکل ہے۔ اردو میں خدا اور انگریزی میں (God) کے الفاظ عام طور سے خالق کائنات کیلئے مستعمل ہیں۔ لیکن خدا سے جمع کا صیغہ خداؤں اور خداوندان بنایا جاتا اور (God) دیوی دیوتا کیلئے بولا جاتا ہے اس کا مؤنث (Goddess) آتا ہے جس کے معنی دیوی کے ہیں۔ چنانچہ زہرہ سیّارہ کو (Goddess venus) کہا جاتا ہے۔ نیز عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث میں حضرت عیسیٰؑ کو (God the son) کا خطاب دیا گیا ہے۔ (The Oxford Eng Dictionary Vol IV P.268.271)

مرہٹی میں ایشور اور پرمیشور کے الفاظ خدائے تعالیٰ (Supreme Being) کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن یہ شیو (शिव) اور وشنو (विष्णू) کے القاب بھی ہیں۔ لفظ ایشور (ईश) اور (वर) سے مرکب ہے۔ (ईश) کے معنی مالک اور حاکم کے ہیں اور (वर) کے معنی برتر۔ اس طرح (ईश्वर) کے معنی ہوئے خدائے برتر۔ لیکن اس کا مؤنث ایشوری (ईश्वरी) آتا ہے جو دیوی کیلئے بولا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو (Moles Worth's Marathi Eng Dictionary P. 84) اسی طرح پرمیشور (परम) اور (ईश्वर) سے مرکب ہے۔ (परम) کے معنی اعلیٰ کے ہیں اور پرمیشور کے معنی اعلیٰ ایشور کے، اور پرمیشور دونوں الفاظ کے استعمالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الفاظ اگرچہ خالق کائنات کیلئے استعمال ہوتے ہیں، لیکن اس کے لئے مخصوص نہیں ہیں، بلکہ دیوی دیوتاؤں کیلئے بطور صفت یا لقب ان کا استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح بھگوان (भगवान) کا اسم بھی خدا کیلئے خاص نہیں ہے، بلکہ بطور لقب یا صفت دیووں کیلئے اس کا استعمال عام ہے۔ مثلاً بھگوان واسودیو (भगवान वासूदेव) اسی طرح وشنو اور شیو کو بھی بھگوان کہا جاتا ہے لہٰذا یہ اسماء قرآن کے اسم ’’اللہ‘‘ کا بدل نہیں ہوسکتے جو خالق کائنات کیلئے بالکل مخصوص ہے اور ہر قسم کے احتمالات سے پاک ہے۔ یہ لفظ واحد ہے اسکی کوئی جمع نہیں آتی۔ نیز اس کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ یہ نام زبان پر آتے ہی ذہن اس کی صفاتِ کمالیہ کی طرف منتقل ہونے لگتا ہے۔ اسی لئے قرآن میں جہاں کہیں اسم اللہ آیا ہے ہم نے ترجمہ میں بھی لفظ اللہ ہی رکھا ہے۔

اسم اللہ قرآن میں ۲۶۹۷ بار آیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس نام کی معرفت کتنی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ قرآن میں پیش کی گئی ہے۔

۴۔ رب کے معنی ہیں پرورش کرنے والا اور مالک و آقا۔ اللہ کے کائنات کا رب ہونیکا مطلب یہ ہے کہ وہ کائنات کا صرف خالق و پروردگار ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مالک اور آقا بھی ہے۔ سارے اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں اور کائنات کا سارا انتظام وہی تنہا کررہا ہے۔ ساری مخلوق اسکے سامنے عاجز ہے اور سب اس کے بے اختیار اور بے بس بندے ہیں۔ حقیقی حاکم اور فرمانروا بھی وہی ہے، کیونکہ مالک اور آقا ہونے کا یہ لازمی مفہوم ہے۔ اس کی یہ ربوبیت اس جہاں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ ستاروں سے آگے جو اور جہاں ہیں وہاں، بھی اس کی ربوبیت کا ظہور ہے۔ غرض انسان اور حیوان جن اور فرشتے دنیا اور آخرت سب کا پروردگار اور مالک تنہا وہی ہے۔

یہاں یہ پہلو بھی غور طلب ہے کہ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ فرمایا ہے رَبُّ الْمُسْلِمِیْنَ نہیں فرمایا۔ کیونکہ اللہ کسی ایک گروہ ایک طبقہ اور ایک فرقہ کا رب نہیں ہے، بلکہ بلاتفریق پوری نوع انسانی کا رب ہے۔

۵۔ رحمٰن و رحیم دونوں الفاظ رحمت سے مشتق ہیں اور اللہ کی صفت ہیں۔ رحمٰن مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے معنی ہیں بے انتہا مہربان۔ اس میں جوشِ رحمت کا پہلو غالب ہے اور یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ انسان کی تخلیق اس کے غضب کے نتیجہ میں نہیں بلکہ جوشِ رحمت کے نتیجہ میں ہوئی ہے۔ اور اس کی یہ رحمت نہایت وسیع اور ہمہ گیر ہے جس سے انسانوں کا کوئی گروہ یا مخصوص فرقہ یا مخصوص قوم نہیں، بلکہ پوری نوع انسانی فیضیاب ہورہی ہے۔ اور اتنا ہی نہیں، بلکہ تمام مخلوقات اور پوری کائنات پر اس کی رحمت چھائی ہوئی ہے اور ہمہ گیر رحمت کے اس مفہوم کے پیش نظر یہ نام اللہ کیلئے خاص ہوگیا ہے۔ اور الرحمٰن کے نام سے اسی کو پکارا جاتا ہے۔ گویا اس لفظ کی حیثیت اسم علم کی سی ہے۔ اس لئے خدا کی صفت رحمت کو نمایاں کرنے کیلئے الرحیم کا اضافہ نہایت موزوں ہوا۔

رحیم اسم صفت ہے اور اس پہلو کو ظاہر کرتی ہے کہ اسکی رحمت مستقل اور دائمی ہے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ انسان کی تخلیق نہ صرف

اس کی رحمت کے جوش میں آنے سے ہوئی بلکہ وہ اس پر برابر اپنی رحمت کی بارش کر رہا ہے۔ اور جو لوگ اس کے راستہ پر چلیں گے انہیں وہ ابدی طور پر اپنی رحمت سے نوازے گا۔

واضح رہے کہ رحیم کو رام کے مترادف سمجھنا صحیح نہیں، کیونکہ رحیم اللہ وحدہٗ کی صفت ہے جبکہ رام ایک مذہبی پیشوا کا نام ہے۔

۶۔ یعنی قیامت کا دن جبکہ اللہ عدالت برپا کرے گا اور تمام اگلے پچھلے انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، تاکہ اس کے حضور پیش ہو کر اپنے کارنامۂ زندگی کا حساب دیں اور اپنے اچھے یا برے اعمال کے مطابق جزا یا سزا پائیں۔

عدل و انصاف اللہ کی صفت ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ بندوں کے درمیان انصاف کیا جائے۔ اس کے وفادار بندے انعام سے نوازے جائیں اور سرکشوں کو کڑی سزا دی جائے۔

جزا و سزا کا یہ تصور عقیدۂ تناسخ سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ عقیدۂ تناسخ ایک چکر ہے جس کی نہ کوئی ابتداء ہے اور نہ انتہا۔ اس عقیدہ کی رُو سے یہ دنیا دارالعذاب ہے۔ یہ عقیدہ انسان کے دوبارہ اٹھائے جانے، فرمانروائے کائنات کی طرف سے عدالت کے برپا کئے جانے، انسانی اعمال کا ریکارڈ پیش کئے جانے اور اللہ کی طرف سے ابدی انعام یا سزا پانے کے تصور سے بالکل خالی ہے۔

عدل کا تصور انسان کی سرشت میں موجود ہے۔ اسی بنا پر انسان عدالتیں قائم کرتا ہے لہٰذا فرمانروائے کائنات کا ایک دن سب کو جمع کر کے عدالت برپا کرنا کوئی غیر معقول بات نہیں ہے بلکہ عقل کے عین مطابق اور فطرت سے بالکل ہم آہنگ اور اس کا کھلا تقاضا ہے۔

قرآن میں جا بجا اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت اور صفت عدل و حکمت سے آخرت پر استدلال کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی پرورش اور ربوبیت کا جو سامان کیا ہے اس کو انسان جب کھلی آنکھوں سے دیکھتا ہے تو ربوبیت کا تقاضا ابھر کر سامنے آجاتا ہے کہ جزا و سزا کا ایک دن ہونا چاہئے۔ تاکہ نیکو کاروں کو ان کی نیکیوں کا بھرپور صلہ اور بدکاروں کو ان کے کئے کی منصفانہ سزا ملے۔ قرآن کہتا ہے جس ہستی نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کو محفوظ چھت بنایا، تمہاری روشنی کے لئے سورج اور چاند چمکائے، تمہارے جمالیاتی ذوق کے لئے ستاروں کی پر رونق بزم سجائی، ہوا کو تمہاری خدمت میں لگایا اور بارش کے ذریعہ پانی کا حیرت انگیز انتظام کیا، قسم قسم کے پھل پھول اور میوے پیدا کئے، نباتات اور اناج پیدا کر کے تمہارے رزق کا سامان مہیا کیا، جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کیا اور پوشش اور زیبائش کے لئے لباس مہیّا کیا۔ غرضیکہ جس نے اس بزم کائنات کو سجا کر تم پر اپنی نعمتوں کی بارش کی۔ اس ہستی کے بارے میں کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اس نے یہ کارخانہ محض کھیل کے طور پر بنایا ہے اور اس کے پیچھے کوئی مقصد کارفرما نہیں ہے؟ اور کیا ان نعمتوں کے سلسلے میں تم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ جس کی باز پرس ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ جزا و سزا سے انکار وہی کر سکتا ہے جو خواہش نفس سے مغلوب ہو گیا ہو کیونکہ خواہشات کا غلبہ اسے اس بات پر آمادہ نہیں کرتا کہ وہ ذمہ دارانہ زندگی گزارے، بلکہ اس کی نظروں میں ایسی زندگی کو خوش آئند بنا کر پیش کرتا ہے جس میں کسی کے حضور جواب دہی کا تصور نہ ہو اور اس پر نہ ذمہ داریوں کا بوجھ ہو اور نہ اس کی آزادی محدود کر دی گئی ہو۔ قرآن کہتا ہے کہ ہر انسان ذمہ دار ہے اور اس سے لازماً اس کے اعمال کے بارے میں باز پرس ہونی ہے اور فیصلہ کا ایک دن مقرر ہے۔ جس نے اپنی ذمہ داریاں پوری کی ہونگی، وہ کامیاب ہوگا اور جس نے انکو نظر انداز کیا ہوگا وہ ناکام رہے گا۔

ذمہ داری کا یہ احساس اور آخرت کا یقین آدمی کو خدا اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی پر آمادہ کرتا ہے اور اسکے نتیجے میں آدمی ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنے لگتا ہے۔ گویا عقیدۂ آخرت کی برکتیں اس دنیا ہی میں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ بشرطیکہ آدمی اس کو شعوری طور پر اور حقیقت سمجھ کر قبول کرے۔

۷۔ عبادت عبد سے ہے جس کے معنیٰ بندے کے ہیں اور عبادت کے معنیٰ ہیں بندگی۔ اس کے لغوی معنیٰ میں اطاعت بھی شامل ہے جو خضوع کے ساتھ ہو۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے: **وَمعنی العبادۃ فی اللغۃ الطاعۃ مع الخضوع** (لسان العرب ج ۳ ص ۲۷۳) عبادت کی روح انتہائی خشوع و خضوع اور عاجزی و فروتنی کا اظہار ہے۔ پرستش اور اس کی مختلف شکلیں مثلاً قیام، رکوع، سجدہ، نماز، طواف، دعا، استعاذہ، فریاد اور حاجت روائی کیلئے پکارنا، ذکر و تسبیح،

کا گن گانا اور نام جپنا سب عبادات ہیں۔

قرآن میں عبادت کا لفظ ایک جامع اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے، جو پرستش، بندگی اور بے قید و غیر مشروط اطاعت، (جو خضوع کے ساتھ ہو) کے مفہوم پر مشتمل ہے۔ البتہ چونکہ پرستش اس کا اولین اور متبادر مفہوم ہے اس لئے موقع کی مناسبت سے یہ لفظ صرف پرستش کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اس لفظ کا جامع مفہوم ہی مراد ہے۔

عبادت اللہ کے لئے خاص ہے کیونکہ لائقِ عبادت اسی کی ذات ہے۔ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں خواہ پتھر ہوں یا درخت، سورج ہو یا ستارے انسان ہوں یا جن اور انبیاء ہوں یا فرشتے۔ (مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ کہف نوٹ ۱۳۵)

۸۔ حقیقی مددگار اللہ ہی ہے اس لئے مدد صرف اسی سے طلب کرنا چاہئے خواہ مدد عبادت کے معاملہ میں مطلوب ہو یا کسی اور معاملہ میں، اس سے یہ بات واضح ہے کہ کسی پیغمبر، ولی، جن، فرشتہ، یا دیوی دیوتا کو مدد کے لئے پکارنا ہرگز روا نہیں اس لئے کہ اللہ کے سوا کوئی مشکل کشا اور حاجت روا نہیں ہے۔

یہاں بندہ خاص طور سے عبادت کے معاملہ میں اللہ سے مدد کا طالب ہے کیونکہ اس کی توفیق کے بغیر انسان اس کی عبادت کی سعادت حاصل نہیں کر سکتا۔

۹۔ سیدھے راستہ سے مراد وہ راستہ ہے جو سیدھا اللہ تک پہنچتا ہے۔ اور جس پر چل کر آدمی منزل مقصود کو پہنچ جاتا ہے اور جو حقیقی فوز و فلاح کا ضامن اور رضائے الٰہی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے۔ یہ راستہ اسلام اور صرف اسلام کا ہے۔ جس طرح دو نقطوں کے درمیان ایک ہی خط مستقیم کھینچ سکتے ہیں، اسی طرح اللہ تک پہنچنے کی واحد راہ یہی اسلام کی صراط مستقیم ہے۔ اس سے خود بخود اس گمراہ کن نظریہ کی تردید ہوتی ہے کہ تمام راستے اللہ تک پہنچتے ہیں۔ لہٰذا آدمی جس راہ پر بھی چل پڑے، خدا تک رسائی ہو جائے گی۔ یہ غلط قسم کی رواداری ہے اور قرآن انسان کو رواداری کے اس پُرفریب تصوّر میں چھوڑ نا نہیں چاہتا۔

اسلام کو شاہراہ سے تعبیر کرنے میں دین حقیقی کا تصور بھی مضمر ہے۔ یعنی یہ دین '' **مذهبی مراسم کا مجموعه** '' نہیں ہے، بلکہ ایک طریق زندگی (Way of Life) ہے جس پر گامزن ہو کر اور عملی جدوجہد کر کے ہی انسان کامیابی کی منزل کو پہنچ سکتا ہے۔

۱۰۔ یعنی ہم حقیقی انعام کے طالب ہیں اور تیرے حضور اس کی درخواست لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ ہم پر ہدایت و شریعت کی راہ کھول دے اور اپنے فیض اور اپنی خوشنودی سے ہمیں نواز۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقیقی انعام سے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کو نوازتا رہا ہے۔ یہ دعا اسی انعام یافتہ گروہ کی راہ پر چلانے کے لئے ہے۔ یہیں سے رسالت پر ایمان لانے کی ضرورت بھی ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اللہ کے راستے کو معلوم کرنے کا انسان کے پاس کیا ذریعہ ہے؟ انسان اپنی عقل سے اس کے راستہ، اس کی عبادت کے طور طریقے اور اس کی پسند و ناپسند کا تعین نہیں کر سکتا بلکہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے بتانے ہی سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف زبانوں اور ملکوں میں پیغمبر بھیجے۔

۱۱۔ اللہ کا غضب ان لوگوں پر ہوا جنہوں نے اللہ کے دین اور اسکی شریعت کو دل کی آمادگی کے ساتھ قبول نہیں کیا بلکہ محض رسمی طور پر قبول کیا اور خواہشات کے پیچھے پڑ کر شرعی احکام کی خلاف ورزی کی اور سرکشی کا رویہ اختیار کر بیٹھے۔ اس کی مثال یہود ہیں۔

۱۲۔ گمراہ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے اللہ کے دین کی نعمت کو پایا لیکن غلو، بدعات، ترک دنیا، اور فلسفیانہ بحثوں کے چکر میں پڑ کر راہ راست سے بہت دور نکل گئے۔ اس کی مثال نصاریٰ ہیں۔

یہاں یہود و نصاریٰ کی گمراہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ صراط مستقیم (دین حق) کو پانے کے بعد اسے گم کر نیکی یہ جیتی جاگتی اور نمایاں مثالیں ہیں اور اس سے مقصود امت مسلمہ کو متوجہ کرنا ہے کہ وہ ان گمراہ ملتوں کی سی روش اختیار نہ کریں۔ رہے مشرک، کافر اور ملحد تو وہ پرلے درجہ کے گمراہ ہیں اور ان کی گمراہی محتاج بیان نہیں۔

اس سورہ کے ختم پر آمین کهنا مسنون هے جس کے معنی هیں قبول فرما۔

تفسیر
سورۃ البقرۃ

(۲) البقرۃ

نام: اس سورہ کا نام البقرہ ہے۔ یہ قرآن کریم کی سب سے بڑی سورہ ہے جو ۲۸۶ آیتوں پر مشتمل ہے۔ قرآن کی سورتوں میں نہایت وسیع مضامین بیان ہوئے ہیں اس لئے ان کے نام عنوانات کے بجائے سورہ کے کسی مخصوص لفظ یا ابتدائی حروف کی مناسبت سے مقرّر کئے گئے ہیں۔ جو علامت کا کام دیتے ہیں۔ چونکہ اس سورہ میں ایک جگہ گائے کا ذکر ہے اسلئے علامت کے طور پر اس سورہ کا نام البقرہ (گائے) رکھا گیا ہے۔ سورتوں کے یہ نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق تجویز فرمائے تھے۔

زمانۂ نزول: یہ سورہ مدنی ہے۔ اس کا بیشتر حصّہ ہجرت کے متصلاً بعد مدینہ میں دو سال کے اندر نازل ہوا۔ البتہ بعض آیتیں بعد میں نازل ہوئیں۔ مثلاً سود کی ممانعت سے متعلق آیتیں مدنی دور کے اخیر میں نازل ہوئیں۔ لیکن مضمون کی مناسبت سے اس میں شامل کر دی گئیں۔ واضح رہے کہ قرآنی آیات کی ترتیب بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوئی ہے۔

پس منظر: ہجرت کے بعد سابقہ یہود سے پیش آیا تھا جن کی بستیاں مدینہ کے قرب و جوار میں تھیں۔ یہ لوگ توحید رسالت اور آخرت کو مانتے تھے۔ اور اصلاً ان کا دین اسلام ہی تھا۔ لیکن صدیوں کے انحطاط نے ان کو اصل دین سے بہت دور کر دیا تھا۔ چنانچہ ان کے عقائد میں غیر اسلامی عناصر کی آمیزش ہو گئی تھی۔ اور ان کی عملی زندگی میں بہت سی ایسی رسمیں اور طریقے رواج پا گئے تھے جو اصل دین میں نہ تھے۔ اور جن کا ثبوت ان کی کتاب تورات میں نہ تھا۔ اس سورہ میں ان کو اصل دین یعنی اسلام کی طرف دعوت دی گئی ہے۔

مرکزی مضمون: سورہ کا مرکزی مضمون ہدایت ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ جس طرح اس سے پہلے اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لئے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ کتابیں بھیجتا رہا ہے۔ اسی طرح اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ لہٰذا قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ اس کے بغیر نہ اللہ کو ماننے کے کوئی معنی رہتے ہیں اور نہ اس کے بغیر زندگی اللہ کے رنگ میں رنگ سکتی ہے۔

نظم کلام: نظمِ کلام کے لحاظ سے سورہ کا ابتدائی حصّہ آیت ۱ تا ۲۰ تمہید کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ اس ہدایت کو کس طرح کے لوگ قبول کریں گے اور کس طرح کے لوگ قبول نہیں کریں گے۔

آیت ۲۱ تا ۲۹ میں عام انسانوں کو مخاطب کر کے انہیں بندگیٔ رب کی دعوت دی گئی ہے کہ ہدایت کی راہ یہی ہے۔ نیز واضح کیا گیا ہے کہ جو لوگ ہدایت الٰہی سے منہ موڑتے ہیں ان کی عملی زندگی کتنی غلط ہو کر رہ جاتی ہے اور انجام کتنا بُرا ہوگا۔ برعکس اس کے جو لوگ ہدایت الٰہی کو قبول کرتے ہیں ان کی عملی زندگی کس طرح سنورتی ہے۔ اور ان کا انجام کس قدر خوشگوار ہوگا۔

آیت ۳۰ تا ۳۹ میں آدمؑ سب سے پہلے انسان کی خلافت اور شیطان کی مخالفت کی سرگزشت بیان کی گئی ہے جس سے تاریخ انسانی کا اولین باب روشن ہو کر سامنے آجاتا ہے اور بنیادی سوالات کا اطمینان بخش جواب مل جاتا ہے۔ مثلاً یہ کہ انسانیت کا آغاز کس طرح ہوا؟ دنیا میں انسان کی پوزیشن کیا ہے؟ اس کی تخلیق کے پیچھے کوئی اسکیم ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو وہ کیا؟ انسان کی کامیابی کا دارومدار کس بات پر ہے؟ اس سرگزشت سے یہ بات ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اولین انسان حضرت آدمؑ کو جو ہدایت دی گئی تھی وہ اسلام ہی تھا اور وہی انسانیت کا اصل دین ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ انسان کی رہنمائی آغاز تخلیق ہی سے فرماتا رہا ہے۔ اور انسانیت کی بسم اللہ دینِ اسلام ہی سے ہوئی ہے۔

آیت ۴۰ تا ۱۲۳ میں بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے اس ہدایت نامہ پر اور اسکے لانے والے پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اس ہدایت نامہ کا نزول اور آپ ﷺ کی بعثت ٹھیک ان پیشین گوئیوں کے مطابق ہوئی ہے جو ان کی اپنی کتابوں تورات وغیرہ

میں موجود ہیں۔ بنی اسرائیل اس زعم میں مبتلا تھے کہ نبوت ان ہی کے خاندان میں محصور ہے اور ایک ایسے نبی پر ایمان لانا جو اس خاندان سے باہر عرب کے اُمّیوں میں پیدا ہوا ہو اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ان سے کہا گیا ہے کہ اللہ کی ہدایت کو قبول کرنے کے معاملہ میں کسی عصبیت کا دخل نہیں ہونا چاہئے ورنہ آدمی ہدایت الٰہی سے یکسر محروم ہو جاتا ہے اگر چہ وہ اپنے کو کتنا ہی دیندار سمجھتا رہے۔ ساتھ ہی بنی اسرائیل کے عہد شکنیوں کی تاریخ بیان کی گئی ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ ان کے اندر کیسی مجرمانہ ذہنیت پرورش پاتی رہی ہے اور کس طرح وہ ذہنی، فکری، اخلاقی اور عملی انحطاط میں مبتلا ہو گئے۔ جس کا اصل سبب یہ ہے کہ انہوں نے عملاً ہدایت الٰہی سے انحراف کیا۔

بنی اسرائیل کی مذہبیت کا جائزہ پیش کرتے ہوئے دین کی اس حقیقت کو واشگاف الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے کہ نجات کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے نہ کہ مخصوص نسل یا مخصوص مذہبی فرقہ سے وابستگی پر۔

آیت ۱۲۴ تا ۱۶۷ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خانۂ کعبہ مرکزِ توحید کو تعمیر کرنے کی سرگزشت بیان ہوئی ہے۔ اس ضمن میں واضح کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جو بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل دونوں خاندانوں کے جد امجد ہیں اور جن کو یہود، نصاریٰ، مشرکین مکّہ اور مسلمان سب اپنا پیشوا مانتے ہیں، خالصۃً ہدایت الٰہی کے پیرو تھے اور ان کا دین اسلام تھا نہ کہ یہودیت یا نصرانیت یا کوئی اور مذہب۔ اسی اسلام کی دعوت دینے اور دنیا والوں کی رہنمائی کیلئے اللہ تعالیٰ نے امت وسط برپا کی ہے۔ جس کا قبلہ مسجد حرام ہے۔ اس قبلہ کو مشرکین مکّہ کے قبضہ سے آزاد کرانے کے لئے اہلِ ایمان کو جہاد کرنا پڑے گا۔ اور جان و مال کی قربانیاں دینی پڑیں گی۔ ساتھ ہی واضح کیا گیا ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دعا کی تھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کے مظہر ہیں۔ اور آپ ﷺ کی دعوت مخالفتوں کے باوجود کامیاب رہے گی اور دینِ اسلام غالب ہو کر رہے گا۔

آیت ۱۶۸ تا ۲۴۲ میں شریعت کے احکام و قوانین بیان کئے گئے ہیں جو انفرادی زندگی سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور اجتماعی زندگی سے بھی، مذہبی بھی ہیں اور اخلاقی بھی، عائلی بھی ہیں اور سوشل بھی۔ یہ وہ رہنمائی ہے جو اسلام نے زندگی کے مختلف گوشوں میں کی ہے۔ موقع موقع سے بنیادی عقائد بھی پیش کئے گئے ہیں کیوں کہ ان ہی کی بدولت آدمی راہِ ہدایت پر قائم رہ سکتا ہے۔

آیت ۲۴۳ تا ۲۸۳ میں مرکز ہدایت خانۂ کعبہ کو مشرکین کے قبضہ سے آزاد کرانے کیلئے جہاد کی اور اس سلسلہ میں انفاق کی ترغیب دی گئی ہے۔ ساتھ ہی انفاق کی ضد یعنی سود کی حرمت بیان کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں کاروباری معاملات کو درست رکھنے کے سلسلہ میں بھی ہدایات دی گئی ہیں۔

آیت ۲۸۴ تا ۲۸۶ خاتمۂ کلام ہے۔ اس میں ان لوگوں کے ایمان لانے کا ذکر ہے، جو کسی تعصّب میں مبتلا نہ تھے کہ کسی رسول کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں بلکہ حق پسند تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر ہدایت کی راہ کھول دی۔ چنانچہ ان کی زبان سے وہ دعا ادا ہوئی جو ان کے احساسِ ذمہ داری کی ترجمانی کرتی ہے۔

تلاوت کی ترغیب: حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا تجعلو بیو تکم مقابر ان الشیطان ینفر من	’’اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے
البیت الذی تُقرءُ فیه سورۃ البقرہ (مسلم)	جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔‘‘

یہ اس لئے کہ سورۂ بقرہ میں شیطان کی سازشوں کو بے نقاب کیا گیا ہے اور اس میں عائلی زندگی کے احکام بھی بیان کئے گئے ہیں۔ نیز ایمان اور ہدایت کی راہ بخوبی واضح کی گئی ہے۔ اس لئے جس گھر میں اس کو سمجھ کر پڑھنے پڑھانے کا اہتمام کیا جائے گا وہاں شیطان کو فتنہ اور شر برپا کرنے میں کامیابی نہیں مل سکے گی۔

سُوۡرَةُ الۡبَقَرَةِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓمّٓ ۚ‏ ﴿۱﴾

ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَۛ ۖ فِيۡهِ ۛ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَۙ‏ ﴿۲﴾

الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَيۡبِ وَ يُقِيۡمُوۡنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَۙ‏ ﴿۳﴾

وَالَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَآ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ وَبِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ يُوۡقِنُوۡنَؕ‏ ﴿۴﴾

اُولٰٓـئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ‏ ﴿۵﴾

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ‏ ﴿۶﴾

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ ‌ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ‏ ﴿۷﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ‌ۘ‏ ﴿۸﴾

يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّآ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَؕ‏ ﴿۹﴾

فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ ۙ بِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ‏ ﴿۱۰﴾

۲۔ سُوۡرۃُ البقرۃ

آیات: ۲۸۶

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے۔

۱ الف ۔لام ۔میم ۱ ۔

۲ یہ کتابِ الٰہی ہے ۲ ۔ اس میں کوئی شک نہیں ۔ ہدایت ہے ۳ متقیوں کے لئے ۴ ۔

۳ جو غیب پر ۵ ایمان لاتے ہیں ۶ ، نماز قائم کرتے ہیں ۷ ۔ اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں ۸ ۔

۴ جو کتاب (اے پیغمبر!) تم پر نازل کی گئی ہے اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں ۹ ۔ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں ۱۰ ۔

۵ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں ۱۱ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۱۲ ۔

۶ جن لوگوں نے کفر کیا ۱۳ ان کیلئے یکساں ہے ۔ تم انہیں خبردار کرو یا نہ کرو ۱۴ ، وہ ایمان لانے والے نہیں۔

۷ اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے ۱۵ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے ۔ وہ سخت عذاب کے مستحق ہیں ۱۶ ۔

۸ اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں ۱۷ جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لائے ہیں مگر حقیقت میں وہ مومن نہیں ہیں۔

۹ وہ اللہ اور اہل ایمان کے ساتھ دھوکہ بازی کررہے ہیں حالانکہ وہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں ۔ مگر انہیں اس کا احساس نہیں ہے۔

۱۰ ان کے دِلوں میں روگ ہے ۱۸ ، جسے اللہ نے اور زیادہ کردیا اور جو جھوٹ وہ بولتے ہیں ، اس کی وجہ سے ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

۱۔ یہ اور اس طرح کے حروف مختلف سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں جنھیں حروف مقطعات کہتے ہیں۔ ان حروف کو الگ الگ کر کے پڑھا جاتا ہے۔ ۲۹ سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے ہوا ہے۔ یہ حروف سورتوں کے مخصوص مضامین کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اس سورہ کے مضامین پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ الف کا اشارہ اللہ اور اس کی آیات کی طرف، لام کا اشارہ **لا الٰہ الا اللّٰہ** کی طرف اور میم کا اشارہ تین باتوں کی طرف ہے۔ ایک اس کے ملک اور مالک ہونے کی طرف، دوسرے ملائکہ کی طرف جن کے توسط سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا گیا اور تیسرے مومنین و متقین کی طرف، جن کے لئے یہ قرآن ہدایت و بشارت بن کر نازل ہوا۔ یہ مضامین اس سورہ میں خاص اہتمام کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر آیت الکرسی آیت ۲۵۵ جو اس سورہ کی مہتم بالشان آیت ہے، الف اور لام کی بہت واضح تعبیر ہے کہ **اللّٰہ لا الٰہ الا ھو** سے شروع ہوتی ہے۔ گویا الف اللہ کی توحید کا نشان ہے تو لام اس کے منفی پہلو یعنی شرک کے باطل ہونے کی علامت۔ علاوہ ازیں ان حروف کو سورہ کے دیگر مضامین سے بھی گہری مناسبت ہے۔ مثلاً اس سورہ کی آیات ۲۴۳، ۲۴۶ اور ۲۵۸ "**الم**" سے شروع ہوتی ہیں جن میں تین مختلف واقعات بیان ہوئے ہیں۔ پہلا واقعہ ایک گروہ کی موت و حیات کا، دوسرا طالوت کا، اور تیسرا حضرت ابراہیم کے بادشاہ کے دربار میں دعوت توحید پیش کرنے کا۔

قرآن کے اس اسلوب کی مثال زبور میں بھی موجود ہے، چنانچہ زبور کے باب ۱۱۹ میں عبرانی حروف کا بہ کثرت استعمال ہوا ہے۔ مثلاً زبور ۱۱۹: ۱۳۷ میں ہے:-

"ص (عبرانی تلفظ صادے) اے خداوند تو صادق ہے۔" ظاہر ہے زبور کی اس آیت میں ص صادق کی طرف اشارہ کر رہا ہے اسی طرح زبور ۱۱۹: ۱۲۱ میں ہے:

"ع (عبرانی لفظ عین) میں نے عدل و انصاف کیا ہے۔" اس آیت میں ع عدل کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اسی طرح زبور ۱۱۹: ۷۳ میں ہے

"ی (عبرانی تلفظ یود) تیرے ہاتھوں نے مجھے بنایا اور ترتیب دی۔"

اس آیت میں حرف ی ید (ہاتھ) کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اسی لئے قرآن کے مخاطبین کو اس میں معمہ کے قسم کی کوئی بات محسوس نہیں ہوئی ورنہ وہ ضرور سوال کرتے کہ ان حروف کا کیا مطلب؟ ویسے بھی مجرد حروف کوئی معنیٰ نہیں رکھتے جب تک کہ وہ افعال یا اسماء کیساتھ استعمال نہ ہوں۔ اس لئے قرینہ کی بات یہی ہے کہ ان کا استعمال علامت اور اشارہ کے طور پر ہوا ہے۔ جس زمانے میں قرآن نازل ہوا اس کی حفاظت کا دارومدار زبانی حفظ کر لینے پر تھا اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سورتوں کے حفظ کر لینے میں مخصوص مضامین کی طرف اشارات سے، نیز سورتوں کے علامتی ناموں سے بڑی مدد ملتی ہے۔ اور یہ طریقہ سورتوں کی شناخت کے معاملہ میں بڑا معاون ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن نے اس اسلوب کو اختیار کیا۔ بہر صورت ان حروف کو معمہ سمجھنا صحیح نہیں کیونکہ قرآن ہدایت کی کتاب ہے جو عربی میں نازل ہوئی ہے، اسمیں معنیٰ کی گہرائی ضرور ہے لیکن معمے کے قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔ (مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ یونس نوٹ ۱)

۲۔ کسی کتاب کے کتاب الٰہی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب خود منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہو۔ اور اس کے مضامین بھی اس کی شہادت دیتے ہوں۔ قرآن اپنے کتاب الٰہی ہونے کا واضح طور سے دعویٰ بھی کرتا ہے اور اس کے مضامین بھی کھلی شہادت دیتے ہیں کہ یہ اللہ رب العالمین ہی کا کلام ہے۔ اس کے کلام الٰہی ہونے کے بارے میں ادنیٰ شک کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف قرار دینا ایک بے بنیاد اور نامعقول بات ہے کیونکہ آپؐ امی تھے اور قرآن جیسی عظیم الشان کتاب جس کے اندر انسانی زندگی کے لئے مکمل رہنمائی ہو ایک امی کے بس کی بات نہیں ہو سکتی۔ مزید برآں قرآن کا یہ چیلنج ہے کہ اس جیسی کتاب تمام جن و انس مل کر بھی تصنیف نہیں کر سکتے۔ قرآن کے اس چیلنج کا جواب آج تک نہیں دیا جا سکا۔ نزول قرآن کے دور کے فصحاء و بلغاء اس کا جواب دینے سے قاصر رہے اور بعد کے دور کا بھی کوئی شخص اس دعوے کو غلط ثابت نہ کر سکا۔

۳۔ قرآن کے ہدایت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب اللہ تک پہنچنے کا راستہ دکھاتی ہے۔ زندگی کی پُر پیچ راہوں کے درمیان یہ کتاب راہ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اور عقائد و افکار، اخلاق و معاملات اور خصائل و اعمال کے بارے میں صحیح نقطۂ نظر پیش کرتی ہے۔ اس کی روشنی میں انسان راہ حق پر چل کر منزل مقصود کو پہنچ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ کھلے ذہن سے اس کا مطالعہ کرے اور ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر حق بات کو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔

۴۔ قرآن نے دوسری جگہ اپنے "ھدیً للناس" (۲: ۱۸۵) تمام لوگوں کیلئے ہدایت ہونے کی صراحت کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن سراسر ہدایت ہے اور

اس کی ہدایت سب کیلئے عام ہے۔لیکن جس طرح سورج کی روشنی سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اپنی آنکھیں کھلی رکھیں۔اس طرح قرآن کی روشنی سے بھی وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کے دلوں میں اپنے خالق کی عظمت اور اس کے غضب کا خوف ہو۔اس فطری صلاحیت کو یہاں تقویٰ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔آدمی کے اندر یہ وصف ہو تو وہ خیر وشر میں تمیز کرتا ہے اور بھلائی اور نیکی کا طالب بنتا ہے۔یہ تقویٰ بنیادی طور پر انسان کی فطرت میں ودیعت ہوا ہے۔قرآن اس کی آبیاری کرتا اور اسے پروان چڑھاتا ہے۔جو لوگ اس فطری صلاحیت کو کھو چکے ہوں اور اس کے نتیجہ میں وہ نہ اپنے خالق سے تعلق رکھنا چاہتے ہوں اور نہ ذمہ دارانہ اور پرہیزگارانہ زندگی گزارنے کے لئے آمادہ ہوں، وہ قرآن کی ہدایت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔تقویٰ کا یہ فطری وصف قبولِ ہدایت کے لئے ضروری ہے۔آگے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہ اس بنیادی تقویٰ کا فیضان اور قبولِ ہدایت کے ثمرات ہیں۔

۵۔ غیب سے مراد وہ حقائق ہیں جو انسان کے حواس سے پوشیدہ ہیں۔مثلاً خدا، ملائکہ، وحی، جنت، دوزخ وغیرہ۔

''غیب پر ایمان لاتے ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ محض محسوسات کے غلام نہیں ہیں، بلکہ ان حقائق کو تسلیم کرتے ہیں جو اگر چہ ان کے مشاہدہ اور تجربہ میں نہیں آئے ہیں۔لیکن اللہ کا پیغمبر ان کی خبر دے رہا ہے اور انسانی فطرت اور عقل سلیم ان کے حق ہونے کی شہادت دیتی ہے۔غیب پر ایمان لانا ضعیف الاعتقادی نہیں ہے بلکہ اس سے عقل کی پرواز بلند ہوتی ہے اور انسان کا روحانی ارتقاء ہوتا ہے۔جو لوگ محسوسات کے دائرے میں اپنے کو محصور کر لیتے ہیں اور حقائق کو محض اس بنا پر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ وہ ان کے مشاہدہ اور تجربہ میں نہیں آئے ہیں، وہ بلند پروازی کی فطری صلاحیت کو کھو بیٹھتے ہیں۔اس کے بعد نہ وہ خدا کو پہچان پاتے ہیں اور نہ اپنے آپ کو۔اس محرومی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ زندگی کے مقصد اور اس کی غایت کے بارے میں اٹکل پچو باتیں کرنے لگتے ہیں

۶۔ ایمان لانے کا مطلب یقین واعتقاد کے ساتھ مان لینا ہے۔جو شخص اللہ اور اس کی آیات وہدایات پر اس طرح ایمان لائے جس طرح قرآن میں ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، جس میں رسالت اور آخرت وغیرہ پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔نیز اپنے کو ہمہ تن اس کے حوالے کر دے اور اس کے فیصلوں پر راضی و مطمئن ہو جائے وہ مؤمن ہے۔

واضح رہے کہ ایمان وہی معتبر ہے جو دل کی تصدیق کیساتھ ہو لیکن زبانی اقرار بھی ضروری ہے۔چنانچہ اسلام کا پہلا رکن یہ ہے کہ آدمی زبان سے کلمۂ شہادت ادا کرے۔

۷۔ نماز قائم کرنا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں زیادہ جامع بات ہے۔نماز قائم کرنے کے مفہوم میں اخلاص اور خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھنا، ارکان نماز، قیام رکوع سجدہ وغیرہ کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا، جماعت کا اہتمام کرنا، نماز کی صفوں کو درست رکھنا، نماز کے اوقات کی پابندی کرنا غرض نماز کو اس کے تمام ظاہری و باطنی آداب کے ساتھ ادا کرنا شامل ہے

۸۔ خرچ کرنے سے مراد اللہ کی راہ میں اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے خرچ کرنا ہے، جس میں زکوٰۃ اور صدقات وخیرات کی تمام قسمیں شامل ہیں۔یہ گویا بندہ کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہے کہ مال اللہ ہی کا بخشا ہوا ہے اور اس بخشش پر وہ اس کا شکر گذار ہے۔نماز قائم کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا وہ بنیادی نیکیاں ہیں جو تمام بھلائیوں کا سر چشمہ ہیں۔

۹۔ یعنی یہ لوگ ہر قسم کے گروہی، قومی، جغرافیائی اور نسلی تعصب سے پاک ہیں۔وہ اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔بلکہ وہ اس کی تمام کتابوں کو برحق تسلیم کرتے ہیں خواہ وہ ان کی اپنی قوم کے پیغمبر پر نازل ہوئی ہو یا کسی اور قوم کے پیغمبر پر۔لیکن جو لوگ اللہ کی ہدایت کے قائل ہی نہ ہوں یا صرف اس کتاب کو آسمانی کتاب مانتے ہوں، جو ان کی اپنی قوم کے پیغمبر پر نازل ہوئی تھی ان پر قرآن کی راہ ہدایت کھل نہیں سکتی۔

یہود تورات کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی مانتے تھے، لیکن انجیل کو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور قرآن کو جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے ماننے سے انکار کرتے تھے۔اسی طرح نصاریٰ تورات اور انجیل کو تو آسمانی کتاب مانتے تھے، لیکن قرآن کے آسمانی کتاب ہونے سے انہیں انکار تھا۔قرآن نے اپنے پیروؤں کو جس عقیدہ کی تعلیم دی وہ یہ تھی کہ وہ ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہو کر تورات، انجیل، قرآن اور دیگر تمام کتب پر جو انبیاء

علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں ایمان لائیں۔

۱۰۔ آخرت کا لفظ دنیا کے مقابلہ میں اس دنیا کیلئے بولا جاتا ہے، جہاں انسان کو جی اٹھنے کے بعد اپنے اعمال کی جزا وسزا پانا اور ہیشگی کی زندگی گزارنا ہے۔ دنیا کے موجودہ نظام کا ایک دن خاتمہ ہوگا جس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک دوسرا عالم برپا کرے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو دوبارہ پیدا فرما کر جمع کرے گا، تاکہ ان کے اعمال کا حساب لے۔ اور نیکوکاروں کو جنت میں اور بدکاروں کو دوزخ میں داخل کرے۔ آخرت کا یہ عقیدہ اور جزا وسزا کا یہ تصور عقیدۂ تناسخ سے بالکل مختلف ہے اور اس کی قطعی طور پر نفی کرتا ہے۔ ''آخرت پر یقین رکھتے ہیں'' یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ایمان بالآخرت کے مدعی تو بہت سے لوگ ہوسکتے ہیں، لیکن حقیقتاً آخرت پر یقین رکھنے والے وہ متقی لوگ ہیں جن کے اوصاف اوپر بیان کئے گئے۔

۱۱۔ یعنی ہدایت پر ہونے کے مدعی بہت سے لوگ ہوسکتے ہیں۔ جو شخص جس مذہبی گروہ سے تعلق رکھتا ہے وہ اپنے زعم میں برسر ہدایت ہی سمجھتا ہے لیکن درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر صرف وہ لوگ ہیں جو مذکورہ اوصاف کے حامل ہیں اور فوز وفلاح ان ہی کے لئے مقدر ہے

۱۲۔ اصل کامیابی دنیا کی خوشحالی نہیں بلکہ آخرت کی کامیابی ہے۔ اور کامیاب درحقیقت وہ لوگ ہیں جو اللہ کے فیصلہ میں کامیاب قرار پائیں۔ قرآن کے نزدیک کامیابی کا صحیح معیار یہی ہے اور اسی کو سامنے رکھ کر اپنے لئے فکر وعمل کی راہ متعین کرنا چاہئے۔

۱۳۔ کفر کے معنیٰ انکار کرنے کے ہیں اور اس سے مراد بالعموم ان باتوں کا انکار ہے جن پر ایمان قرآن کے نزدیک ضروری ہے۔ اس آیت میں خاص طور سے وہ لوگ مراد ہیں، جنہوں نے قرآن کو کتاب الٰہی تسلیم کرنے سے انکار کیا۔

۱۴۔ خبردار کرنے کا مطلب کفر کے نتائج سے آگاہ کرنا ہے۔ جس طرح ایک ڈاکٹر مریض کو بدپرہیزی سے ڈراتا ہے اور علاج سے غفلت برتنے کے نتائج سے آگاہ کرتا ہے، اسی طرح ایک پیغمبر کفر ومعصیت کے نتائج بد سے آگاہ کرتا ہے۔ زہر کا مہلک ہونا تو سب کو معلوم ہے لیکن اس بات سے لوگ بے خبر ہیں کہ کفر و معصیت کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ اسی لئے پیغمبر کی دعوت میں انذار (خبردار کرنے) کا پہلو غالب ہوتا ہے۔

۱۵۔ یہاں ان لوگوں کا حال بیان ہوا ہے جن پر قرآن کی صداقت اچھی طرح واضح ہوگئی تھی۔ لیکن محض ہٹ دھرمی کی بناء پر انہوں نے اس کو کتابِ الٰہی تسلیم کرنے سے انکار کردیا تھا۔ اور پھر اپنے اس کفر پر اس طرح جم گئے اور حق کی مخالفت میں اتنے بڑھ گئے کہ قبول حق کی صلاحیت ان کے اندر باقی نہیں رہی۔ اس حقیقت کو دلوں اور کانوں پر مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ مہر ظاہری نہیں بلکہ معنوی ہے۔

مطلب یہ کہ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حق ان پر واضح نہیں ہوا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حق کو جھٹلانے کی جو روش انہوں نے اختیار کی اس کے نتیجہ میں وہ قانون الٰہی کی زد میں آگئے۔ اور ان کی حق کو سننے، سمجھنے اور دیکھنے کی صلاحیت بالکل سلب ہوگئی ہے۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انسان کے دل میں حق اسی صورت میں داخل ہوسکتا ہے جب کہ وہ اپنا دل، اپنے کان اور اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔

۱۶۔ اس سے بڑھ کر جرم اور کیا ہوسکتا ہے کہ آدمی اپنے رب کے فرمان کو ٹھکرائے؟ اس عظیم جرم پر وہ سزا ہی کا مستحق ہے نہ کہ انعام کا۔

۱۷۔ پہلا گروہ جس کا ذکر ابتدائی آیات میں ہوا سچے اہل ایمان کا ہے۔ دوسرا گروہ جس کا ذکر آیت ۶ اور ۷ میں ہوا منکرین کا ہے اور تیسرا گروہ جس کی خصوصیات آیت ۸۔ تا ۲۰۔ میں بیان ہوئی ہیں ان لوگوں کا ہے جو ایمان کے مدعی تو ہیں لیکن اپنے ایمان میں مخلص نہیں ہیں۔ اس سے اشارہ یہود کے اس گروہ کی طرف ہے جس نے منافقانہ روش اختیار کی تھی۔ اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ کے نزدیک ایمان وہی معتبر ہے جو اخلاص کے ساتھ ہو یعنی آدمی خلوص دل سے اللہ اور آخرت کو مانے اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں میں سے کسی کا انکار نہ کرے۔ ایمان لانے کا محض زبانی دعویٰ کرنا اور دینداری کا لبادہ اوڑھ لینا اللہ کے نزدیک کوئی وزن نہیں رکھتا۔

۱۸۔ روگ (مرض) سے مراد ایمان میں غیر مخلص ہونا ہے۔ اس روگ میں اللہ کی طرف سے اضافہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کردیئے کہ وہ حق کے تقاضوں سے گریز کرنے کے جرم پر جرم کے مرتکب ہوتے رہے اور ان کی منافقت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ
مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

۱۱ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو ۱۹؎ تو وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

۱۲ خبردار! یہی لوگ ہیں جو فساد پھیلانے والے ہیں لیکن انھیں اس کا احساس نہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ
اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ
لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

۱۳ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں ۲۰؎ اسی طرح تم بھی ایمان لاؤ تو کہتے ہیں کیا ہم اس طرح ایمان لائیں جس طرح بے وقوف ایمان لائے ہیں؟ خبردار! بے وقوف درحقیقت یہی لوگ ہیں ۲۱؎ لیکن جانتے نہیں ہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى
شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴ جب یہ اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں۔ اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں ۲۲؎ تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں، ان لوگوں سے تو ہم مذاق کر رہے ہیں۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

۱۵ اللہ ان سے مذاق کر رہا ہے۔ اور ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دیئے جا رہا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ وہ اندھوں کی طرح بھٹکتے پھر رہے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠
فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

۱۶ یہی لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی مول لی لیکن نہ تو ان کا سودا نفع بخش ہوا اور نہ وہ ہدایت یاب ہو سکے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ
ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

۱۷ ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ جلائی اور جب اس سے ماحول روشن ہوا تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی اور ان کو تاریکیوں میں چھوڑ دیا کہ کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ۲۳؎

صُمٌّ ۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

۱۸ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں۔ اب یہ نہ لوٹیں گے ۲۴؎۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ
اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ ۢ
بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

۱۹ یا پھر ان کی مثال یوں سمجھو کہ آسمان سے زور کی بارش ہو رہی ہے۔ جس کے ساتھ کالی گھٹائیں، کڑک اور بجلی بھی ہے۔ یہ بجلی کے کڑاکے سن کر موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں حالانکہ اللہ ان منکرین کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ
وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ
وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ۧ

۲۰ قریب ہے کہ بجلی ان کی بصارت اچک لے، جب جب چمک جاتی ہے یہ چل پڑتے ہیں۔ اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ ۲۵؎ اگر اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت سلب کر لیتا۔ ۲۶؎ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۹۔ دعوتِ قرآنی کی مخالفت کوفساد فی الارض سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کی اصلاح اس بات پر موقوف ہے کہ اس کے اندر اس کے حقیقی خالق و مالک کا حکم اور قانون چلے۔اس سے زمین پر امن وعدل کا نظام قائم ہوسکتا ہے اور ہر طرح کا خیر ظہور میں آسکتا ہے۔اسی لئے خالق کائنات کی اطاعت و بندگی کی دعوت اور اس بنیاد پر تمدنی نظام کو قائم کرنے کی جدوجہد حقیقی معنی میں اصلاح کی جدوجہد ہوتی ہے۔اور اس کی مخالفت میں جو بھی قدم اٹھایا جائے وہ بگاڑ اور فساد کے سوا کچھ نہیں۔

بناؤ اور بگاڑ کی اس حقیقت سے ناآشنا ہونے ہی کی بنا پر اکثر لوگ بناؤ کو بگاڑ اور بگاڑ کو بناؤ سمجھنے لگتے ہیں۔

۲۰۔ یعنی اس طرح ایمان لے آؤ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ایمان لائے ہیں۔مخلصانہ ایمان جس کے نتیجہ میں آدمی اللہ کا پکّا وفادار بندہ بن جاتا ہے۔اور اس کی راہ میں مشقتوں اور خطرات کو انگیز کرتا ہے۔یہ مفاد پرستوں کی نظر میں دیوانہ پن اور حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ان کے خیال میں دانش مندی یہ ہے کہ آدمی مادّی مفادات کو مقدم رکھے اور خدا اور اس کے دین سے محض رسمی تعلق رکھے۔

۲۱۔ یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک طرف خدا اور اس کی ہدایت کو ماننے کا دعویٰ کیا جائے اور دوسری طرف اس سے مخلصانہ وابستگی کو بے عقلی پر محمول کیا جائے؟

۲۲۔ یہاں شیطانوں سے مراد شر پسند لیڈر اور پیشوا ہیں۔

۲۳۔ آگ جلانے سے مراد وحی کی روشنی ہے۔تمثیل کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کے بندے نے قرآن کی روشنی پھیلائی تو جو لوگ بصارت رکھتے تھے ان پر راہِ حق روشن ہوگئی۔لیکن جو لوگ عقل کے اندھے تھے وہ اس سے محروم رہے۔

روشنی سلب کرنے کا مطلب نورِ بصارت سلب کرنا ہے۔یعنی جب یہ حق کے طالب نہیں بنے تو اللہ نے ان کو قبول حق کی توفیق نہیں بخشی۔اس لئے یہ قرآن کی روشنی سے فائدہ اٹھا نہ سکے۔

۲۴۔ یعنی حق بات سننے، بولنے اور دیکھنے کی صلاحیت سے یہ بالکل محروم ہوگئے ہیں۔اس لئے ان سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ یہ راہِ ہدایت پاسکیں گے، جس کو قرآن نے روشن کیا ہے۔یہ مثال ان منافقین کی ہے جو اپنے دل میں ایمان کے بالکل منکر تھے اور محض مصلحتاً اپنے کو مسلمان کہلواتے تھے۔

۲۵۔ یہ دوسری مثال ان منافقین کی ہے جو شک میں مبتلا تھے اور ایسی دینداری کے قائل نہ تھے جس کی خاطر قربانیاں دینا پڑتی تھیں۔

اس مثال میں بارش سے مراد وحی الٰہی ہے جس کا نزول آسمان سے ہو رہا تھا اور جو انسانیت کے لئے سراسر رحمت بن کر آئی۔کڑک اور بجلی سے مراد قرآن کی تنبیہات ہیں اور تاریکیوں سے مراد راہِ حق کی مشکلات ہیں۔

بجلی چمکنے پر ان کے چل پڑنے اور اس کے غائب ہوجانے پر رک جانے سے اشارہ ان لوگوں کی حیرانی و پریشانی کی طرف ہے۔قرآن کی چمک ان کی نگاہوں کو خیرہ کردینے والی تھی اور وہ حیران تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

اگر بجلی گرا چاہتی ہو تو اس سے بچاؤ کی یہ تدبیر کیا کارگر ہوسکتی ہے کہ آدمی اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لے؟ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی شیر کو حملہ آور ہوتے دیکھ کر اپنی آنکھیں بند کرلے ظاہر ہے اس تدبیر سے شیر کا حملہ رک نہیں سکتا۔یہی حال ان منافقین کا تھا جو قرآن کی تنبیہات کو سننا پسند نہیں کرتے تھے۔

۲۶۔ یعنی منافقین کے اس دوسرے گروہ کی سماعت و بصارت اللہ نے بالکل سلب نہیں کی ہے۔اس لئے وہ پہلے گروہ کی طرح قبولِ حق کی صلاحیت سے بالکل محروم نہیں ہوئے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾

٢١ اے لوگو! عبادت کرو ۲۷ ۔ اپنے رب کی جس نے تم کو بھی پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گذرے ہیں ۲۸ ۔ تاکہ (دوزخ کی آگ سے) بچو۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾

٢٢ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا۔ آسمان سے پانی برسایا اور اس سے پھل پیدا کر کے تمہارے رزق کا سامان کیا۔ تو دیکھو! یہ جانتے ہوئے دوسروں کو اللہ کا ہم سر نہ ٹھہراؤ ۔ ۲۹ ۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾

٢٣ اور اگر تمہیں اس کتاب کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے تو اس کی مانند ایک سورہ ہی لے آؤ۔ اور اللہ کے سوا جو تمہارے حمایتی ہیں ان سب کو بلالو۔ اگر تم سچے ہو ۳۰ ۔ (تو ایسا کر کے دکھاؤ)

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾

٢٤ لیکن اگر تم ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن بنیں گے آدمی اور پتھر ۳۱ ، جو تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥﴾

٢٥ اور (اے پیغمبر!) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیا ان کو بشارت دے دو کہ ان کیلئے ایسے باغ ہیں ۳۲ ۔ جن کے تلے نہریں رواں ہوں گی۔ جب جب ان کے پھل ان کو کھانے کیلئے دئے جائیں گے وہ کہیں گے کہ یہ وہی پھل ہیں جو اس سے پہلے ہمیں (دنیا میں) ملے تھے اور اس سے مشابہ ان کو عطاء کئے جائیں گے ۳۳ ۔ نیز ان باغوں میں ان کیلئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

٢٦ اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ کوئی مثال بیان کرے خواہ وہ مچھر کی ہو یا اس سے کمتر کسی چیز کی ۳۴ ۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے رب کی جانب سے۔ اور جو منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس تمثیل سے اللہ کا کیا مطلب؟ (اس طرح) وہ اس کے ذریعہ کتنوں ہی کو گمراہ کرتا ہے اور کتنوں ہی کو ہدایت بخشتا ہے۔ اور گمراہ ان ہی کو کرتا ہے جو فاسق ہیں ۳۵ ۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾

٢٧ جو اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں، جن تعلقات کو جوڑنے کا حکم اللہ نے دیا ہے ان کو قطع کرتے ہیں ۳۶ ۔ اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾

٢٨ تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو ۳۷ ، حالانکہ تم مُردہ تھے تو اس نے تم کو زندگی بخشی، پھر وہی تم کو موت دیگا اور اس کے بعد تم کو زندہ کرے گا ۳۸ ۔ پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

۲۷۔ یہ ہے قرآن کی اصل دعوت جس کا خطاب تمام انسانوں سے ہے۔ اس کی دعوت یہ ہے کہ اپنے رب کی عبادت کرو جو تم سب کا خالق، مالک اور پروردگار ہے۔ یعنی پرستش بھی اسی کی کرو اور بندگی بھی اسی کی اختیار کرو جس کی تعلیم قرآن دے رہا ہے۔

جو لوگ اللہ کی عبادت کے تو قائل ہیں لیکن اس کی عبادت میں من گھڑت خداؤں کو شریک کرتے ہیں ان کی عبادت حقیقۃً اللہ کی عبادت نہیں ہے۔ جو لوگ واقعی اللہ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں ان کو چاہیے کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس طریقہ پر کریں جس کی تعلیم قرآن دے رہا ہے۔

۲۸۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جن لوگوں نے اپنے بزرگوں کو خدائی میں شریک ٹھہرا رکھا ہے ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لئے ان کو خالق کی صف میں لا کھڑا کرنا اور ان کے بت بنا کر پوجنا صحیح نہیں ہے۔ پرستش کا مستحق صرف اللہ ہے جو گذرے ہوئے بزرگوں کے بشمول سب کا خالق ہے۔

۲۹۔ اہل عرب تسلیم کرتے تھے کہ یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں پھر بھی وہ اللہ کے شریک ٹھہراتے تھے۔ اس لئے ان سے کہا گیا کہ جب تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ تخلیق و ربوبیت کے یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں تو پھر ان کو اللہ کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو جن کا ان کاموں میں کوئی حصّہ نہیں۔ یہ توحید کی دعوت ہے جس کے دلائل یہاں مختصراً بیان کئے گئے ہیں۔

۳۰۔ یعنی اگر تم کو قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں شک ہے اور تم یہ خیال کرتے ہو کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے تو تم بھی کوئی اس جیسی ایک سورہ ہی تصنیف کر لاؤ۔ قرآن کے اس چیلنج کا جواب نہ اس زمانے کے مخالفین دے سکے اور نہ بعد کے کسی زمانے کے۔ قرآن کی یہ عظمت مختلف پہلوؤں سے ہے۔ کمال درجہ کی فصاحت و بلاغت، الفاظ کا موزوں ترین انتخاب، موتیوں کی طرح لڑیوں میں پرو دیا ہوا نظم کلام، دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی باتیں، فطری داعیات سے کامل ہم آہنگی، وجدان کی پکار، تزکیہ نفس کا بہترین نسخہ، اخلاق و شرافت کے نقطۂ عروج کو پہنچا دینے والی تعلیم، انسانی زندگی کیلئے مکمل نظام، مسائل حیات کا موزوں ترین حل، زندگی کے جملہ شعبوں کے لئے رہنمائی کا سامان، کائنات کے اسرار اور مابعد الطبعی حقائق کا انکشاف، خالق کائنات کی صحیح ترین معرفت اور اس کی مرضیات کا علم قرآن کی عظمت کے وہ پہلو ہیں جو اس کے کلام الٰہی ہونے کی بین شہادت دیتے ہیں۔ ایسا کلام جس کی یہ خصوصیات ہوں انسان پیش کرنے سے عاجز ہے اور تمام انسان مل کر بھی اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتے۔ اس آیت میں قرآن اور نبوت محمدی پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

۳۱۔ مراد وہ پتھر ہیں جن کو پوجا جاتا رہا۔ جہنم کی غذا وہ لوگ ہوں گے جن کے اندر کفر اور شرک موجود ہوگا اور وہ بت بھی ہوں گے جو پوجے جاتے رہے تا کہ ان کے پرستاروں کو معلوم ہو جائے کہ جن پر وہ چڑھاوے چڑھاتے رہے ہیں ان کی کیا گت بن گئی ہے۔ اور وہ کس طرح ان کی ہلاکت کا موجب بن گئے۔

۳۲۔ جنّت کے باغ جو اہلِ ایمان کو آخرت میں ملیں گے۔

۳۳۔ جنّت کے پھل شکل و صورت میں دنیا کے پھلوں سے مشابہ ہوں گے لیکن ذائقہ میں ان سے بدرجہا بڑھ کر ہونگے۔

۳۴۔ حقائق کو اگر مثال کے پیرایہ میں بیان کیا جائے تو وہ بہ آسانی عقل کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ اس لئے تمثیل ایک حکیمانہ کلام کی خصوصیت ہوتی ہے۔ قرآن نے بتوں کی بے بسی کی مثال دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو یہ اس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ ان مثالوں کی آڑ لے کر مشرکین قرآن پر معترض ہوتے تھے۔ اسی کا جواب یہاں دیا گیا ہے۔

۳۵۔ فاسق یعنی نافرمان۔ نافرمانی کے بھی مختلف درجے ہیں۔ یہاں یہ لفظ ان بڑی بڑی نافرمانیوں کیلئے استعمال ہوا ہے جس کے ساتھ ایمان جمع نہیں ہو سکتا۔

۳۶۔ مراد رشتۂ رحم کو کاٹنا ہے۔ جو شخص اس رشتہ کو کاٹتا ہے وہ معاشرہ کی جڑ پر کلہاڑا چلاتا ہے اس لئے اس کو بڑے گناہ کا کام اور موجب فساد قرار دیا گیا ہے۔

۳۷۔ اللہ کی صفات مثلاً اس کے معبود واحد، مختار کل، عادل، علیم و خبیر اور قادرِ مطلق ہونے کی نفی کرنا، اللہ کا انکار کرنے کے ہم معنی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اللہ کو ماننا ہے تو اسے اس کی حقیقی صفات کے ساتھ مانو ورنہ اس کو ماننے کا دعویٰ کوئی وزن نہیں رکھتا۔

۳۸۔ یعنی زندگی، موت اور دوبارہ اٹھایا جانا کسی دیوی دیوتا کا کام نہیں بلکہ یہ سب چیزیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔ پھر کس طرح اس کی ناشکری کرتے ہو؟ اس آیت میں آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا ثُمَّ اسۡتَوٰٓى اِلَى
السَّمَآءِ فَسَوّٰٮهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ‌ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۹﴾

وَاِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىۡ جَاعِلٌ فِى الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً‌ ؕ قَالُوۡٓا
اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَۚ وَنَحۡنُ نُسَبِّحُ
بِحَمۡدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ‌ؕ قَالَ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ
فَقَالَ اَنۡۢبِـئُوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۱﴾
قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ
الۡحَكِيۡمُ ﴿۳۲﴾
قَالَ يٰٓـاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ‌ۚ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡۙ قَالَ
اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِۙ وَاَعۡلَمُ
مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾
وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَؕ اَبٰى
وَاسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۴﴾

وَقُلۡنَا يٰٓـاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَـنَّةَ وَكُلَا مِنۡهَا
رَغَدًا حَيۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا
مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۳۵﴾
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيۡطٰنُ عَنۡهَا فَاَخۡرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيۡهِ‌ وَقُلۡنَا
اهۡبِطُوۡا بَعۡضُكُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ‌ۚ وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ
وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿۳۶﴾

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيۡهِ‌ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ
الرَّحِيۡمُ ﴿۳۷﴾

۲۹ وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو زمین میں ہے۔ پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کئے۔۳۹ اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

۳۰ اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا ۴۰ کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں ۴۱ ۔انھوں نے عرض کیا کیا تو اس میں ایسی مخلوق بنائے گا جو بگاڑ پیدا کرے گی اور خونریزیاں کریگی؟ ۴۲ ہم تو تیری حمد کے ساتھ تسبیح اور پاکی بیان کرتے ہیں۔فرمایا: میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ ۴۳

۳۱ اور اس نے آدمؑ کو سارے نام سکھا دیئے ۴۴ پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے کہا۔اگر تم سچّے ہو ۴۵ تو ان کے نام بتاؤ۔

۳۲ انھوں نے عرض کیا: پاک ہے تو جو علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کوئی علم نہیں، بے شک تو ہی صاحب علم اور صاحب حکمت ہے۔

۳۳ فرمایا: اے آدمؑ ان کو ان کے نام بتاؤ۔جب اس نے ان کو ان کے نام بتائے ۴۶ تو اس نے فرمایا: میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ آسمانوں اور زمین کے بھید کو میں ہی جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہوں اور جو کچھ تم چھپا رہے تھے وہ بھی میرے علم میں ہے۔

۳۴ اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدمؑ کو سجدہ کرو تو انھوں نے سجدہ کیا ۴۷ مگر ابلیس نے نہیں کیا۔ ۴۸ اس نے انکار کیا اور گھمنڈ کیا اور کافروں میں سے ہو گیا ۴۹ ۔

۳۵ ہم نے کہا اے آدمؑ! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنّت میں رہو ۵۰ اور اس میں سے جو چاہو بفراغت کھاؤ۔مگر اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا ۵۱ ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

۳۶ لیکن شیطان نے ان کو پھسلا دیا ۵۲ اور جس عیش میں وہ تھے اس سے ان کو نکلوا چھوڑا۔ہم نے کہا۔تم سب یہاں سے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو ۵۳ اور تمہیں ایک وقت خاص تک زمین میں رہنا اور گذر بسر کرنا ہے۔

۳۷ پھر آدمؑ نے اپنے رب سے توبہ کے چند کلمات سیکھ لئے تو اس کے رب نے اس کی توبہ قبول کی ۵۴ ۔بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

۳۹۔ اس سے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ خدا کی خدائی نظر آنے والے ستاروں تک محدود نہیں ہے بلکہ ع

ع ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

۴۰۔ لفظ ملائکہ استعمال ہوا ہے جو مَلَک کی جمع ہے اور جس کے معنی پیغام رساں کے ہیں۔ اردو میں اسے فرشتہ اور انگریزی (Angel) کہتے ہیں۔ فرشتے اللہ کی ذی شعور اور ذی عقل مخلوق ہیں، نہایت پاکیزہ اور اعلیٰ صفات سے متصف ہیں۔ وہ کائنات میں اللہ کے احکام کی تنفیذ کرتے ہیں۔ اس کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے بجالاتے ہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے اس کے نبیوں کے پاس وحی لاتے ہیں، انسانی اعمال کا ریکارڈ رکھتے ہیں اسی طرح روح قبض کرنے کا کام بھی وہ اللہ کے اذن سے انجام دیتے ہیں۔

۴۱۔ لفظ خلیفہ یہاں با اختیار کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے انسان کو زمین پر خلیفہ مقرّر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اختیارات عطا کر کے آزمائے گا۔ آیا وہ ان اختیارات کو اپنے رب کی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے یا من مانی کر کے خدا بن بیٹھتا ہے۔

مذکورہ آیت میں گویا اس بنیادی سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ انسان کی اس دنیا میں اصل حیثیت کیا ہے۔ اس سوال کے صحیح جواب ہی پر اس کے طرز عمل کی صحت اور اس کے حسن انجام کا دارومدار ہے۔ اس اہم ترین سوال پر سنجیدگی سے غور کرنے اور اس کا صحیح جواب تلاش کرنے کے بجائے لوگ اپنی یہ حیثیت متعین کر لیتے ہیں کہ وہ بالکل آزاد اور خود مختار ہیں۔ نہ کسی ہستی نے ان کو اختیارات عطا کئے ہیں اور نہ ان اختیارات کے استعمال میں وہ کسی ہستی کی مرضی کے پابند ہیں اور نہ ہی انھیں اس بارے میں کسی کے حضور جوابدہی کرنی ہے۔ اس نظریہ کے نتیجہ میں انسان خلافت کے مقام کو چھوڑ کر خدائی کے مقام پر جا بیٹھتا ہے اور اپنے اس غلط فیصلے کے نتیجہ میں زمین کو فساد سے بھر دیتا ہے۔ کیوں کہ زمین کے امن و عدل کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس میں اللہ کے احکام و قوانین جاری و نافذ ہوں ورنہ انسانی خواہشات کی فرماں روائی کا نتیجہ بگاڑ اور ظلم و زیادتی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

۴۲۔ فرشتوں نے یہ اندیشہ محسوس کیا کہ انسان کو امتحاناً جو اختیارات دئے جا رہے ہیں، ان کو صحیح طور سے استعمال کرنا آسان نہیں۔ ان اختیارات کو پا کر انسان بہک سکتا ہے اور من مانے طریقے پر استعمال کر سکتا ہے۔ جس کا قدرتی نتیجہ فساد اور خونریزی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔

۴۳۔ فرشتوں کے ذہن میں جو اشکال پیدا ہو گیا تھا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جو بات ارشاد فرمائی اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے خلیفہ بنائے جانے سے اللہ کے پیش نظر جو اسکیم ہے اس کا تمہیں پوری طرح علم نہیں ہے۔ تمہارے سامنے اس اسکیم کے چند پہلو یا تصویر کا ایک رخ آسکا ہے۔ لیکن تصویر کا دوسرا رخ نظروں سے اوجھل ہے۔ یہ چیز تمہارے سامنے آئے گی تو تمہیں محسوس ہوگا کہ انسان کے خلیفہ بنائے جانے میں کتنی عظیم حکمت کارفرما ہے۔

۴۴۔ ناموں سے مراد آدمؑ کی ذرّیت کے نام ہیں۔ خاص طور سے ان لوگوں کے نام جو دنیا میں اختیارات کا صحیح استعمال کر کے خلافت کا حق ادا کریں گے۔ گویا آدمؑ کو پہلے ہی ان کی اولاد سے متعارف کرایا گیا اور خاص طور سے یہ مثبت پہلو سامنے لایا گیا کہ تمہاری اولاد میں ایسی شخصیتیں بھی ہوں گی جو زمین میں صلاح و تعمیر کی بیش بہا خدمات انجام دیں گی۔ اور یہ لوگ اپنے عظیم کارناموں کی دولت زمین کے گل سرسبد کہلائیں گے۔

فحوائے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ اولادِ آدم کی جلیل القدر شخصیتوں کو ان کی تخلیق سے قبل ممثّل کر کے فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا تھا یا ان کی روحیں پیش کر دی گئی تھیں۔ بہرصورت فرشتوں کے سامنے مسمیات کو پیش کیا گیا تھا تاکہ ان پر بیک وقت دونوں باتیں واضح ہو جائیں۔ ایک تو ان کے قیاس کی غلطی کہ انسان زمین میں بگاڑ ہی کے کام کرے گا اور دوسرے خدائی منصوبہ کا یہ مثبت پہلو کہ اولادِ آدمؑ میں ایسی ایسی شخصیتیں ہوں گی جو بناؤ کا کام بحسن و خوبی انجام دیں گی اور انسانیت کا جوہر خالص چھٹ کر سامنے آئے گا۔ ایسے ہی لوگ خدا کی رحمت کے مستحق ہوں گے اور انہی کو جنّت میں بسایا جائے گا۔

اگرچہ مفسرین کے ایک گروہ نے اسماء سے مُراد اشیاء کے نام لئے ہیں۔ لیکن اوّل تو یہ تاویل نحوی اعتبار سے صحیح نہیں معلوم ہوتی جیسا کہ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اشارہ کیا ہے کہ اس میں ھُم اور ھٰؤلاء کی جو ضمیریں استعمال ہوئی ہیں وہ اشیاء کے بجائے ذوی الارواح کے لئے موزوں ہیں۔ دوسرے اس

تاویل کو اختیار کرنے کی صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتوں کے ذہن میں جو اشکال پیدا ہو گیا تھا وہ اس بات سے کس طرح رفع ہوا ہو گا کہ آدمؑ کو تمام اشیاء کے نام سکھا دیئے گئے۔ ظاہر ہے ان کا اشکال اسی صورت میں رفع ہو سکتا تھا جب کہ ان کے سامنے تخلیقِ آدمؑ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اعلیٰ اوصاف کی شخصیتوں کے کچھ نمونے پیش کئے جاتے۔ اسی لئے ہم نے اسماء سے مراد شخصیتوں کے نام لئے ہیں۔ علامہ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں مفسرین کا ایک قول اس بات کی تائید میں نقل کیا ہے کہ اسماء سے مراد اولادِ آدمؑ کے نام ہیں اور اس کو ترجیح دی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر طبری ج ا ص ۱۷۱)

۴۵؎ یعنی اگر تمہارا یہ خیال صحیح ہے کہ انسان اختیارات پا کر زمین میں فساد ہی فساد برپا کرے گا تو ذرا ان لوگوں کے بھی تو نام اور اوصاف بتاؤ؟ کیا یہ لوگ بھی فساد برپا کرنے والے ہیں؟

۴۶؎ یعنی آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم کی بنا پر بتلایا کہ میری ذرّیت میں یہ اور یہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے سچّے وفادار بندے بنیں گے اور امن و عدل کے قیام میں سر دھڑ کی بازی لگائیں گے۔

انسان کو خلیفہ بنانے کا یہ پہلو ہے جو فرشتوں کی نظروں سے اوجھل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے امتحان لے کر آدمؑ ہی کی زبانی ان پر یہ مثبت پہلو واضح کر دیا۔ اس واقعہ سے چند اہم حقیقتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) انسان کی تخلیق عظیم ترین مقصد کے لئے ہوئی ہے۔ خیر و شر کی اس رزمگاہ سے ایسے افراد کو منتخب کرنا مقصود ہے جو اعلیٰ اوصاف کے حامل ہوں۔

(۲) انسانوں کے درمیان سے اس جوہر کو چھانٹ کر اسے اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں نعمتوں اور رحمتوں سے نوازنا چاہتا ہے۔ چنانچہ آخرت میں ان کا ابدی مقام جنّت ہو گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی اسکیم کے صرف چند پہلوؤں کو اگر سامنے رکھا جائے تو آدمی غلط رائے قائم کر بیٹھے گا۔ لیکن اگر اس کی پوری اسکیم پیش نظر رہے، جو اسی کے بتلانے سے ہماری سمجھ میں آسکتی ہے، تو اسکیم کی اصل غایت اور حکمت سمجھ میں آسکتی ہے۔

(۴) جو لوگ انسان کی تخلیق سے متعلق اللہ تعالیٰ کی اسکیم کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے وہ انسان کی دنیا میں حیثیت اور اس کے مقصد زندگی کا غلط تعین کر بیٹھتے ہیں۔

(۵) اللہ علیم و حکیم ہے۔ اس لئے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نظر آئے تو اس کو نشانۂ اعتراض بنانے کے بجائے اپنے علم کی کمی پر محمول کرنا چاہیئے۔

(۶) فرشتے جو اللہ کے مقرب بندے ہیں، فہم کا قصور ان سے بھی سرزد ہوا۔ جس سے واضح ہوا کہ وہ اپنے اندر خدائی کی صفت نہیں رکھتے۔ ہر طرح سے پاک اور منزّہ ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔

(۷) زمین کا صحیح انتظام و انصرام اور اس میں خیر و صلاح اور امن و عدل کا قیام اس بات پر منحصر ہے کہ انسان اختیارات کو اللہ کی امانت سمجھتے ہوئے اس کی ہدایت و مرضی کے مطابق استعمال کرے۔

۴۷؎ آدمؑ کے لئے سجدہ کرنے کا حکم تعظیم کے طور پر تھا جس میں فرشتوں کا امتحان تھا کہ اس نوری مخلوق کو خاکی مخلوق کے آگے جھکنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے اس کی وہ تعمیل کرتی ہے یا نہیں۔ انھوں نے اس حکم خداوندی کی تعمیل کی اور امتحان میں پورے اترے۔

یہ سجدہ درحقیقت اس بات کا اعتراف تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک نئی مخلوق کو وجود بخشا ہے جو اپنے اندر خلافتِ ارضی کی بدرجۂ اتم صلاحیّت رکھتی ہے اس لئے اس سجدہ کی نوعیت سجدۂ عبادت سے بالکل مختلف تھی۔ لیکن چوں کہ اس میں آدمؑ کی عظمت کا پہلو نمایاں تھا اس لئے ابلیس جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا تھا اس حکم کی تعمیل کے لئے آمادہ نہ ہو سکا۔

اگر اس سجدہ میں شرک کا ادنیٰ شائبہ بھی ہوتا تو ابلیس کو یہ حجّت پیش کرنے کا موقع ملتا کہ میں آدمؑ کی عبادت کس طرح کروں؟ لیکن ابلیس نے ایسی کوئی بات نہیں

کہی بلکہ اپنے سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی کہ آدمؑ کو مٹّی سے پیدا کیا گیا ہے جب کہ مجھے آگ سے۔یعنی آدمؑ کے مقابلہ میں اپنی برتری کا اظہار کیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ آدمؑ کو سجدہ تکریم کے لئے تھا، نہ کہ عبادت کے لئے۔

واضح رہے کہ یہ ایک مخصوص حکم تھا جو فرشتوں کو اور ابلیس کو دیا گیا تھا اور نہ اسلام نے اپنی تکمیلی شریعت میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ٹھہرایا ہے، خواہ وہ سجدۂ تعظیم ہی کیوں نہ ہو۔

اس سے اس حقیقت پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو مسجود ملائکہ بنا کر انسان کو بڑا مرتبہ عطا کیا ہے۔اس کے بعد انسان کا اینٹ پتھر اور دیگر مخلوقات کے آگے جھکنا اس کے مقام سے نہایت فروتر ہے۔

۴۸۔ ابلیس شیطان کا نام ہے جو جنوں میں سے تھا۔اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ساتھ ابلیس کو بھی آدمؑ کے آگے جھک جانے کا حکم دیا تھا۔مگر اس نے اس سے انکار کیا۔

۴۹۔ اس سے کفر کی یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ گھمنڈ میں مبتلا ہو کر اللہ کے کسی بھی حکم کو ماننے سے انکار کرنا کفر ہے۔اور شیطان اسی جرم کا مرتکب ہوا تھا ورنہ شیطان اللہ کے وجود کا منکر نہ تھا۔

۵۰۔ یہ عارضی جنّت تھی جس میں آدمؑ وحوّا کو آزمائش کی غرض سے رکھا گیا تھا تاکہ انہیں زمین پر بھیجنے سے پہلے یہ بات اچھی طرح محسوس کرائی جائے کہ تمہارے شایانِ شان مقام جنّت ہی ہے۔لیکن اگر تم شیطان کے بہکانے میں آگئے تو اپنے کو جنّت سے محروم کرلوگے۔

۵۱۔ قرآن نے یہ نہیں بتلایا کہ یہ درخت کس چیز کا تھا۔اور اس کی خاصیّت کیا تھی اور نہ صحیح حدیث میں اسے بیان کیا گیا ہے اس لئے اس بحث میں پڑنا فضول ہے۔اس درخت سے منع کرنے کی اصل غرض آزمائش تھی کہ شیطان کی ترغیبات کے مقابلے میں آدمؑ وحوّاء خدا کے حکم کی کس حد تک تعمیل کرتے ہیں۔اس مقصد کے لئے کسی ایک درخت کو منتخب کرنا کافی تھا۔

۵۲۔ قرآن صراحت کرتا ہے کہ لغزش آدمؑ اور حوّا دونوں سے سرزد ہوئی تھی اور یہ شیطان کے ورغلانے کے نتیجہ میں ہوئی تھی۔اس لئے یہ خیال کرنا کہ آدمؑ کو حوّا نے بہکایا تھا صحیح نہیں۔

۵۳۔ یعنی انسان کا دشمن شیطان اور شیطان کا دشمن انسان۔

۵۴۔ آدمؑ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہیں توبہ کے لئے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔اللہ نے ان پر رحم فرما کر توبہ کے لئے موزوں الفاظ ان پر القاء فرما دیئے۔شیطان اپنی نافرمانی پر بضد ہوگیا لیکن آدمؑ اپنی نافرمانی پر نادم ہوئے۔جب بندہ کوئی گناہ کرگذرتا ہے اور اس کے بعد اگر اس کو شرمساری ہوتی ہے اور وہ اللہ سے معافی چاہتے ہوئے اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے درگذر فرماتا ہے۔اور اس کی توبہ قبول کرکے اسے اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ
هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾

٣٨ ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ ۵۵۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس آئے ۵٦۔ تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ ۵٧۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾

٣٩ لیکن جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے ۵۸۔ وہ آگ والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا
بِعَهْدِىْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ﴿٤٠﴾

٤٠ اے بنی اسرائیل! ۵٩۔ یاد کرو میری اس نعمت کو ٦٠۔ جو میں نے تم پر کی اور میرے عہد کو پورا کرو ٦١۔ میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور مجھ ہی سے ڈرو۔ ٦٢۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ
كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۖ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿٤١﴾

٤١ اور میں نے جو کتاب اتاری ہے اس پر ایمان لاؤ۔ یہ تصدیق کرتی ہے ٦٣۔ اس کتاب کی جو تمہارے پاس موجود ہے لہٰذا تم سب سے پہلے انکار کرنیوالے نہ بنو اور میری آیتوں کو حقیر قیمت پر بیچ نہ ڈالو ٦٤۔ اور میرے غضب سے بچو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٢﴾

٤٢ حق کو باطل کیساتھ گڈمڈ نہ کرو اور نہ جانتے بوجھتے حق کو چھپاؤ۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾

٤٣ نماز ٦۵۔ قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رکوع کرنیوالوں کے ساتھ رکوع کرو۔ ٦٦۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ
الْكِتٰبَ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٤﴾

٤٤ کیا لوگوں کو تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتابِ الٰہی کی تلاوت کرتے ہو۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۚ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿٤٥﴾

٤۵ صبر اور نماز سے مدد لو بیشک یہ شاق ہے مگر ان لوگوں پر نہیں جو خشوع اختیار کرنے والے ہیں۔ ٦٧۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿٤٦﴾

٤٦ جو سمجھتے ہیں کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ
فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾

٤٧ اے بنی اسرائیل! یاد کرو ٦٨۔ میری اس نعمت کو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں اقوام عالم پر فضیلت عطا کی تھی۔ ٦٩۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ
مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤٨﴾

٤٨ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی نفس کسی نفس کے کچھ کام نہ آئیگا۔ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول نہیں کی جائے گی، نہ اس سے فدیہ لیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔

۵۵۔ زمین پر اتارا جانا سزا کے طور پر نہ تھا کیوں کہ حضرت آدمؑ کی توبہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی تھی۔اس سے انسان کے پیدائشی گنہگار ہونے کے عقیدہ کی تردید ہوتی ہے۔آدمؑ کو چونکہ زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا تھا اس لئے اسے زمین پر اتارا گیا۔

۵۶۔ آدمؑ کی لغزش سے انسانی فطرت کی کمزوری ظاہر ہوگئی، جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان اللہ کی ہدایت کا محتاج ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اس ہدایت کے لئے نبوّت و رسالت کو ذریعہ بنایا ہے۔وہ ہر ہر شخص کو براہِ راست ہدایت نہیں بھیجتا بلکہ انبیاء اور رسولوں کو منتخب کر کے ان پر اپنی وحی نازل کرتا ہے۔اور یہ انبیاء اور رسول عام انسانوں تک اس کا پیغام پہنچاتے ہیں۔

انسان کو دنیا میں بھیج کر اللہ تعالیٰ اس کا امتحان لینا چاہتا ہے کہ کون اس کی ہدایت کو قبول کر کے زمین میں اس کے دئے ہوئے اختیارات کو اسکی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔اور کون اس کی ہدایت کو رد کر کے اپنی من مانی کرتا ہے اور خدائی کے جھوٹے منصب پر جا بیٹھتا ہے۔

۵۷۔ یعنی نہ ماضی کا غم نہ مستقبل کا خطرہ۔مراد اس سے جنّت ہے جہاں نہ کوئی غم ہوگا اور نہ کسی قسم کا خطرہ۔

۵۸۔ آیات کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی علامتوں اور نشانیوں کے ہیں۔مراد اللہ کی توحید و ربوبیت اور اس کی قدرت وحکمت کی وہ نشانیاں ہیں جو آفاق و انفس میں موجود ہیں۔نیز یہ لفظ ان معجزات کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جو انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے تھے۔علاوہ ازیں قرآن کی آیتوں کے لئے بھی جو دلیل اور حجّت کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۵۹۔ اسرائیل حضرت یعقوب کا لقب تھا جو نبی تھے اور حضرت ابراہیم کے پوتے تھے۔ان کی نسل کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔حضرت ابراہیم امام الناس اور جلیل القدر نبی ہیں جن کی ذرّیت میں اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ چلایا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے۔حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق۔حضرت اسماعیل سے جو نسل چلی وہ بنی اسماعیل کہلائی۔مکہ کے عرب بنی اسمٰعیل ہی کی شاخ سے تھے اور اسی شاخ کے قبیلۂ قریش میں حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے۔

دوسری شاخ حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوب (اسرائیل) سے چلی اور بنی اسرائیل کہلائی۔ان کا اصل وطن فلسطین تھا۔بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، اور حضرت عیسیٰ جیسے جلیل القدر پیغمبر پیدا ہوئے۔

بنی اسرائیل کو جو دین حضرت ابراہیمؑ سے ورثہ میں ملا تھا وہ اسلام تھا۔حضرت موسیٰ نے بھی جن پر تورات نازل ہوئی تھی اسلام ہی کو پیش کیا تھا۔لیکن بعد میں بنی اسرائیل نے اس میں تحریف کر کے یہودی مذہب کی شکل اختیار کر لی۔اس لئے بنی اسرائیل یہودی کہلائے۔حالانکہ انکا اصل مذہب اسلام تھا۔یہاں قرآن ان کو اصل حقیقت یاد دلا رہا ہے اور ان کی فردِ جرم بیان کر رہا ہے تا کہ وہ متنبہ ہو کر اصل دین یعنی اسلام کی طرف لوٹ آئیں۔اور قرآن کی دعوت کو جو اسلام کی حقیقی دعوت ہے قبول کریں۔

۶۰۔ نعمت سے مراد وہ انعام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو دنیا کی سیادت و امامت کی شکل میں عطا ہوا تھا۔تا کہ وہ دنیا والوں کے سامنے اسلام کی علمبرداری کریں۔

۶۱۔ اللہ کے عہد سے مراد اللہ کی شریعت ہے جو درحقیقت اللہ اور بندوں کے درمیان ایک معاہدہ کی حیثیت رکھتی ہے۔لیکن یہاں خاص طور سے اس عہد کی طرف اشارہ ہے جو بنی اسرائیل سے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں حضرت موسیٰ کے زمانے میں ہی لیا گیا تھا۔اس عہد کا ذکر تورات میں اس طرح موجود ہے۔

''میں ان کیلئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا اور جو کوئی میری ان باتوں کو، جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا، نہ سنے تو میں ان کا حساب اس سے لونگا'' (استثناء باب ۱۸:۱۸-۱۹)

یہ عہد یاد دلا کر قرآن ان سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے۔

۶۲۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر تسلیم کرنے اور ان پر ایمان لانے میں کسی کا ڈر مانع نہیں ہونا چاہیئے۔تمام مصلحتوں اور اندیشوں کے علی الرغم اللہ کی عظمت وجلال کا تصور غالب ہونا چاہیئے۔

۶۳۔ تورات وانجیل کے منزل من اللہ ہونے کی قرآن تصدیق کرتا ہے۔وہ اصل تورات وانجیل کی تردید نہیں کرتا۔ بلکہ صرف ان تحریفات کی تردید کرتا ہے جو بعد میں لوگوں نے اصل کتابوں میں شامل کر لی تھیں۔

یہاں خصوصی اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ تورات میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق جو پیشین گوئیاں موجود ہیں ان کو قرآن سچا ثابت کر رہا ہے، کیوں کہ ان پیشین گوئیوں کے مطابق قرآن اور اس کے پیغمبر کا ظہور ان کے حق ہونے کی صریح دلیل ہے۔اس لئے بنی اسرائیل سے خطاب کرکے کہا جا رہا ہے کہ سب سے پہلے تمہیں اس پر ایمان لانا چاہیے۔

۶۴۔ یعنی دنیوی مفادات اور مصلحتوں کی خاطر اللہ کے احکام کو قربان نہ کرو۔دنیا کا مفاد خواہ کتنا ہی بڑا ہو آخرت کے مقابلے میں نہایت حقیر ہے اس لئے جو شخص دنیوی مفاد کو اللہ کے احکام پر ترجیح دیتا ہے وہ ایک اعلیٰ چیز کے مقابلے میں نہایت حقیر چیز قبول کرتا ہے۔

۶۵۔ نماز اور زکوٰۃ اسلام کے اہم ترین ارکان ہیں جو بنی اسرائیل کی شریعت میں بھی موجود تھے۔لیکن عملاً وہ ان دونوں ارکان کو ترک کر بیٹھے تھے۔

۶۶۔ رکوع کے معنی جھکنے کے ہیں اور نماز میں رکوع گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر جھکنے کی ایک خاص شکل ہے۔اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے سے اشارہ نماز باجماعت کی طرف ہے۔مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی صورت میں امیر وغریب اور عوام وخواص سب ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوجاتے ہیں جس سے بندگی کی ایک خاص شان پیدا ہوجاتی ہے۔مسجدوں کی رونق بڑھ جاتی ہے علاوہ ازیں انسانی مساوات اور اخوت کا احساس بھی پیدا ہوجاتا ہے یہود نے اور خاص طور سے ان کے امراء نے مسجدوں کی حاضری کو کسر شان سمجھ کر نماز باجماعت کا اہتمام ترک کر دیا تھا۔اس لئے یہاں ان کو مخاطب کرکے خاص طور سے یہ حکم دیا گیا کہ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کریں۔

۶۷۔ یعنی جو شخص اللہ کے حضور کھڑے ہونے کا ڈر اپنے دل میں نہ رکھتا ہو اس کے لئے نماز کی پابندی ایک مصیبت ہے۔لیکن جو لوگ خدا کے حضور پیشی کے تصوّر سے لرزاں رہتے ہیں ان کے لئے نماز سے زیادہ مرغوب کوئی چیز نہیں۔

آیت میں صبر اور نماز سے مدد لینے کی ہدایت کی گئی ہے۔یہ مدد اللہ کے عہد اطاعت کو پورا کرنے کے لئے حاصل کرنا ہے۔مطلب یہ ہے کہ اللہ سے اطاعت کا جو عہد تم نے کیا ہے اس کو پورا کرنے اور فرماں برداری کی زندگی گذارنے کیلئے جس باطنی قوت کی ضرورت ہے وہ صبر اور نماز سے حاصل ہوسکتی ہے۔صبر کا مطلب اپنے کو بری خواہشات سے روکنا ہے۔جب تک آدمی اپنی خواہشات کو قابو میں نہیں رکھتا اطاعت وبندگی کی زندگی نہیں گذار سکتا۔کیونکہ اللہ کی اطاعت کی راہ میں قدم قدم پر خواہشات رکاوٹ بن کر کھڑی ہوجاتی ہیں۔دوسری چیز جس کا اہتمام ضروری ہے وہ نماز ہے۔کیونکہ نماز خدا سے بندہ کے تعلق کو مضبوط بناتی ہے،نفس کی بہترین تربیت کرتی ہے اور روح کو بالیدگی عطا کرتی ہے۔اس طرح نماز سے جو قوت حاصل ہوتی ہے وہ اطاعت وبندگی کی راہ میں اس کی معاون بن جاتی ہے۔

۶۸۔ یہاں بنی اسرائیل کی تاریخ کے مشہور واقعات کی طرف اشارات کئے گئے ہیں۔جن سے وہ اچھی طرح واقف تھے۔اس سے ظاہر کرنا یہ مقصود ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کے عظیم احسانات ہیں جو اس نے اس قوم پر کئے اور دوسری طرف ان کے یہ کرتوت ہیں جن کے نتیجہ میں یہ معتوب قرار پائے۔

۶۹۔ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے کتاب اور ہدایت سے نواز کر اقوام عالم کی رہنمائی کا منصب عطا کیا تھا تاکہ وہ دنیا والوں کے سامنے دین حق کی دعوت پیش کریں۔

یاد کرو جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات بخشی انہوں نے تم کو بُرے عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ یاد کرو جب ہم نے سمندر پھاڑ کر تمہیں اس میں سے گذار دیا اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھتے ہی رہ گئے۔ یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ مقرر کیا۔ پھر موسیٰ کے پیچھے تم بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے اس طرح تم ظلم کے مرتکب ہوئے۔ اس پر بھی ہم نے تم سے درگذر کیا تا کہ تم شکر گذار بنو۔ یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان عطا کی تا کہ تم ہدایت حاصل کرو۔**(القرآن)**

وَإِذْ نَجَّيْنَٰكُم مِّنْ ءَالِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ ٱلْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِى ذَٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۴۹﴾

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ ٱلْبَحْرَ فَأَنجَيْنَٰكُمْ وَأَغْرَقْنَآ ءَالَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿۵۰﴾

وَإِذْ وَٰعَدْنَا مُوسَىٰٓ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ ٱتَّخَذْتُمُ ٱلْعِجْلَ مِنۢ بَعْدِهِۦ وَأَنتُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿۵۱﴾

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾

وَإِذْ ءَاتَيْنَا مُوسَى ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِۦ يَٰقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِٱتِّخَاذِكُمُ ٱلْعِجْلَ فَتُوبُوٓا۟ إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَٱقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلتَّوَّابُ ٱلرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾

وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى ٱللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿۵۵﴾

ثُمَّ بَعَثْنَٰكُم مِّنۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ ٱلْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ ٱلْمَنَّ وَٱلسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوٓا۟ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۵۷﴾

وَإِذْ قُلْنَا ٱدْخُلُوا۟ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةَ فَكُلُوا۟ مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَٱدْخُلُوا۟ ٱلْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا۟ حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَٰيَٰكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿۵۸﴾

۴۹ یاد کرو جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات بخشی انہوں نے تم کو بُرے عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

۵۰ یاد کرو جب ہم نے سمندر پھاڑ کر تمہیں اس میں سے گذار دیا اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھتے ہی رہ گئے۔

۵۱ یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ مقرر کیا۔ [۷۰] پھر موسیٰ کے پیچھے تم بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے [۷۱] اس طرح تم ظلم کے مرتکب ہوئے۔

۵۲ اس پر بھی ہم نے تم سے درگذر کیا تا کہ تم شکر گذار بنو۔

۵۳ یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان عطا کی [۷۲] تا کہ تم ہدایت حاصل کرو۔

۵۴ یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے لہذا اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنے (مجرموں) کو قتل کرو۔ [۷۳] یہ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں بہتر ہے [۷۴] پس اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

۵۵ یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم آپ کی بات ماننے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم خدا کو کھلم کھلا دیکھ نہ لیں اس وقت تم کو کڑک نے آلیا اور تم دیکھتے ہی رہ گئے۔ [۷۵]

۵۶ پھر ہم نے تمہیں موت کے بعد جلا اٹھایا تا کہ تم شکر گذار بنو۔

۵۷ ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا اور تم پر من وسلویٰ اتارا۔ [۷۶] کھاؤ ان پاک چیزوں کو جو ہم نے تمہیں بخشی ہیں۔ مگر انہوں نے جو کچھ کیا وہ ہم پر ظلم نہ تھا بلکہ وہ اپنے ہی نفس پر ظلم کرتے رہے۔

۵۸ اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا اس بستی میں داخل ہو جاؤ [۷۷] اور جہاں سے چاہو بفراغت کھاؤ اور دروازے میں سجدہ ریز ہوتے ہوئے داخل ہو [۷۸] اور حِطّۃٌ [۷۹] (اے رب! ہمارے گناہ بخش دے) کہو۔ ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے اور حسن وخوبی کے ساتھ حکم کی تعمیل کرنے والوں کو ہم مزید فضل سے نوازیں گے۔

۷۰۔ صحرائے سینا میں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر چالیس شب و روز کے لئے طلب فرمایا تھا تا کہ انہیں شرعی احکام عطا کئے جائیں۔

۷۱۔ مصر میں گائے کی پرستش کا رواج تھا اس لئے یہ مرض بنی اسرائیل میں بھی پیدا ہو گیا تھا۔ بچھڑے کی پرستش کا واقعہ تورات میں مذکور ہے۔

''انھوں نے اپنے س لئے ڈھلا ہوا بچھڑا بنایا اور اسے پوجا اور اس کے لئے قربانی چڑھا کر یہ بھی کہا کہ اے اسرائیل یہ تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا۔'' (خروج ۳۲:۸)

۷۲۔ فرقان تورات کی صفت ہے یعنی اس کتاب کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ حق و باطل کے درمیان فرق کرتی تھی اور اس کی روشنی میں اہل ایمان معاملات و مسائل میں خیر و شر کا امتیاز کر سکتے تھے۔

۷۳۔ یہ گوسالہ پرستی کی سزا تھی جو انہیں دی گئی۔ جو لوگ اس شرک میں مبتلا نہیں ہوئے تھے انہیں حکم دیا گیا کہ وہ ان لوگوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں جو گوسالہ پرستی اختیار کر کے ارتداد کے مرتکب ہوئے تھے۔ تورات میں ہے:

''اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے پر عمل کیا چنانچہ اس دن لوگوں میں سے تقریباً تین ہزار مرد کھیت آئے۔'' (خروج ۳۲:۲۸)

اس سے واضح ہے کہ شرک اسلام کی نظر میں ایک زبردست گناہ ہے اور اس کی سزا بھی اسلام میں بڑی سخت ہے۔

۷۴۔ یعنی یہ عبرتناک سزا معاشرہ کو توحید پر قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے ورنہ شرک کے معاملہ میں نرمی اختیار کرنے کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ پوری قوم عقیدہ و عمل کے فساد میں مبتلا ہو جائے۔

۷۵۔ انہیں اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ سے ہم کلام ہوتا ہے اور انہیں احکام دیتا ہے۔ وہ کہتے کہ جب تک ہم اللہ کو آپ سے کلام کرتا ہوا نہ دیکھ لیں آپ کی بات نہیں مانیں گے۔ یہ انکار کے لئے محض بہانہ تھا ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی کھلی کھلی نشانیاں دیکھ چکے تھے جن کا ظہور موسیٰؑ کے ہاتھوں ہو رہا تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ پر عتاب نازل فرمایا۔ تورات کے بیان کے مطابق یہ ستر افراد تھے جنہیں لے کر موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر گئے تھے۔

۷۶۔ بنی اسرائیل نے مصر سے نکلنے کے بعد صحرائے سینا میں قیام کیا تھا۔ وہاں ان کو دھوپ سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ابر کا اور فاقہ سے بچانے کے لئے من و سلویٰ کا انتظام فرمایا تھا۔ ''من'' گوند کے قسم کی ایک چیز تھی جو شبنم کی طرح زمین پر ٹپکتی اور جم جاتی تھی۔ یہ دھنیا کی طرح گول دانے کی شکل میں ہوتی تھی جس کو بنی اسرائیل جمع کر لیتے تھے اور وہ روٹی کا کام دیتی تھی۔

''سلویٰ''، بٹیر کی قسم کے پرندے تھے جن کے جھنڈ کے جھنڈ شام کے وقت آ جاتے اور وہ ان کا نہایت آسانی سے شکار کر لیتے۔ تورات میں ہے۔

''اور خداوند نے موسیٰ سے کہا میں نے بنی اسرائیل کا بڑبڑانا سن لیا۔ سو تو ان سے کہہ دے کہ شام کو تم گوشت کھاؤ گے اور صبح کو تم روٹی سے سیر ہو گے اور تم جان لو گے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ اور یوں ہوا کہ شام کو اتنی بٹیریں آئیں کہ ان کی خیمہ گاہ کو ڈھانک لیا۔''

اور صبح کو خیمہ گاہ کے آس پاس اوس پڑی ہوئی تھی۔ (خروج ۱۶:۱۱ تا ۱۳)

یہ چیزیں اتنی کثرت سے فراہم ہوتی تھیں کہ پوری قوم ان پر گذر بسر کرتی تھی۔

۷۷۔ بستی سے مراد غالباً فلسطین کا شہر اریحا (ERIHA) ہے۔ یہ شہر سب سے پہلے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا۔

۷۸۔ دروازہ سے مراد بستی کا دروازہ ہے یعنی جب شہر فتح ہو جائے تو اس میں متکبرانہ انداز سے داخل نہ ہونا بلکہ متواضعانہ انداز میں اللہ کے حضور سر جھکائے ہوئے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہونا۔

دنیا پرست لوگ جب کسی ملک کو فتح کر لیتے ہیں تو ان کا سر تکبّر سے اونچا ہو جاتا ہے اور وہ زمین کو ظلم و زیادتی سے بھر دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جب کسی ملک میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہو تو ظالم متکبّرین کی روش ہرگز اختیار نہ کرو بلکہ اللہ کے حضور عجز و انکساری اور اپنے گناہوں کے اعتراف کا رویّہ اختیار کرو۔ قلب کی یہ کیفیت تمہیں ہر طرح کے ظلم سے باز رکھے گی۔

۷۹۔ حِطَّۃٌ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے داخل ہو جاؤ۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا
عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

۵۹ مگر جو بات کہی گئی تھی اسے ظالموں نے دوسری بات سے بدل دیا۔آخر کار ہم نے ظلم کرنے والوں پر ان کی نافرمانیوں کی پاداش میں آسمان سے عذاب نازل کیا۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ
فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ
مَّشْرَبَهُمْ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ
مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

۶۰ یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا کی ۸۰؎ تو ہم نے کہا اپنا عصا پتھر پر مارو چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ۸۱؎ اور ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کرلیا۔کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق میں سے اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا
رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا
وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ
هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا
سَاَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ
مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱ یاد کرو جب تم نے کہا تھا اے موسیٰ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہیں کریں گے۔اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے زمین کے نباتات مثلاً سبزیاں، ککڑیاں، لہسن، مسور، پیاز وغیرہ پیدا کرے۔موسیٰ نے کہا تم اعلیٰ چیز کے بدلہ میں ادنیٰ چیز حاصل کرنا چاہتے ہو؟ ۸۲؎ کسی شہر میں اتر جاؤ تمہیں وہاں اپنی مطلوبہ چیزیں ملیں گی۔اور ان پر ذلت اور پستی مسلّط کردی گئی۔اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔یہ اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے لگے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ ۸۳؎ یہ نتیجہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حد سے تجاوز کرنے لگے تھے۔ ۸۴؎

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ
مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲ بے شک جو لوگ ایمان لائے ۸۵؎ اور جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابی، ۸۶؎ جو بھی اللہ اور یومِ آخر پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیا تو ایسے لوگوں کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، ان کے لئے نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ۸۷؎

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ
اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳ یاد کرو جب ہم نے طور کو تمہارے اوپر اٹھا کر تم سے پختہ عہد لیا تھا ۸۸؎ (اور تاکید کی تھی کہ) جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو ہدایات اس میں درج ہیں انہیں یاد رکھو تاکہ اللہ کے غضب سے بچو۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴ پھر اس قول و قرار کے بعد تم اپنے عہد سے پھر گئے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم تباہ ہو چکے ہوتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ
كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۶۵﴾

۶۵ اور ان لوگوں کا قصہ تو تمہیں معلوم ہی ہے جو سبت ۸۹؎ کے معاملہ میں زیادتی کے مرتکب ہوئے تھے۔ ۹۰؎ اور اس کی پاداش میں ہم نے ان سے کہہ دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔

۸۰۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا دشت سینا میں کی گئی تھی اور چٹان پر لاٹھی مارنے سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے تھے۔(ملاحظہ ہو گنتی باب ۲۰)

۸۱۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اور چشمے بھی اللہ تعالیٰ نے بارہ جاری کئے تھے اس طرح ہر قبیلہ نے اپنا اپنا گھاٹ متعین کر لیا اور پانی کے مسئلے پر جھگڑا برپا ہونے کا اندیشہ باقی نہ رہا۔صحراء میں پانی کا یہ انتظام اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان تھا۔

۸۲۔ مطلب یہ ہے کہ جس اعلیٰ مقصد کے لئے تمہیں صحرا میں قیام کرنا پڑ رہا ہے اس کے مقابلہ میں تمہیں کھانے پینے کی یہ چیزیں کیا اتنی زیادہ مرغوب ہیں کہ کچھ مدّت کے لئے ان کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ یہ من وسلویٰ کی غذا تمہیں اس حال میں مل رہی ہے کہ تم فرعونیوں کی غلامی اور شرک وکفر کی ذلّت سے بالکل آزاد ہو۔ اب یہ تمہارے اپنے ظرف کی بات ہے کہ سادہ اور معمولی غذا کو جو عزّت اور آزادی کے ساتھ نصیب ہو رہی ہے بہتر سمجھو یا ان انواع واقسام کے کھانوں کو جن کے ساتھ غلامی کی ذلّت اور کفروشرک کی آلائشیں لگی ہوئی ہوں۔

۸۳۔ جو انبیاء علیہم السلام یہودیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے ان میں حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحیٰی علیہ السلام جیسی جلیل القدر ہستیاں شامل ہیں۔حضرت یحیٰیؑ کو یہود کے فرمانروا ہیرودویس کے حکم سے قتل کیا گیا اور ان کا سر بادشاہ نے ایک تھال میں رکھ کر اپنی معشوقہ کو نذر کیا۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی سولی پر چڑھانے کی سازش کی گئی تھی۔لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے بچالیا۔

۸۴۔ یعنی احکام الٰہی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے پوری ڈھٹائی کے ساتھ ان کی خلاف ورزی کی۔

۸۵۔ مراد مسلمانوں کا گروہ ہے۔

۸۶۔ صابی اہل کتاب کا ایک فرقہ تھا جو زبور کو مانتا تھا اب اس فرقہ کا وجود نہیں رہا۔

۸۷۔ یہ آیت جس سیاق وسباق میں آئی ہے اس سے اس کا منشاء بالکل واضح ہے۔ یہاں یہودیوں کی اس غلط فہمی کو دور کرنا مقصود ہے کہ یہودی ایک نجات یافتہ گروہ ہیں اس بناء پر کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔قرآن اس کی پرزور تردید کرتے ہوئے واضح کرتا ہے کہ اللہ کے ہاں نجات کا دارومدار کسی خاندان یا گروہ یا فرقہ (Community) سے وابستگی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس کا دارومدار اوصاف (Virtues) پر ہے۔جو شخص ایمان وعمل صالح کے اوصاف کا حامل ہو گا وہ آخرت میں نجات پائے گا لیکن جو شخص ان اوصاف سے عاری ہو گا وہ نجات اُخروی سے محروم رہے گا۔خواہ وہ مسلمان گروہ کا ہی فرد کیوں نہ ہو۔

یہاں ایمان اور عمل صالح کی تفصیل بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔کیوں کہ یہ تفصیل قرآن نے دوسرے مقامات پر واضح کر دی ہے۔اور اس کی رو سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کی نبوت پر اور جو کتاب آپ لے کر آئے ہیں اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔اس کے بغیر اللہ کے ہاں ایمان معتبر نہیں ہے۔اسی طرح شریعت محمدیہ کی پیروی عملِ صالح کے مفہوم میں شامل ہے۔اس لئے آیت کا یہ مطلب نکالنے کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے کہ قرآن کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ ’’اپنے اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے خدا اور آخرت کو مانو اور اچھا عمل کرو۔‘‘ مذکورہ آیت سے یہ مطلب نکالنا قرآن میں سراسر تحریف کرنا ہے کیوں کہ اس سورہ کا مرکزی مضمون ہی قرآن کے کتاب الٰہی ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہے جسکے بغیر ساری دینداری بے معنی ہو جاتی ہے۔مزید برآں قرآن نے دوسرے مقامات پر یہ بات صراحت کے ساتھ بیان کر دی ہے کہ اللہ کے نزدیک مقبول دین صرف اسلام ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ۔(آل عمران۔۱۹) ’’اللہ کے نزدیک مقبول دین صرف اسلام ہے۔‘‘

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ (آل عمران ۸۵)

’’جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا خواہاں ہو گا تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور آخرت میں وہ گھاٹے میں رہے گا۔‘‘

۸۸۔ مراد تورات کی پابندی کا عہد ہے جو بنی اسرائیل سے کوہِ طور کے دامن میں لیا گیا تھا اور اس وقت ایک سخت زلزلے نے پہاڑ کو ہلا دیا تھا اور اس طرح ان کے اوپر کھڑا ہو گیا تھا کہ گویا وہ ان کے اوپر گرا چاہتا ہے۔یہ اللہ کی عظیم قدرت کا مظاہرہ (معجزہ) تھا، تاکہ بنی اسرائیل اس بات کو یاد رکھیں کہ وہ جس ہستی کے ساتھ معاہدہ کر رہے ہیں وہ زبردست عظمت رکھنے والی ہے اور اس معاہدہ کی خلاف ورزی پر اس کا غضب بھڑک سکتا ہے۔

۸۹۔ سبت یعنی ہفتہ کا دن بنی اسرائیل کے لئے عبادت کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔اس دن شکار وغیرہ کرنے کی ممانعت تھی لیکن انھوں نے حیلے کر کے اپنے کو بہت سی پابندیوں سے آزاد کر لیا تھا۔

۹۰۔ یہ مثال ہے اس بات کی کہ بنی اسرائیل شریعت کے احکام کی تعمیل میں کس طرح گریز اور فرار کی راہیں تلاش کرتے تھے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً
لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾
وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ
قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ
الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ
اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ
فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ
اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ
وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾
قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى
الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ
فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾
وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ
تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾
فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ
اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾
ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ
اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ
مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ
مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

٦٦ اس طرح ہم نے اس زمانہ کے لوگوں اور بعد کے آنے والوں کے لئے اس کو نمونۂ عبرت بنایا۔ نیز متقیوں کے لئے نصیحت۔

٦٧ اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ کہنے لگے کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں؟ موسیٰ نے کہا میں اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہل بن جاؤں۔

٦٨ انہوں نے کہا اپنے رب سے دعا کیجئے وہ ہمیں واضح طور پر بتائے کہ گائے کیسی ہونی چاہیئے۔ موسیٰ نے کہا وہ فرماتا ہے کہ گائے نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا۔ اوسط عمر کی ہو پس جو حکم دیا جا رہا ہے اس کی تعمیل کرو۔

٦٩ کہنے لگے اپنے رب سے دعا کیجئے وہ یہ واضح کرے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ موسیٰ نے کہا وہ فرماتا ہے گائے زرد رنگ کی ہو ایسے شوخ رنگ کی کہ دیکھنے والے خوش ہو جائیں۔

٧٠ بولے اپنے رب سے دعا کیجئے وہ اچھی طرح واضح کرے کہ وہ گائے کیسی ہونی چاہیئے۔ گائے کی تعیّن میں ہمیں اشتباہ ہو گیا ہے اور انشاء اللہ ہم اس کا پتہ پالیں گے۔

٧١ موسیٰؑ نے کہا وہ فرماتا ہے گائے ایسی ہو جس سے خدمت نہ لی جاتی ہو زمین جوتنے کی اور نہ آبپاشی کی۔ صحیح سالم اور بے داغ ہو ۹۱؎۔ کہنے لگے اب آپ واضح بات لائے ۹۲؎۔ پھر انہوں نے اسے ذبح کیا حالانکہ وہ ذبح کرنے پر آمادہ نہ تھے۔

٧٢ اور یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تھا پھر اس کے بارے میں ایک دوسرے پر الزام لگا رہے تھے اور اللہ چاہتا تھا کہ جو بات تم چھپا رہے ہو اس کو ظاہر کر کے رکھ دے۔

٧٣ چنانچہ ہم نے کہا اس (مقتول کی لاش) کو اس (گائے) کے ایک حصّہ سے ضرب لگاؤ ۹۳؎۔ اس طرح اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ ۹۴؎

٧٤ ان نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی تمہارے دل سخت ہو گئے پتھروں کی طرح سخت بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت کیونکہ بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی جاری ہو جاتا ہے ۹۵؎ اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

۹۱۔ اللہ تعالیٰ نے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اس لئے وہ متوسط درجہ کی کوئی سی گائے ذبح کرتے تو کافی ہو جاتا لیکن انہوں نے سوال پر سوال کر کے شریعت کی وسعتوں کو اپنے لئے تنگ کر لیا۔

۹۲۔ ان اوصاف کی گائے اس زمانے میں پرستش کے لئے مختص کی جاتی تھی اس لئے تعین کے ساتھ ایسی ہی گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ بنی اسرائیل کو مصر میں رہتے ہوئے گاؤ پرستی کی جو چھوت لگ گئی تھی اس سے وہ پاک ہو جائیں اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر دکھائیں کہ اللہ وحدہٗ کے سوا کسی کو وہ قابل پرستش نہیں سمجھتے۔ موجودہ تورات میں گائے کو ذبح کرنے کا اصل حکم موجود ہے گو تفصیلات مذکور نہیں۔

''اور خداوند نے موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہا کہ شرع کے جس آئین کا حکم خداوند نے دیا ہے وہ یہ ہے کہ تو بنی اسرائیل سے کہہ کہ وہ تیرے پاس ایک بے داغ اور بے عیب سرخ رنگ کی بچھیا لائیں جس پر کبھی جوا آنہ رکھا گیا ہو۔ اور تم اسے لے کر **الیعزر** کاہن کو دینا کہ وہ اسے لشکر گاہ کے باہر لے جائے اور کوئی اسے اسی کے سامنے ذبح کر دے۔'' (گنتی ۱۹: ۱ تا ۳)

۹۳۔ یہ قسامہ کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے ایک مقتول کی لاش میدان میں پڑی ہوئی مل گئی تھی اور اس کے قاتل کا پتہ نہیں لگ رہا تھا اور وہ ایک دوسرے پر الزام لگا رہے تھے۔ اس سلسلے میں شرعی طریقہ یہ مقرر کیا گیا کہ قریب کے لوگوں سے حلفیہ بیانات لئے جائیں کہ ہم نے قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہم نے قتل ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس حلفیہ بیان کو مؤکد کرنے کے لئے گائے کی قربانی کرنے کا حکم ہوا تا کہ حلفیہ بیان دینے والے اس کے خون سے اپنے ہاتھ دھوئیں۔ بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا وہ اسی موقع کی بات ہے۔ گویا گائے کو ذبح کرنے کا جہاں یہ مقصد تھا کہ گاؤ پرستی کے ذہن کی اصلاح ہو جائے وہاں دوسرا اہم مقصد قسامہ کے طریقے کو رائج کرنا تھا۔

۹۴۔ جس گائے کو ذبح کیا گیا تھا اس کے ایک حصہ سے مقتول کی لاش پر ضرب لگانے کا حکم ہوا۔ اس طرح مقتول کے اندر اللہ تعالیٰ نے جان ڈال دی اور اس نے قاتل کا نام بتا دیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نشانی کا ظہور تھا نیز اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ گائے کو ذبح کرنے سے کوئی آفت نازل نہیں ہوئی بلکہ اس کو ذبح کرنا مفید ثابت ہوا۔

۹۵۔ یعنی پتھر سخت ہونے کے باوجود یہ صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے کہ پانی کی سوتیں اس کے اندر جاری ہوں۔ لیکن انسان کا دل خدا کے خوف سے خالی ہو جانے کی صورت میں اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ اس کی تمام سوتیں خشک ہو جاتی ہیں اور پھر کوئی نصیحت کارگر ثابت نہیں ہوتی۔ اسی لئے جو لوگ اللہ کے غضب کی پرواہ کئے بغیر گناہ پر گناہ کئے چلے جاتے ہیں ان کی اصلاح کسی کے بس میں نہیں ہوتی۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ
يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ
وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾
وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ
إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ
لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾
أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾
وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا
يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾
فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ
هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا
كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾
وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ
عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى
اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾
بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ
أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ
الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾
وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا
اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا
الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا
مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾

۷۵ کیا تم یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہاری بات مان لیں گے حالانکہ ان میں سے ایک گروہ اللہ کا کلام سُنتا رہا ہے اور اس کو سمجھ چکنے کے بعد دانستہ اس میں تحریف کرتا رہا ہے۔۹۶؎

۷۶ جب یہ اہلِ ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ہیں اور جب اکیلے میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم ان کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ تمہارے رب کے پاس تمہارے خلاف حجّت کریں ۹۷؎؟ کیا تم سمجھتے نہیں؟

۷۷ کیا انہیں نہیں معلوم کہ اللہ ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو وہ چھپاتے ہیں اور ان باتوں کو بھی جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں۔

۷۸ اور ان میں ان پڑھ لوگ بھی ہیں ۹۸؎ جو کتابِ الٰہی کا علم نہیں رکھتے بلکہ آرزوؤں کو لئے بیٹھے ہیں ۹۹؎ اور صرف اٹکل کی باتیں کرتے ہیں۔

۷۹ پس تباہی ہے ان لوگوں کے لئے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں ۱۰۰؎ پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے ذریعہ تھوڑی سی قیمت وصول کرلیں۔۱۰۱؎ تو ان کے ہاتھ کا یہ لکھا بھی ان کیلئے تباہی کا باعث ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کیلئے موجبِ ہلاکت۔۱۰۲؎

۸۰ وہ کہتے ہیں (دوزخ کی) آگ ہمیں چھوئے گی نہیں اِلاّ یہ کہ گنتی کے چند دنوں کیلئے آگ میں ڈالے جائیں۔۱۰۳؎ ان سے پوچھو کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے کہ اللہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔

۸۱ کیوں نہیں؟ جس نے بھی برائی کمائی اور اس کے گناہوں نے اس کو گھیرے میں لے لیا تو ایسے ہی لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۸۲ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال کئے وہ جنّت والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

۸۳ یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا والدین ۱۰۴؎، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے اچھی بات کہنا ۱۰۵؎، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔ مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس سے برگشتہ ہو گئے اور منہ موڑنا تو تمہارا شیوہ ہی ہے۔

۹۶۔ اہل کتاب نے اللہ کے کلام میں جو تحریف کی تھی اس کی مختلف شکلیں تھیں ایک شکل یہ تھی کہ وہ کلام میں کمی بیشی کر دیتے تھے مثلاً انہوں نے یہ جھوٹ خدا کی طرف منسوب کر دیا کہ اللہ نے چھ دن میں کائنات کو پیدا کیا اور اس کے بعد ساتویں دن آرام کیا۔ (تورات۔خروج ۳۱:۱۷)

نعوذ باللہ من ذلک۔ اسی طرح حضرت ہارونؑ پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے بچھڑا بنایا تھا۔(خروج باب ۳۱، ۳۲)

دوسری شکل یہ تھی کہ وہ من مانی تاویل کرتے تھے اور تیسری شکل یہ تھی کہ الفاظ کو کچھ سے کچھ بنا دیتے مثلاً مروہ کو جو مکّہ کی پہاڑی کا نام ہے مورہ یا مریا بنا دیا تا کہ اس کو پہچانا نہ جا سکے ورنہ مکّہ کی فضیلت ثابت ہو گی اور چوتھی شکل یہ تھی کہ الفاظ کا ایسا ترجمہ کیا جاتا جو سیاق و سباق اور کلام کے منشاء کے بالکل خلاف ہوتا۔ موجودہ تورات، انجیل وغیرہ میں اس قسم کی تحریفات کی گئی ہیں۔ یہ کتابیں اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہیں۔ انھوں نے اپنی تفسیر، قومی تاریخ اور قیاسی باتوں کو کلام الٰہی کے ساتھ خلط ملط کر کے خدا کے کلام (Word of God) کی حیثیت سے پیش کر دیا ہے۔

۹۷۔ یہود آپس میں کہتے تھے کہ جو پیشین گوئیاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں تورات میں موجود ہیں ان کو مسلمانوں کے سامنے بیان نہ کرو ورنہ مسلمان خدا کے حضور پیشی کے دن ان کو تمہارے خلاف حجّت کے طور پر پیش کریں گے۔

۹۸۔ مراد اہل کتاب کے عوام ہیں جو دین کے احکام و ہدایات سے ناواقف تھے۔

۹۹۔ جب آدمی بے عملی کی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو شریعت کی پابندیاں اسے بوجھل معلوم ہونے لگتی ہیں اس لئے وہ کلام الٰہی کی من مانی تاویل کر کے اپنی بے عملی کو سندِ جواز عطاء کرنے لگتا ہے۔ من چلے لوگ اس قسم کی غلط تاویلات پیش کر کے عوام کی گمراہی کا سامان کرتے رہتے ہیں اور عوام ان کے چکمے میں آ کر دین کو بازیچۂ اطفال بنا لیتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ نجات کے لئے مذہب کے ساتھ عقیدت کا اظہار کرنا اور فلاں فلاں بزرگوں کا دامن گرفتہ ہونا کافی ہے۔ زندگی کتنی ہی گنہگارانہ ہو فلاں اور فلاں کے طفیل ہمیں جنّت ضرور ملے گی۔ لیکن قرآن نے اس قسم کی جھوٹی دینداری کی جڑ کاٹ دی ہے اور نجات کے معاملہ میں جھوٹی آرزوؤں اور خام خیالوں کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دی۔

۱۰۰۔ مراد اہل کتاب کے علماء ہیں۔

۱۰۱۔ ان کی اس دین فروشی کا مقصد دنیوی مفاد حاصل کرنا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ دنیا کا بڑے سے بڑا فائدہ جو دین کو فروخت کر کے حاصل کیا جائے اپنے نتیجہ کے اعتبار سے نہایت حقیر ہے۔

۱۰۲۔ خدا کی کتاب میں خود ساختہ باتیں شامل کر کے یا مذہبی کتاب خود تصنیف کر کے لوگوں کو یہ باور کرانا کہ یہ خدا کی نازل کردہ کتاب ہے وہ زبردست گمراہی ہے جس کا شکار عام طور سے اہل مذاہب رہے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ جو چیز فی الواقع خدا کی نازل کردہ نہیں ہے اس کو خدا کی طرف منسوب کرنا پرلے درجے کی گمراہی ہے اور جو لوگ اس قسم کی جعل سازی کرتے ہیں وہ سخت ظالم ہیں اور انہیں نہایت برے انجام سے دوچار ہونا ہوگا ظاہر ہے مذہب کے نام پر کھوٹے سکّے چلانا اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا کوئی معمولی جرم نہیں ہے اس لئے اس کی سزا بھی سخت ہونی چاہئے۔

۱۰۳۔ یہودیوں کا خیال تھا کہ وہ چونکہ برگزیدہ امّت ہیں اس لئے ان کے اعمال خواہ کچھ ہوں وہ آگ میں ڈالے نہیں جائیں گے اور اگر ڈالے بھی گئے تو چند دن سزا بھگت کر پھر جنّت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔ اس خام خیالی نے ان کو دین کے تقاضوں سے بے پرواہ کر دیا تھا اور ان کے اندر بے عملی پیدا ہو گئی تھی۔ دین کے بارے میں یہ زبردست غلط فہمی تھی جس میں یہود مبتلا ہو گئے تھے اور افسوس کہ مسلمان بھی اسی قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔

۱۰۴۔ اللہ کے نزدیک انسان پر سب سے بڑا حق والدین کا ہے لیکن یہ حق ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا ہے نہ کہ ان کی عبادت و پرستش کرنے کا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے والدین کی پرستش کرنے کی اجازت نہیں دی جب کہ ان کا حق سب سے بڑا ہے تو دوسروں کی پرستش کا سوال پیدا ہی کہاں ہوتا ہے جب کہ ان کا حق والدین کے حق کے بعد ہے۔

۱۰۵۔ اس حکم میں عمومیت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہر شخص سے اچھی باتیں کرے اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ ایک مسلمان کیلئے قرآن کی تعلیم یہ نہیں ہے کہ اس کی خوش اخلاقی صرف مسلمانوں تک محدود رہے بلکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی خواہ کسی قوم، کسی ملک اور کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو مسلمان جب اس سے بات کرے تو اچھی بات کہے۔ دل آزاری اور اذیت دہی کی باتوں سے اجتناب کرے۔ اور خوش اخلاقی سے پیش آئے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝٨٤

۸۴ اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا کہ ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ گے اور نہ ایک دوسرے کو ان کی بستیوں سے نکالو گے۔ پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس پر گواہ ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۫ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَھُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝٨٥

۸۵ مگر یہ تم ہی لوگ ہو کہ اپنوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کی بستیوں سے نکالتے ہو اور گناہ و زیادتی کیساتھ ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہو۔ اگر وہ گروہ تمہارے پاس اسیر ہو کر آتے ہیں تو فدیہ دے کر انہیں چھڑا لیتے ہو۔ ۱۰۶ے حالانکہ سرے سے ان کو (ان کے گھروں سے) نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ پھر کیا تم کتابِ الٰہی کے ایک حصّہ کو مانتے ہو اور دوسرے حصّے سے انکار کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ اس کے مرتکب ہوں ان کی سزا ۱۰۷ے اسکے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں وہ رسوا ہوں اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں؟ اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے۔

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝٨٦

۸۶ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے دنیوی زندگی خرید لی ۱۰۸ے۔ لہٰذا نہ تو انکے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ وہ کہیں سے مدد پا سکیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝٨٧

۸۷ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں دیں ۱۰۹ے اور روح القدس ۱۱۰ے (پاک روح) سے اس کی مدد کی پھر تمہارا یہ کیا شیوہ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی بات لے کر آیا تم نے تکبّر ہی کیا؟ کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝٨٨

۸۸ وہ کہتے ہیں ہمارے دل بند ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر دی ہے اسلئے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔

وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَي الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ښ فَلَمَّا جَاۗءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝٨٩

۸۹ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی تصدیق کرتی ہوئی اس کی، جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہے اور اس سے پہلے وہ کافروں کے مقابلہ میں فتح کی دعائیں مانگا کرتے تھے لیکن جب وہ چیز ان کے پاس آ گئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ ۱۱۱ے اللہ کی لعنت ہو ایسے منکرین پر۔

۱۰۶۔ اشارہ ہے یہودیوں کی اس شنیع حرکت کی طرف کہ یہ اپنے بھائیوں کے خلاف دشمنوں سے ساز باز کر کے ان کو جلا وطن کراتے ہیں اور جب وہ دشمنوں کی حراست میں آجاتے ہیں تو قوم پرستی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور فدیہ دے کر ان کو چھڑاتے ہیں کہ یہ تورات کا حکم ہے۔ حالانکہ تورات میں جس طرح فدیہ دے کر چھڑانے کا حکم ہے اسی طرح جلاوطن کرانے کی ممانعت بھی موجود ہے۔ پھر تورات کے ایک حکم پر عمل کرنے اور دوسرے کی خلاف ورزی کرنے کا کیا مطلب؟

۱۰۷۔ یعنی کتاب الٰہی کی جو بات اپنی خواہشات کے مطابق ہو وہ مان لی جائے اور جو بات خواہشات کے خلاف ہو اس سے انکار کیا جائے۔ اس قسم کی دینداری اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔ جو لوگ ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں وہ دنیا میں بھی رسوا ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی سخت عذاب کے مستحق ہیں۔

کتاب الٰہی کی محض تلاوت اور اس سے اظہار عقیدت کافی نہیں ہے بلکہ عملاً اس کی پیروی ضروری ہے اور اس کے احکام میں کسی قسم کی تفریق و تقسیم ایمان کے منافی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ دین کی ان باتوں کو قبول کرتے ہیں جو انفرادی زندگی سے متعلق ہیں اور ان باتوں کو رد کر دیتے ہیں جو اجتماعی زندگی سے متعلق ہیں ان کا تصوّرِ دین کتنا ناقص ہے اور ان کا جرم کس قدر شدید ہے!

۱۰۸۔ یعنی آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو ترجیح دی۔

۱۰۹۔ مراد معجزات ہیں جو اس قدر واضح تھے کہ ان کے منجانب اللہ ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہیں تھی اور وہ صریح طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلالت کرتے تھے۔

۱۱۰۔ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ الزام لگایا تھا کہ وہ شیطان کی مدد سے معجزے دکھاتے ہیں اس کی تردید کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو شیطان کی نہیں بلکہ پاک روح یعنی جبریلؑ (فرشتہ) کی مدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل تھی۔

۱۱۱۔ آخری نبی کے بارے میں یہودیوں کی آسمانی کتابوں میں پیشین گوئیاں موجود تھیں اس لئے انہیں بڑی شدت سے آخری نبی کی آمد کا انتظار تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی آمد پر ان کو اپنے دشمنوں پر فتح نصیب ہوگی۔ اس فتح کے لئے وہ دعا کرتے تھے لیکن جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور انہوں نے پہچان بھی لیا کہ یہ نبی موعود ہیں تو محض ضد اور حسد کی وجہ سے ان کی رسالت کے منکر ہو گئے۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا
اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ
فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ
مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ
وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ
اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ
مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ
خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا
وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ
قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ
دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾
وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾
وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ
وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ
وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ
بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

۹۰ کیا ہی بری چیز ہے جس کے بدلہ انہوں نے اپنی جانوں کا سودا کیا کہ ضد میں آ کر وہ اللہ کی نازل کردہ ہدایت کا محض اس بنا پر انکار کررہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے اپنے جس بندے کو چاہا نوازا۔ ۱۱۲؎ لہٰذا یہ غضب درغضب کے مستحق ہوئے اور کافروں کیلئے سخت رسوا کن عذاب ہے۔

۹۱ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے ہیں ہم اس چیز پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی ہے اس کے علاوہ جو کچھ نازل ہوا ہے اس کا وہ انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اور جو کچھ ان کے پاس موجود ہے اس کی وہ تصدیق کرتا ہے۔ ۱۱۳؎ ان سے کہو پھر تم اللہ کے پیغمبروں کو اس سے پہلے کیوں قتل کرتے رہے اگر تم مؤمن ہو؟ ۱۱۴؎

۹۲ تمہارے پاس موسیٰ کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے پھر بھی تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو معبود بنالیا اور تم ظلم ڈھانے والے بنے۔

۹۳ اور یاد کرو جب ہم نے طور کو تمہارے اوپر اٹھا کر تم سے پختہ عہد لیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑلو اور سنو۔ انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔ اور ان کے کفر کے سبب بچھڑے کی پرستش ان کے دلوں میں رچ بس گئی۔ ان سے کہو اگر تم مؤمن ہو تو تمہارا ایمان تم کو کیسی بری حرکتوں کا حکم دیتا ہے۔

۹۴ ان سے کہو اگر آخرت کا گھر تمام لوگوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے لئے مخصوص ہے تو موت کی تمنّا کرو اگر تم (اپنے دعوے میں) سچّے ہو۔

۹۵ مگر انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا ہے اس کی وجہ سے وہ ہرگز اس کی تمنّا نہ کریں گے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

۹۶ تم ان کو زندگی کا سب سے زیادہ حریص پاؤ گے حتیٰ کہ مشرکوں سے بھی زیادہ۔ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے ہزار سال کی عمر ملے، حالانکہ لمبی عمر انہیں عذاب سے بچانے والی نہیں۔ اور جو کچھ یہ کررہے ہیں اسے اللہ دیکھ رہا ہے۔ ۱۱۵؎

۱۱۲۔ یہودیوں کو اس بات پر غصہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آخری نبی بنی اسمٰعیلؑ میں سے کیوں اٹھایا۔ گویا خدا کو ان "عقلمندوں" سے مشورہ کر کے کسی کو رسالت کے منصب پر فائز کرنا چاہیئے تھا۔

۱۱۳۔ یعنی یہود اپنی مذہبی کتاب تورات پر ایمان رکھنا کافی سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن کا نزول ٹھیک ٹھیک تورات کی پیشین گوئیوں کے مطابق ہوا ہے اس لئے قرآن کو جھٹلانا تورات کو جھٹلانا ہے ۔

۱۱۴۔ یعنی ان کا تورات پر ایمان رکھنے کا دعویٰ غلط ہے اگر واقعی وہ تورات پر ایمان رکھنے والے ہوتے تو انبیاء کو ہرگز قتل نہ کر ڈالتے۔

۱۱۵۔ آخرت کا انکار کرنے والے دنیا میں زیادہ سے زیادہ جینے کے حریص ہوتے ہی ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ عیش ہمیں دوبار نصیب نہیں ہوگا۔

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

لیکن یہود جو آخرت کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے وہ ان سے زیادہ جینے کے حریص تھے کیونکہ جنت کو اپنے لئے مخصوص سمجھنے کے باوجود وہ اپنے کرتوتوں کی بنا پر اپنے دل میں یہ خلش محسوس کرتے تھے کہ خدا کے ہاں ان سے کہیں مواخذہ نہ ہو جائے۔

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ دنیا کو امتحان گاہ سمجھنے کے بجائے تفریح گاہ سمجھتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ دنیا کے مزے لوٹنا چاہتے ہیں اس لئے وہ اس بات کے حریص ہوتے ہیں کہ ان کی عمر زیادہ سے زیادہ لمبی ہو، حالانکہ انسان کو اصل فکر اس بات کی ہونی چاہیئے کہ عمر کی جو مہلت بھی اسے ملی ہے اس سے وہ اس امتحان میں کامیابی کے لئے کیا سامان کر رہا ہے۔

اور حقیقت ہمیشہ اس کی نظروں کے سامنے رہنی چاہیئے کہ وہ دنیا میں جو رول ادا کر رہا ہے اسے اللہ دیکھ رہا ہے اور جب اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے تو وہ عمل کا بدلہ کیسے نہیں دے گا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ
بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ
وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا
الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ
نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ
ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ
وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ
النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ
هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا
نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ
بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ
اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ
وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۭ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ
فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ
اَنْفُسَهُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ
لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾

۹۷ کہو جو جبریل کا دشمن ہو اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ جبریل نے اللہ کے اذن سے یہ قرآن (اے پیغمبر) تمہارے دل پر نازل کیا ہے ۱۱۶۔ ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو پہلے نازل ہو چکی ہیں اور ہدایت و بشارت ہے ایمان لانے والوں کے لئے۔

۹۸ جو شخص اللہ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور جبریل ومیکائیل کا دشمن ہو ۱۱۷۔ تو اللہ ایسے کافروں کا دشمن ہے۔

۹۹ ہم نے تمہاری طرف نہایت واضح آیتیں نازل کی ہیں، اور ان کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو فاسق ہیں ۱۱۸۔

۱۰۰ کیا ان کی یہ روش نہیں رہی ہے کہ جب کبھی انہوں نے کوئی عہد کیا ان کے ایک نہ ایک گروہ نے اسے ضرور اٹھا کر پھینک دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔

۱۰۱ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہوا آیا جو ان کے پاس موجود ہے، تو ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اس طرح پس پشت ڈال دیا کہ گویا وہ جانتے ہی نہیں۔

۱۰۲ اور ان چیزوں کے پیچھے پڑ گئے جو شیاطین، سلیمان کی حکومت کی طرف منسوب کر کے پڑھتے پڑھاتے تھے ۱۱۹۔ حالانکہ سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے ۱۲۰۔ اور بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر جادو نازل نہیں کیا گیا تھا اور وہ کسی کو سکھاتے نہ تھے جب تک کہ اس کو متنبہ نہ کرتے کہ ہم تو آزمائش کیلئے ہیں لہٰذا تم کفر میں نہیں پڑنا۔ پھر بھی یہ لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں ۱۲۱۔ حالانکہ وہ اذن الٰہی کے بغیر کسی کو بھی اس کے ذریعہ نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ مگر وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو خود ان کے حق میں نفع بخش نہیں تھی بلکہ نقصان دہ تھی۔ اور انہیں معلوم تھا کہ جس نے اسے خریدا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ کیا ہی بُری ہے وہ چیز جس کے بدلہ انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا کاش کہ وہ جان لیتے!

۱۰۳ اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے ہاں اُس کا جو بدلہ ملتا وہ کہیں بہتر تھا۔ کاش انہیں علم ہوتا۔

۱۱۶۔ یہود ضد اور حسد میں مبتلا ہوکر حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنا دشمن خیال کرتے تھے۔ان کو جبریلؑ پر اس لئے غصہ تھا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لیکر آتے تھے۔ان کے خیال میں وحی ان کی قوم کے کسی شخص پر نازل کی جانی چاہئے تھی۔لیکن ان کا یہ خیال پرلے درجہ کی حماقت تھا کیونکہ حضرت جبریل فرشتے تھے اور اللہ ہی کے حکم سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لاتے تھے۔ بالفاظ دیگر نبوت کے لئے بنی اسماعیل میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب اللہ کی طرف سے تھا۔اس لئے حضرت جبریل سے عداوت کے معنی اللہ سے عداوت کے تھے۔ظاہر ہے جن کو اللہ سے دشمنی ہوان کو اللہ اپنا دوست کیوں بنائے گا۔

۱۱۷۔ میکائیل ایک جلیل القدر فرشتے کا نام ہے۔

۱۱۸۔ قرآن کی آیتیں اس کے کلام الٰہی ہونے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کا واضح ثبوت ہیں۔لہٰذا ان کا انکار وہی شخص کرسکتا ہے جو اللہ کا نافرمان اور اس کے عہد کو توڑنے والا ہو۔

۱۱۹۔ یہاں شیاطین سے مراد وہ شر پسند لوگ ہیں جو سفلی عمل جادو،ٹونے ٹوٹکے،تعویذ گنڈوں کے ذریعہ لوگوں کو اوہام وخرافات میں مبتلا کرتے ہیں اور انہیں حقیقت پسند بننے نہیں دیتے۔اس کے بعد نہ کتاب الٰہی سے دلچسپی باقی رہتی ہے اور نہ مقصد حق سے۔

یہود میں جب اخلاقی انحطاط ہوا تو انہوں نے کتاب الٰہی کو پس پشت ڈال دیا اور جادو جیسی چیز کے پیچھے پڑ گئے چنانچہ بابل کے زمانہ اسیری میں ان کے یہی کرتوت رہے اور بعد میں بھی ان کا ایک نہ ایک گروہ ان سفلی اعمال میں مبتلا رہا یہاں تک کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی جو ٹھیک ان پیشین گوئیوں کے مطابق تھی جو تورات میں بیان ہوئی تھیں تو انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی اور کتاب الٰہی کو نظر انداز کرکے جادو جیسی چیز کے پیچھے پڑ گئے جو عقیدہ وعمل میں فساد پیدا کرنے والی تھی۔ان کو جادو سے دلچسپی اس لئے تھی کہ وہ حقیقت کی دنیا میں نہیں بلکہ طلسمات کی دنیا میں رہنا چاہتے تھے۔

جن لوگوں نے جادو کو پیشہ بنایا تھا وہ عوام کو یہ کہہ کر ورغلاتے تھے کہ حضرت سلیمان نے جو بے مثال حکومت قائم کی تھی اور جس میں انہوں نے جنوں کو بھی مسخر کرلیا تھا وہ انہیں جادو ہی کے بل پر حاصل ہوئی تھی۔بعض حضرات نے علیٰ مُلکِ سُلیمانَ کے معنی ''سلیمان کے عہد میں'' کئے ہیں لیکن یہ معنی نہ لغت کے لحاظ سے صحیح ہیں اور نہ مطابق واقعہ۔لغت میں مُلک کے معنی حکومت کے ہیں نہ کہ عہد کے اور حرف علیٰ یہاں منسوب کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ یفترون علی اللہ الکذب، ''اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں'' میں حرف علی منسوب کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔(دیکھئے تفسیر رازی) اور حضرت سلیمان نے تو جنوں کو مسخر کرلیا تھا اور ان کی حکومت ایک نبی کی قائم کردہ اسلامی حکومت تھی جس میں شر پسندوں کو یہ آزادی کہاں حاصل ہوسکتی تھی کہ وہ لوگوں میں جادو پھیلا کر انہیں گمراہ کریں۔

۱۲۰۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نبی تھے اور ان کا زمانہ دسویں صدی قبل مسیح کا ہے ان کی سلطنت نہایت عظیم الشان تھی۔ ہوائیں، پرندے اور جن ان کے لئے مسخر کردیے گئے تھے۔ یہ حکومت اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے انہیں ملی تھی اور انہوں نے جو مہتم بالشان کارنامے انجام دیئے وہ خالصۃً دینی مقاصد کیلئے تھے ان پاکیزہ مقاصد کے لئے انہوں نے ذرائع بھی پاکیزہ اختیار کئے۔لیکن انکو جو غیر معمولی طاقت وسطوت حاصل ہوگئی تھی اس کی توجیہ بعد میں شر پسندوں نے یہ کرنا شروع کی کہ یہ سب کچھ انہیں جادو اور ''عملیات'' کے ذریعہ سے حاصل ہوا تھا اس طرح لوگوں کو حق سے پھیرنے اور اوہام وخرافات میں مبتلا کرنے کیلئے ''نقش سلیمانی''، جیسی بدعتیں ایجاد کرلی گئیں۔جو بعد میں یہودیوں کے زیر اثر مسلمانوں کے ایک طبقہ میں بھی رائج ہوگئیں۔اور بعض وہم پرست تو جنوں کی تسخیر کا خواب بھی دیکھتے رہتے ہیں۔قرآن اس پر سخت گرفت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب رہنمائی حاصل کرنے اور عمل کرنے کے لئے نازل کرتا ہے۔اس کو پس پشت ڈال کر سفلی عملیات کے پیچھے پڑنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جن کو نہ خدا سے سروکار ہو اور نہ آخرت سے۔

واضح رہے کہ قرآن جادو کو کفر قرار دیتا ہے اور یہود حضرت سلیمان پر ان کے جادوگر ہونے کا جو الزام عائد کرتے ہیں اس کی پرزور تردید کرتا ہے اور انہیں کفر سے بری قرار دیتا ہے۔

۱۲۱۔ ہاروت ماروت دو فرشتوں کے نام ہیں جن کو بابل میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے روپ میں لوگوں کی آزمائش کیلئے بھیجا تھا۔ یہ اسی طرح کا معاملہ ہے جس طرح کہ قوم لوط کی طرف فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں ان کی آزمائش کے لئے بھیجے گئے تھے ۔ (ملاحظہ ہو سورہ حجر نوٹ ۶۲)

لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ ان فرشتوں پر جادو جیسی کوئی چیز اتاری گئی تھی۔ یہود نے جادو کو جائز قرار دینے کے لئے اسے حضرت سلیمان کی طرف منسوب کیا تھا۔ اور ہاروت و ماروت فرشتوں کی طرف بھی مگر قرآن نے ان دونوں باتوں کی تردید کی۔

بابل میں ایک زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا اس زور کو توڑنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو انسانی روپ میں اس قوم کی طرف بھیجا تھا اور ان کے سپرد یہ خدمت کی تھی کہ وہ لوگوں کو سحر کی حقیقت اور اس کی تباہ کاریوں سے آشنا کریں تا کہ لوگ اس سے باز آجائیں لیکن جب انہوں نے سحر کی حقیقت واضح کرنا شروع کی تو جن کے ذہن میں کجی تھی وہ اس سے الٹا فائدہ اٹھانے لگے۔ یعنی ساحرانہ طریقوں کو اختیار کر کے میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالنے کا کام کرنے لگے۔ ظاہر ہے ایسے کاموں سے ان ہی لوگوں کو دلچسپی ہوسکتی ہے جو بدطینت، پست ذہن اور کج رو ہوں ایسے لوگوں میں یہ حوصلہ کہاں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے حامل بنیں؟ ہاروت و ماروت فرشتے تھے اور فرشتوں کے بارے میں یہ بات معلوم ہے کہ وہ نہایت پاکیزہ اور اللہ کے فرمانبردار ہوتے ہیں لہٰذا وہ فضول قصے جو بعض روایتوں میں ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں ہرگز لائق اعتناء نہیں ہیں کیونکہ یہ باتیں ملکوتی صفات کے منافی ہیں۔ افسوس کہ ان بے سروپا روایتوں نے جن میں زہرہ کا بے ہودہ قصہ بیان ہوا ہے تفسیروں میں جگہ پالی!

اے ایمان لانے والو! ''رَاعِنَا'' نہ کہا کرو بلکہ ''اُنْظُرْنَا'' کہا کرو اور توجہ سے سنا کرو۔
رہے کافر تو ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔جن لوگوں نے کفر کیا خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا
مشرک،نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی خیر نازل ہو لیکن اللہ جس کو چاہتا
ہے اپنی رحمت کیلئے خاص کرتا ہے اللہ بڑے فضل والا ہے۔ہم جس حکم کو منسوخ کردیتے ہیں
یا بھلا دیتے تو اس سے بہتر یا اس کے مانند دوسرا حکم لے آتے ہیں کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ
ہر چیز پر قادر ہے۔کیا تم نہیں جانتے کہ زمین اور آسمانوں کی فرماں روائی اللہ ہی کے لئے ہے
اور اس کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار؟ **(القرآن)**

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا
وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾

۱۰۴ اے ایمان لانے والو! ''راعِنا'' نہ کہا کرو بلکہ ''اُنظُرْنَا'' کہا کرو ۱۲۲؎ اورتوجہ سے سنا کرو۔رہے کافرتوان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ
اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ
بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿١٠٥﴾

۱۰۵ جن لوگوں نے کفر کیا خواہ وہ اہل کتاب ہوں یا مشرک ،نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پرکوئی خیر نازل ہولیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کیلئے خاص کرتا ہے اللہ بڑے فضل والا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ
تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٦﴾

۱۰۶ ہم جس حکم کومنسوخ کردیتے ہیں یا بھلا دیتے تو اس سے بہتر یا اسکے مانند دوسرا حکم لے آتے ہیں ۱۲۳؎ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾

۱۰۷ کیا تم نہیں جانتے کہ زمین اور آسمانوں کی فرماں روائی اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار؟

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى
مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ
سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾

۱۰۸ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اس طرح کے سوالات کرو جس طرح کے سوالات اس سے پہلے موسیٰ سے کئے گئے تھے۔ ۱۲۴؎ اور جو شخص ایمان کو کفر سے بدل دے وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ
اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ
اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾

۱۰۹ بہت سے اہل کتاب یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تمہیں کفر کی طرف پلٹا لے جائیں، محض اپنے نفس کے حسد کی بنا پر جبکہ حق ان پر اچھی طرح واضح ہو چکا ہے،تو عفو درگذر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمائے۔یقین جانو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا
لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾

۱۱۰ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔جو نیکی بھی تم اپنی عاقبت کیلئے کرو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے۔جو کچھ تم کر رہے ہو وہ سب اللہ کی نگاہ میں ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا
اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾

۱۱۱ وہ کہتے ہیں جنّت میں نہیں داخل ہوں گے مگر وہ جو یہودی ہیں یا نصرانی۔ یہ محض ان کی تمنائیں ہیں ۱۲۵؎ کہو اس بات پر دلیل پیش کرو اگر تم سچّے ہو۔

بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ
رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾

۱۱۲ کیوں نہیں! جو بھی اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کر دے اور نیک روی اختیار کرے اس کیلئے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے۔اور ایسے لوگوں کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ ۱۲۶؎

۱۲۲؎ یہ یہودیوں کی شرارتوں کا ذکر ہے جو قرآن اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف وہ کر رہے تھے۔ بعض منافق یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں منافقانہ اغراض کیلئے شریک ہوتے اور جب کسی بات پر توجہ دلانے کی ضرورت پیش آتی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے ''راعنا'' کہتے جس کے معنی ہیں ''ہمارا لحاظ فرمایئے۔ جس طرح انگریزی میں بولتے ہیں۔(I beg your pardon) لیکن وہ اس لفظ کو ذرا کھینچ کر ادا کرتے جس سے یہ لفظ ''**راعینا**'' بن جاتا جس کے معنیٰ ''ہمارے چرواہے'' کے ہیں ان کی اس شرارت کے پیش نظر مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ یہ لفظ استعمال نہ کریں بلکہ ''اُنظُرنَا'' کہیں جس کے معنیٰ ہیں ہماری طرف توجہ فرمایئے اس میں طنز کا کوئی شائبہ نہیں تھا۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے مخلصین اور منافقین کے درمیان امتیاز پیدا ہوگیا۔

۱۲۳؎ یہ یہودیوں کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ جب قرآن تورات کو اللہ کی کتاب تسلیم کرتا ہے تو پھر اس کے احکام کو منسوخ کرنے کے کیا معنیٰ۔ کیا خدا اپنی شریعت کو بدلتا ہے؟ قرآن نے اس کا جواب یہ دیا کہ تورات کا جو قانون منسوخ کیا جاتا ہے یا جسے یہودیوں نے فراموش کر دیا ہے اس کی جگہ اس سے بہتر قانون لایا جاتا ہے اس طرح اللہ اپنی شریعت کے معاملے میں تمہیں ارتقاء کی طرف لے جارہا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جو شریعت عطا کی تھی اس کے ساتھ اللہ کو کسی چیز نے باندھ نہیں رکھا ہے کہ وہ اپنی ایک شریعت کی جگہ دوسری شریعت نازل نہ کرے۔ وہ فرمانروائے کائنات ہے اور جب چاہے ایک قانون کی جگہ دوسرا قانون دے سکتا ہے تمہیں اس پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ تم اسکے محکوم بندے ہو۔

واضح رہے کہ یہ بات شریعت سے متعلق ہے اور واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں جو پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ان کی شریعتوں کے درمیان فرق رہا ہے لیکن اصل دین سب کا ایک ہی رہا ہے یعنی اسلام چنانچہ توحید، رسالت اور آخرت کے بارے میں مختلف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان بنیادی امور اور حقائق کے سلسلہ میں سب کی متفقہ تعلیم وہی تھی جسے قرآن پیش کر رہا ہے۔ ناسمجھ لوگ شریعتوں کے فرق کو دین کا فرق سمجھ کر یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے مختلف ادیان نازل ہوئے تھے اس لئے جس دین کو بھی آدمی قبول کرلے اللہ اس سے راضی ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے از آدمؑ تا ایں دم بلکہ تا قیامت صرف ایک ہی دین اسلام بھیجا جاتا رہا ہے۔ البتہ شریعتیں حالات وظروف کی رعایت سے مختلف بھیجی جاتی رہیں اور اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی بنا کر بھیجا گیا آپ کو جو شریعت دی گئی وہ آخری ہے اور قیامت تک کے لئے ہے۔

واضح رہے کہ پچھلی شریعتوں میں اور اس آخری شریعت میں کتنے ہی احکام مشترک ہیں تاہم پچھلی شریعتوں کے بعض احکام جو مخصوص حالات میں مخصوص مصالح کے پیش نظر دیئے گئے تھے۔ منسوخ کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً یہودیوں کو سبت منانے کا حکم دے دیا گیا تھا لیکن اب اس کی جگہ نماز جمعہ کا حکم دیا گیا ہے جو زیادہ فضیلت کا حامل ہے۔ اسی طرح پہلے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا گیا تھا لیکن اب مسجد حرام کو قبلہ قرار دیا گیا ہے جو سب سے افضل مسجد ہے لہٰذا اب واجب الاتباع شریعت وہی ہے جو محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے یہ شریعت مکمل ہے اور شریعتوں کے سلسلہ کا آخری ایڈیشن ہے اور نجات اسی کی پیروی پر منحصر ہے۔ لہٰذا قرآن میں کوئی آیت بھی منسوخ نہیں ہے۔

۱۲۴؎ ان سوالات کی نوعیت اعتراضات کی تھی۔

۱۲۵؎ یعنی یہ ان کی من گھڑت باتیں ہیں۔ اللہ نے کہیں نہیں فرمایا ہے کہ جو یہودی یا نصرانی ہوگا اس کیلئے جنت ہے اور دوسروں کیلئے نہیں ہے مذہبی گروہ بندی کی یہ باتیں لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑی ہیں اور ان کو اللہ کی طرف منسوب کرکے دین کی حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے اور اسے لوگوں کی نظروں میں مشتبہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

۱۲۶؎ یعنی نجات پانے اور جنت کا مستحق بننے کیلئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے کو پوری طرح اللہ کے حوالے کردے یہی معنی مسلم ہونے کے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کی شریعت کے احکام کی تعمیل خلوص کے ساتھ کرے۔ یہ ایک اصولی بات ہے اور تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی تعلیم متفقہ طور سے یہی تھی۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى
لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ
الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ
وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ
اِلَّا خَاۗئِفِيْنَ ڛ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ
عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾
وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۤ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ
اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ
قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْــَٔـلُ عَنْ
اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾
وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ
قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ
الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾

۱۱۳ یہود کہتے ہیں نصاریٰ کچھ نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں یہود کچھ نہیں، حالانکہ دونوں ہی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں ایسی ہی بات وہ لوگ بھی کہتے ہیں، جن کو (کتاب کا) علم نہیں ہے۔ ۱۲۷؎ تو اللہ قیامت کے دن ان کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا۔ ۱۲۸؎

۱۱۴ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کا ذکر کرنے سے روکے ۱۲۹؎ اور ان کی ویرانی کے درپے ہو؟ ایسے لوگوں کو ان (مسجدوں) میں داخل ہونے کا حق نہیں ہے۔ الّا یہ کہ ڈرتے ہوئے داخل ہوں۔ ان کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی عذاب عظیم ۱۳۰؎ ۔

۱۱۵ اور اللہ ہی کے لئے ہے مشرق و مغرب ۱۳۱؎ ۔ جس طرف بھی تم رخ کرو گے اسی طرف اللہ کا رُخ ہے ۱۳۲؎ اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۱۳۳؎

۱۱۶ وہ کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے اللہ ان باتوں سے پاک ہے۔ بلکہ آسمانوں اور زمین کی ساری موجودات اسی کی ملک ہیں۔ سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔ ۱۳۴؎

۱۱۷ وہی آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اس کیلئے فرما دیتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے۔

۱۱۸ جو لوگ علم نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں آتی ۱۳۵؎؟ ان سے پہلے کے لوگ بھی ایسی ہی باتیں کرتے تھے۔ ان سب کے دل (ذہن) ایک جیسے ہیں یقین کرنے والوں کیلئے ہم نے نشانیاں اچھی طرح واضح کر دی ہیں۔

۱۱۹ (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا ہے اور تم سے دوزخیوں کے بارے میں پرسش نہیں ہوگی ۱۳۶؎ ۔

۱۲۰ تم سے نہ یہودی راضی ہونے والے ہیں اور نہ نصاریٰ جب تک کہ تم ان ہی کے طریقہ پر نہ چلو۔ ان سے کہو اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ اور تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو تمہارے لئے اللہ کی گرفت سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ مددگار۔

۱۲۷۔ مراد مشرکین عرب ہیں جن کے پاس کتاب نہیں تھی اور جو ناخواندہ تھے۔

۱۲۸۔ ایک مذہب کے پیرو دوسرے مذہب کے پیرووں کو بے اصل قرار دیتے ہیں۔اس بات نے اہل مذاہب کے درمیان بڑی کشمکش برپا کر رکھی ہے قرآن کہتا ہے جہاں تک دلائل سے کسی بات کو حق ثابت کرنے کا تعلق ہے قرآن نے اپنی بات بدرجۂ اتم ثابت کر دی ہے اب اگر کوئی کسر باقی رہ جاتی ہے تو وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عدالت برپا کرے اور اس نزاع کا دوٹوک فیصلہ فرمائے اور انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ یہ حق ہے اور جو اس کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ اس دوٹوک فیصلہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن مقرر کر رکھا ہے۔اس روز انسان کو نہ صرف یہ معلوم ہوگا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے بلکہ ہر ایک کا انجام بھی سامنے آئے گا۔

۱۲۹۔ اشارہ ہے یہود کی اس حرکت کی طرف کہ انہوں نے آپس کے افتراق کی بنا پر مسجدوں کو تخریب کاری کا نشانہ بنایا اور ان کو ویران کر کے رکھ دیا نیز ضمناً اشارہ ہے کفار مکہ کے اس ظلم کی طرف کہ انہوں نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے روک دیا ہے ساتھ ہی مساجد کی حرمت بھی واضح فرما دی کہ مسجدیں اللہ کا گھر ہیں لہٰذا ان میں داخل ہونے کا حق شر پسندوں اور تخریب کاروں کو نہیں ہے الا یہ کہ وہ تخریب کاری کی نیت سے نہیں بلکہ خدا سے ڈرتے ہوئے مسجدوں میں داخل ہوں۔

۱۳۰۔ جو لوگ اللہ کی عبادت گاہوں کا احترام نہیں کرتے اور اس کو ویران کرنے کے درپے ہوتے ہیں یا فساد اور تخریب کاری کے ذریعے ان کو تباہ اور برباد کرتے ہیں یا ان کی بے حرمتی کرتے ہیں قرآن ان کو دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذابِ عظیم کی وعید سناتا ہے اس سے واضح ہے جو لوگ اللہ کی عبادت گاہوں کا احترام نہیں کرتے وہ خود احترام کے مستحق نہیں ہیں ان کے لئے ذلت اور رسوائی مقدر ہے گویا اسلام دشمنی کی بنا پر جو شخص یہ ذلیل حرکت کرتا ہے وہ درحقیقت اپنی ہی رسوائی اور تباہی کا سامان کرتا ہے کاش کہ تخریب پسندوں کو اس کا احساس ہوتا۔

۱۳۱۔ یہود و نصاریٰ دونوں کا قبلہ بیت المقدس تھا (جو فلسطین میں ہے) چونکہ اس کے مشرقی جانب حضرت مریمؑ نے اعتکاف کیا تھا اس لئے نصاریٰ نے مشرقی سمت کو قبلہ کے طور پر اختیار کیا اور غالباً ان کی ضد میں آ کر یہود نے مغربی سمت کو قبلہ بنا لیا آیت کا اشارہ مشرق و مغرب سے اسی تنازعے کی طرف ہے۔

۱۳۲۔ یعنی اللہ کسی سمت یا مقام میں مقید نہیں ہے بلکہ وہ ہر جگہ اور ہر سمت میں ہے۔نماز کے لئے کسی سمت کے مقرر کرنے کے لئے یہ معنی نہیں ہیں کہ اللہ بس اس سمت میں ہے بلکہ سمت کسی دینی مصلحت سے مقرر کی جاتی ہے لہٰذا اگر اللہ نے اس سے پہلے کسی خاص رُخ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا اور اب وہ کسی دوسرے رخ کی طرف نماز پڑھنے کا حکم دے رہا ہے تو اس میں بحث کرنے کی کوئی بات نہیں ہے اصل چیز سمت نہیں بلکہ اللہ کا حکم ہے۔

۱۳۳۔ یعنی اس کی قدرت بھی وسیع ہے اور اس کی نظر بھی وسیع اس کو اپنے اوپر قیاس کر کے کسی تنگ دائرہ میں محدود سمجھنا یا تنگ نظر خیال کرنا حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں۔

۱۳۴۔ یعنی زمین و آسمان کی ساری چیزیں اللہ کی ملکیت ہیں کسی کا یہ مقام نہیں کہ وہ اس کی غلامی اور بندگی سے آزاد ہو بلکہ سب اس کے تابع فرمان ہیں اس لئے اس کے بیٹے بیٹیاں کیسے ہو سکتی ہیں اور وہ اس شرک سے پاک اور اعلیٰ و ارفع ہے۔

۱۳۵۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اللہ ہم سے براہِ راست بات کرے یا کوئی نشانی یعنی معجزہ ہمیں دکھائے جس سے ہمیں حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا یقین ہو جائے اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ مطالبہ کوئی نیا نہیں ہے اس سے پہلے کی گمراہ امتیں بھی اسی طرح کا مطالبہ کرتی رہی ہیں۔معجزات سے قطع نظر جہاں تک رسالت پر دلالت کرنے والی نشانیاں دکھانے کا تعلق ہے ایسی نشانیاں موجود ہی ہیں اور سب سے بڑی نشانی خود قرآن مجید ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کی واضح دلیل ہے لیکن جو لوگ نہ ماننے کا فیصلہ کر چکے ہوں وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں ہرگز ماننے والے نہیں ہیں۔

۱۳۶۔ یعنی پیغمبر کی ذمہ داری اللہ کا پیغام پہنچا دینا، ماننے والوں کو خوشخبری سنانا اور انکار کرنے والوں کو انجام بد سے آگاہ کرنا ہے اس کے بعد جو لوگ جہنم کی راہ اختیار کریں گے ان کے عمل کی کوئی ذمہ داری پیغمبر پر نہیں ہوگی اور نہ اسے اس بارے میں جوابدہی کرنا ہوگی۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ۗ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ
بِهِ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٢١﴾

۱۲۱ جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا کی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے۔ ایسے لوگ قرآن پر ایمان لاتے ہیں ۱۳۷۔ اور جو اس کا انکار کریں گے وہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي
فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١٢٢﴾

۱۲۲ اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے میں نے تمہیں نوازا اور یہ کہ میں نے تمہیں اقوام عالم پر فضیلت عطا کی۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا
عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿١٢٣﴾

۱۲۳ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی نفس کسی نفس کے کام نہ آئے گا نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کو کوئی سفارش ہی فائدہ پہنچا سکے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ
لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي
الظَّالِمِينَ ﴿١٢٤﴾

۱۲۴ اور یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا تو اس نے ان کو پورا کر دکھایا۔ ۱۳۸۔ اللہ نے فرمایا میں تمہیں لوگوں کا امام (پیشوا) بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے؟ فرمایا میرا یہ عہد ان لوگوں سے متعلق نہیں ہے ۱۳۹۔ جو ظالم ہوں گے ۱۴۰۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ
مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ
وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾

۱۲۵ اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرکز اور جائے امن بنا دیا ۱۴۱۔ اور حکم دیا کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنالو۔ اور ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی تھی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، ۱۴۲۔ اعتکاف کرنے والوں ۱۴۳۔ اور رکوع اور سجدہ ۱۴۴۔ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو ۱۴۵۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ
أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَن
كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٢٦﴾

۱۲۶ اور جب ابراہیم نے دعا کی اے میرے رب اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائے ان کو پھلوں کا رزق دے۔ ۱۴۶۔ فرمایا جو کفر کریں گے انھیں بھی چند روز سامان زندگی سے فائدہ اٹھانے کا موقع دوں گا پھر انہیں دوزخ کے عذاب کی طرف گھسیٹوں گا۔ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ
إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾

۱۲۷ اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے اور دعا کر رہے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما تو خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً
لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ
الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾

۱۲۸ اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا مسلم (فرمانبردار) بنا ۱۴۷۔ اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت برپا کر جو تیری مسلم (فرمانبردار) ہو ۱۴۸۔ اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانیوالا ہے۔

۱۳۷۔ مراد اہل کتاب کے صالح لوگ ہیں جو خلوص کے ساتھ تورات وانجیل کی تلاوت کرتے تھے اور قرآن کو ان کی پیشین گوئیوں کے مطابق پا کر اس پر ایمان لے آئے۔

آیت سے یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ کی کتاب کو پڑھنے کا حق یہ ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔

۱۳۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چند ایسے احکام دیئے جن میں ان کی عزیمت واستقامت کا امتحان تھا اور انہوں نے ان کی ٹھیک ٹھیک تعمیل کی مثلاً انہوں نے مشرکانہ ماحول میں بت پرستی کے خلاف آواز بلند کی اور جب اس ''جرم'' میں آگ میں ڈالے گئے تو اس میں بے خطر کود پڑے۔ دین کی خاطر گھر بار اور وطن چھوڑ دیا اللہ کی طرف سے اشارہ پا کر اپنے محبوب فرزند کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے اور اس قسم کے دوسرے عظیم کارناموں اور قربانیوں نے ان کو بلند پایہ شخصیت بنا دیا۔

۱۳۹۔ اس عہد کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے دونوں بیٹوں حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ سے عظیم قومیں پیدا کیں بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل کے مورث اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ تھے ان کو یہود، نصاریٰ اور مسلمان سب اپنا دینی پیشوا مانتے ہیں اور آج بھی دنیا کی اکثریت ان کو اپنا پیشوا تسلیم کرتی ہے۔

۱۴۰۔ ظالموں سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک اور کفر میں مبتلا ہو کر اپنی جانوں پر ظلم ڈھائیں۔

۱۴۱۔ گھر سے مراد خانۂ کعبہ ہے جو مکہ میں تعمیر کیا گیا تا کہ وہ توحید کا مرکز بنے اس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے تقریباً چار ہزار سال قبل اللہ کے حکم سے کی تھی اور اس کے لئے مکہ کی سرزمین کا انتخاب بھی اللہ تعالیٰ ہی نے فرمایا تھا۔ یہی وہ گھر ہے جس کے لئے حج مشروع ہوا اور حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے حج کا یہ سلسلہ جاری ہے اور مسلمان اسی گھر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں

۱۴۲۔ طواف خانۂ کعبہ کے گرد چکر لگانے کو کہتے ہیں یہ ایک قسم کی نماز ہے اور اس سے محبت الٰہی کے جذبات ابھرتے ہیں اور بندہ پر بندگی کی کیفیت طاری ہوتی ہے واضح رہے کہ طواف صرف خانۂ کعبہ ہی کے لئے مشروع ہے اس کے علاوہ کسی چیز کا طواف کرنا خواہ وہ مسجد ہی کیوں نہ ہو جائز نہیں ہے۔

۱۴۳۔ اعتکاف مسجد میں عبادت کی غرض سے قیام کرنے کو کہتے ہیں۔ اس کا مسنون طریقہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔

۱۴۴۔ رکوع اور سجدہ نماز کے اہم ترین ارکان ہیں یہ ارکان ابراہیمی شریعت میں شامل تھے۔

۱۴۵۔ پاک رکھنے سے مراد صرف ظاہری گندگی ہی سے پاک صاف رکھنا نہیں ہے بلکہ خاص طور سے شرک اور بت پرستی کی گندگی سے پاک رکھنا ہے۔

۱۴۶۔ پھلوں سے مراد میوہ جات ہی نہیں بلکہ اس میں غلہ جات بھی شامل ہیں۔ یہ دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس لئے کی تھی کہ مکہ غیر زرعی علاقہ میں واقع تھا جہاں اس وقت گلہ بانی اور شکار کے علاوہ کوئی ذریعہ معیشت نہیں تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا مقبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس بیابان میں بسنے والوں کو پھلوں کا رزق عطاء فرمایا جس میں خاص طور سے کھجوریں شامل ہیں۔ دعائے ابراہیمی کی برکتوں کا مشاہدہ آج بھی کیا جا سکتا ہے جبکہ مکہ میں ہر قسم کے پھلوں کی افراط ہے۔

۱۴۷۔ مسلم یعنی اللہ کا کامل فرمانبردار۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ مسلم تھے اس کے باوجود انہوں نے دعا کی کہ خدایا ہمیں اپنا مسلم بنا۔ اس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ فرمانبرداری اور سپردگی کے بلند سے بلند درجہ کو پہنچنا چاہتے تھے۔ اس عظیم تاریخی موقع پر ان کی اس دعا سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ ان کا دین اسلام تھا نہ کہ یہودیت یا نصرانیت یا کوئی اور مذہب۔

۱۴۸۔ ان کی یہ دعا مقبول ہوئی چنانچہ بنی اسماعیلؑ میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور آپ کے پیروؤں نے امت مسلمہ کی حیثیت اختیار کی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

۱۲۹ اے ہمارے رب! ان میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے ۱۴۹؎، بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے ۱۵۰؎۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۚ وَلَقَدِ
اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿١٣٠﴾

۱۳۰ اور ابراہیم کے طریقہ سے اعراض اس شخص کے سوا اور کون کر سکتا ہے جس نے اپنے کو حماقت میں مبتلا کر لیا ہو؟ ۱۵۱؎ ہم نے اس کو دنیا میں بھی چن لیا تھا اور آخرت میں بھی صالحین کے زمرے میں ہوگا۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٣١﴾

۱۳۱ جب اس کے رب نے اس سے کہا مسلم ہو جا تو اس نے کہا میں رب العالمین کا مسلم (فرمانبردار) ہو گیا۔ ۱۵۲؎

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ ۗ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى
لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾

۱۳۲ اور ابراہیم نے اسی طریقہ پر چلنے کی وصیت اپنے بیٹوں کو کی تھی اور یہی وصیت یعقوب اپنے بیٹوں کو کر گیا۔ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لئے یہی دین (اسلام ۱۵۳؎) پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم تک تم مسلم ہی رہنا۔ ۱۵۴؎

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ
لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ
اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ
وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾

۱۳۳ کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کی موت کی گھڑی آئی؟ اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباء واجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اسی کے مسلم (اطاعت گذار) ہیں۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ
وَلَا تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾

۱۳۴ یہ ایک گروہ تھا جو گذر گیا، جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے لئے ہے اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارے لئے ہے، وہ جو کچھ کرتے رہے ہیں اس کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا ۱۵۵؎۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ
حَنِيفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾

۱۳۵ وہ کہتے ہیں یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔ کہو بلکہ ابراہیم کا طریقہ (ہم نے اختیار کیا) جو یکسوئی کے ساتھ اللہ کا ہو کر رہا تھا۔ اور مشرکین میں سے نہ تھا۔

قُولُوٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيلَ
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَآ
اُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ
لَهٗ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾

۱۳۶ کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل کی گئی ہے اور جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور اسباط (یعقوب کی نسل) کی طرف نازل کی گئی تھی اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ملی تھی، ہم ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے ۱۵۶؎ اور ہم اللہ ہی کے مسلم (مطیع) ہیں۔

۱۴۹۔ یہاں رسول کے چار فرائض بیان کئے گئے ہیں ایک اللہ کی آیات سنانا یعنی آیات قرآنی جو اللہ کی نشانیاں اور دلائل ہیں پڑھ کر سنانا تا کہ خدا کا پیغام مدلل طور پر لوگوں تک پہنچ جائے اور وہ ان پر غور کر کے کلام الٰہی پر ایمان لے آئیں۔ دوسرے کتاب کی تعلیم کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اور اس موقع پر خاص طور سے احکام شریعت مراد ہیں جو لوگ ایمان لائے ہیں انہیں یہ پیغمبر اللہ کے احکام وقوانین سکھاتا ہے تا کہ وہ اللہ کی شریعت کے مطابق زندگی بسر کریں تیسرے حکمت کی تعلیم۔ حکمت یعنی دانائی کی باتیں یہ گویا احکام وقوانین کی اسپرٹ، ان کی روح ان کے مصالح اور مقاصد ہیں جن کا فہم پیغمبر اپنے پیروؤں میں پیدا کرتا ہے چوتھے تزکیہ جو درحقیقت ان تمام چیزوں کی غایت ہے تزکیہ کے معنی پاک کرنے اور نشوونما دینے کے ہیں۔ پیغمبر انسان کے عقائد، اخلاق، اعمال اور اس کے ظاہر وباطن کو مفاسد سے پاک کرتا ہے اور اس کے اخلاق واعمال کی نشوونما کرتا اور پروان چڑھاتا ہے۔

۱۵۰۔ اللہ غلبہ والا اور حکمت والا ہے اس سے یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ پورے غلبۂ قوت اور اقتدار کے ساتھ چلا رہا ہے اور اس کے غالب ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اندھا دھند طریقے پر جو چاہے کر ڈالتا ہے بلکہ وہ حکمت والا ہے اس لئے اس کا کوئی کام حکمت، مصلحت اور مقصدیت سے خالی نہیں ہوتا۔

۱۵۱۔ یعنی جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی امامت کے لئے منتخب کیا ہو اس کے طریقہ سے انحراف حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

۱۵۲۔ اسلام کے معنی مکمل حوالگی کے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین اسلام تھا یعنی وہ ایک اللہ کو معبود مانتے تھے اور انہوں نے مکمل طور سے اپنے کو اس کے حوالے کر دیا تھا۔ اور اس کی ہدایت کی راہ اختیار کی تھی وہ یہودیت یا نصرانیت یا کسی اور مذہب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے یہودیت ونصرانیت کا تو ان کے زمانے میں وجود نہ تھا یہ مذاہب تو ان کے بعد پیدا ہوئے اور یہ حقیقت میں اسلام کی بگڑی ہوئی شکلیں ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے بعد ان کے پیروؤں نے اصل دین اسلام میں تحریف کر کے پیدا کیں۔

۱۵۳۔ الدین سے مراد حقیقی دین ہے یعنی اسلام جو ابتداء سے اللہ کا دین رہا ہے۔ اسی پر قائم رہنے اور اسی پر جینے اور مرنے کی وصیت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو کی تھی۔ لیکن بعد میں بنی اسرائیل نے دین اسلام میں تحریف کر دی اور اس کو بگاڑ کر یہودیت ونصرانیت کے نام سے مذاہب ایجاد کئے۔

۱۵۴۔ مسلم وہ ہے جو اللہ کو واحد معبود حقیقی مالک وآقا اور حاکم مان کر اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے حوالہ کر دے اور اس کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق زندگی بسر کرے۔ مرنے تک مسلم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ مہد سے لیکر لحد تک اسی دین پر قائم رہنا اس راہ میں جو آزمائشیں پیش آئیں ان کا مقابلہ عزم وہمت کے ساتھ کرنا اور کسی مرحلہ میں بھی اسلام کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دینا۔

۱۵۵۔ یعنی تمہارا اپنے ان بزرگوں سے اظہار عقیدت اور ان کے کارناموں پر فخر تمہاری اپنی نجات کے لئے کافی نہیں ہے ان کی نیکی ان کے کام آئے گی اور تمہاری بدی کا نتیجہ تمہیں بھگتنا ہوگا ان کے کارناموں کے بارے میں تم سے پرسش نہیں ہوگی بلکہ تمہیں اپنے اعمال کے بارے میں جواب دہی کرنا ہوگی لہٰذا کوئی شخص اس خام خیالی میں نہ رہے کہ وہ اپنے بزرگوں سے اظہار عقیدت کر کے نجات پا جائے گا۔

۱۵۶۔ قرآن کے نزدیک کسی نبی کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا صریح کفر ہے ایمان اسی کا معتبر ہے جو تمام نبیوں کو برحق تسلیم کرے اور کسی کا بھی انکار نہ کرے۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا
فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ
الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾

۱۳۷ پھر اگر وہ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو تو وہ ہدایت یاب ہوں گے، اور اگر وہ روگردانی کریں تو (سمجھ لو کہ) وہ مخالفت میں پڑ گئے ہیں۔ پس ان کے مقابلہ میں اللہ تمہارے لئے کافی ہوگا، وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

صِبْغَةَ اللَّهِ ۖ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً ۖ وَنَحْنُ لَهُ
عَابِدُونَ ﴿١٣٨﴾

۱۳۸ کہو ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کیا ہے، اور اللہ کے رنگ سے بہتر اور کس کا رنگ ہوگا ۱۵۷؎؟ اور ہم تو اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔

قُلْ أَتُحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا
وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿١٣٩﴾

۱۳۹ کہو کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے حجت کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، اور ہم خالص اسی کے لئے ہیں۔

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ
وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ قُلْ أَأَنتُمْ أَعْلَمُ أَمِ
اللَّهُ ۗ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَتَمَ شَهَادَةً عِندَهُ مِنَ اللَّهِ ۗ
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٠﴾

۱۴۰ کیا پھر تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولادِ یعقوب سب یہودی یا نصرانی تھے۔ ۱۵۸؎ کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی شہادت ہو اور وہ اس کو چھپائے؟ ۱۵۹؎ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے اللہ غافل نہیں ہے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ
وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾

۱۴۱ یہ ایک گروہ تھا جو گزر گیا۔ ۱۶۰؎ ان لوگوں نے جو کچھ کمایا وہ ان کے لئے ہے اور تم نے جو کچھ کمایا ۱۶۱؎ وہ تمہارے لئے ہے۔ ان کے اعمال کے بارے میں تم سے نہیں پوچھا جائے گا۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَن قِبْلَتِهِمُ
الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ
قُل لِّلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

۱۴۲ نادان لوگ ضرور کہیں گے کہ انہیں (مسلمانوں کو) اس قبلہ سے جس پر یہ پہلے تھے ۱۶۲؎ کس چیز نے روگرداں کر دیا۔ ۱۶۳؎ کہو مشرق اور مغرب اللہ ہی کیلئے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے۔ ۱۶۴؎

۱۵۷۔ اس میں تعریض ہے یہود و نصاریٰ کے بپتسمہ کی طرف کہ یہ محض رسمی اور بے حقیقت چیز ہے۔ حقیقی رنگ تو خدا پرستی کا رنگ ہے جو خدا کے دین کو قبول کرنے اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لانے کی صورت میں انسان پر چڑھ جاتا ہے۔

۱۵۸۔ یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کافی عرصہ بعد وجود میں آئی اور نصرانیت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تشکیل پائی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان فرقہ بندیوں سے پہلے ہدایت کی شکل کیا تھی؟ قرآن کا جواب یہ ہے کہ وہ ہدایت کی راہ دین اسلام ہے جو ہر پیغمبر کا دین تھا اور جس سے ہر زمانہ کے لوگ ہدایت پاتے رہے ہیں اور قرآن اسی کی دعوت پیش کرتا ہے۔

۱۵۹۔ یعنی تورات میں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کا دین کیا تھا آیا وہ یہود و نصاریٰ تھے یا اسلام کے مخلص پیرو۔ پھر جو لوگ کتاب الٰہی کی ان واضح شہادتوں کو چھپاتے ہیں ان سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا؟ اس سے واضح ہوا کہ کتاب الٰہی کی شہادت کو چھپانا بڑی ظالمانہ حرکت ہے کیونکہ کتمانِ حق کے نتیجہ میں لوگ باطل کو حق سمجھ کر ضلالت میں پڑتے ہیں۔ اس لئے حاملین کتاب کی یہ عظیم ذمہ داری ہے کہ وہ حق کو کھول کر لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ آج امت مسلمہ پر بھی یہ عظیم ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن کی شہادت کو بیان کرے اور اسے چھپائے نہیں تاکہ لوگوں پر اللہ کی حجت قائم ہو اور وہ اپنی ذمہ داری سے بری ہو جائے۔

۱۶۰۔ یہ خلاصۂ بحث ہے اور چونکہ اس کو اچھی طرح ذہن نشین کرانا مقصود ہے اس لئے اسے آیت ۱۳۴ کے بعد یہاں دہرایا گیا ہے۔

۱۶۱۔ ہر عمل ایک اچھا یا برا نتیجہ رکھتا ہے جو قیامت کے دن ظاہر ہوگا یہ نتیجہ ہر شخص کی کمائی ہے اس لئے یہاں اعمال کو کسب یعنی کمائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۱۶۲۔ قبلہ اس گھر یا اس مقام کو کہتے ہیں جس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔ اسلام نے گوناگوں مصالح کی بنا پر نماز کے لئے قبلہ ضروری قرار دیا ہے مثلاً یہ کہ اللہ کی عبادت اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر ادا کی جائے۔ نماز میں نظم اور باقاعدگی پیدا ہو، اجتماعی طور پر نماز ادا کی جائے۔ اہل ایمان کی صفوں میں وحدت پیدا ہو اور قبلہ ان کی توجہ کا مرکز اور نصب العین (Goal) قرار پائے۔

۱۶۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد مدینہ میں سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس (Jerusalem) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے اس کے بعد مسجدِ حرام (مکہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا تحویل قبلہ کے اس حکم پر یہود کے متوقع اعتراض کا یہاں جواب دیا جا رہا ہے۔ یہود کے معترض ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان کا قبلہ بیت المقدس تھا۔

۱۶۴۔ یہ اہل کتاب کے اعتراض کا جواب ہے کہ اللہ کو مشرق یا مغرب کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ ساری سمتیں اللہ ہی کی ہیں البتہ جس گھر (مسجد) کو وہ مخصوص فرما کر قبلہ قرار دے اسی کو قبلہ بنانا برحق ہے اور اس کے حکم کی تعمیل کر کے ہی تم ہدایت یاب ہو سکتے ہو۔

اس سے واضح ہوا کہ جو لوگ مذہبی عصبیت کی بنا پر اپنا رخ مکہ مکرمہ کی طرف کرنے اور کعبۃ اللہ کو اپنا قبلہ قرار دینے کے لئے آمادہ نہ ہوں اُن پر اللہ کی ہدایت کے دروازے کھل نہیں سکیں گے۔ کیونکہ یہ ''مذہب پرستی'' ہے نہ کہ حق پرستی۔

جہاں تک سچے اہل ایمان کا تعلق ہے ان کی نظر میں اصل اہمیت سمت کی نہیں بلکہ اللہ کے حکم کی ہوتی ہے اس نے اگر پہلے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا تھا اور اب کعبہ کو قبلہ بنانے کا حکم دیا ہے تو اس نئے حکم کو قبول کرنے میں انہیں کوئی تامل نہیں ہوتا چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو تحویل قبلہ کا حکم تسلیم کرنے میں ذرا تامل نہیں ہوا اور جب اہل ایمان کی ایک جماعت کو حالتِ نماز میں اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے عین اسی حالت میں اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیا۔ مدینہ کی جس مسجد میں یہ واقعہ پیش آیا اسے مسجد القبلتین (دو قبلوں والی مسجد) کہتے ہیں جو آج بھی اسی نام سے موجود ہے۔

واضح رہے کہ یہود اور نصاریٰ دونوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ بعد میں نصاریٰ نے غالباً اس بنا پر کہ حضرت مریم بیت المقدس کی مشرقی جانب معتکف ہو بیٹھی تھیں مشرق کو قبلہ بنالیا اور غالباً ان کی ضد میں آکر یہود نے مغرب کو قبلہ بنالیا لیکن اسلام نے مشرق یا مغرب کو نہیں بلکہ مسجد حرام کو قبلہ قرار دیا خواہ وہ کسی جہت میں پڑے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ
الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ
اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ
وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

[۱۴۳] اور ۱۶۵؎ اسی طرح ہم نے تمہیں ''امت وسط'' بنایا ۱۶۶؎ تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو ۱۶۷؎ تم جس قبلہ پر تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ دیکھنے کے لئے مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے ۱۶۸؎ بے شک یہ بات گراں تھی مگر ان لوگوں پر نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت سے نوازا ہے ۱۶۹؎۔ اللہ تمہارے ایمان کو ضائع کرنے والا نہیں ۱۷۰؎۔ اللہ تو لوگوں کے حق میں بڑا شفیق و رحیم ہے ۱۷۱؎۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۖ فَوَلِّ
وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

[۱۴۴] (اے پیغمبر!) ہم تمہارے منہ کا آسمان کی طرف بار بار اٹھنا دیکھتے رہے ہیں ۱۷۲؎، لہٰذا ہم تمہیں اسی قبلہ کی طرف پھیر دیتے ہیں جس کو تم پسند کرتے ہو۔ اب تم اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لو ۱۷۳؎ اور (مسلمانو!) جہاں کہیں بھی تم ہو اپنا رخ اسی طرف کیا کرو۔ جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ برحق ہے اور ان کے رب ہی کی طرف سے ہے۔ ۱۷۴؎ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ ان سے غافل نہیں ہے۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ
وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ
وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ
اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

[۱۴۵] اور اگر تم اہل کتاب کے سامنے ہر قسم کی نشانیاں پیش کردو تب بھی وہ تمہارے قبلہ کی پیروی نہیں کرینگے اور نہ تم ان کے قبلہ کی پیروی کرنیوالے ہو۔ اور نہ ان کا ایک گروہ دوسرے گروہ کے قبلہ کی پیروی کرنیوالا ہے۔ ۱۷۵؎ اور اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے ۱۷۶؎ ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ
اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

[۱۴۶] جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ۱۷۷؎۔ البتہ ان میں سے ایک گروہ جانتے بوجھتے حق کو چھپا رہا ہے۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

[۱۴۷] یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے لہٰذا تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ ۱۷۸؎

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا
يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾

[۱۴۸] ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رخ کرتا ہے تو تم نیک کاموں میں سبقت کرو۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تم سب کو جمع کرے گا۔ یقین جانو اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۶۵۔ یعنی جس طرح ہم نے قبلہ کے معاملہ میں تمہاری رہنمائی کی اور تمہیں قبلۂ ابراہیمی سے نوازا اسی طرح دعائے ابراہیمی کو قبولیت سے نوازتے ہوئے تمہیں اعتدال والی امت(Justly balanced Nation) بنا کر اٹھایا تا کہ تم دین اسلام کی گواہی دینے والے بنو۔

۱۶۶۔ ''امّت وسط'' سے مراد ایسا گروہ ہے جو اعتدال کی روش پر قائم ہو اور اپنے اوصاف کی بنا پر بہترین گروہ کہلانے کا مستحق ہو۔امت مسلمہ کو امت وسط کا لقب اس لئے عطاء کیا گیا ہے کہ وہ دین کی اصلی راہ پر قائم ہے اور ایسے نظام حیات کی حامل ہے جو اعتدال پر مبنی ہے اور اس وصف کی بنا پر تمام امتوں میں بہترین امت کہلانے کی مستحق ہے۔

یہ درحقیقت بنی اسرائیل کی منصب امامت سے معزولی اور امت مسلمہ کی امامت کا اعلان ہے جس کا قبلہ قبلۂ ابراہیمی ہے اور جو اسلام کی شاہراہ پر قائم ہے۔

۱۶۷۔ یہ امتِ وَسَط کے فریضۂ منصبی کا بیان ہے۔اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو رہنمائی کے منصب پر مامور کیا تھا لیکن انہوں نے شریعت میں تبدیلیاں کر کے اور دین سے انحراف کی راہ اختیار کر کے اعتدال کی راہ گم کردی تھی اس لئے عالم انسانیت کی یہ سب سے بڑی ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی امت برپا کرے جو اعتدال پر قائم ،شریعت کی حامل اور دنیا والوں کے سامنے دین حق کی گواہی دینے والی ہو۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری نبی ہیں امت مسلمہ تک اللہ کا دین اپنی مکمل شکل میں پہنچا دیا اب امت مسلمہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر دور ہر ملک اور ہر زبان میں لوگوں کے سامنے اللہ کے دین کی شہادت پیش کرے۔

قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں لوگ حاضر ہوں گے تو رسول گواہی دے گا کہ اللہ کے دین کو اس نے بے کم وکاست امت مسلمہ تک پہنچا دیا اور امت مسلمہ کو یہ گواہی دینا ہوگی کہ اس نے اس دین کو بندگان خدا تک ٹھیک ٹھیک پہنچایا تھا یا نہیں۔

۱۶۸۔ یعنی بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی جو اجازت تمہیں دی گئی تھی وہ عارضی تھی اور اس سے مقصود امتحان لینا تھا کہ کون لوگ رسول کے سچے پیرو ہیں اور کون پچھلی روایات کے پرستار۔واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام جب تک مکہ میں رہا آپؐ اس طرح نماز پڑھتے رہے کہ خانۂ کعبہ آپ کے سامنے ہوتا لیکن جب مدینہ ہجرت فرما گئے تو سولہ سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ مسجد حرام کی طرف رُخ کرنے کا حکم نازل ہوا۔مدینہ سے بیت المقدس شمال کی جانب اور خانۂ کعبہ جنوب کی جانب پڑتا ہے۔

۱۶۹۔ قبلہ کی تبدیلی کا معاملہ ایک سخت امتحان تھا جب تک بیت المقدس قبلہ رہا عربوں کی آزمائش ہوتی رہی کیونکہ یہ ان کی وطن پرستی پر ضرب کاری تھی اور جب مسجد حرام کو قبلہ بنانے کا حکم ہوا تو بنی اسرائیل آزمائش میں پڑ گئے کہ یہ ان کی نسل پرستی اور آباء پرستی پر ضرب تھی۔اس طرح رسول کے ساتھ صرف وہ لوگ رہ گئے جو اللہ کے سچے پرستار تھے ظاہر ہے کہ مذہبی رسوم وروایات کو ترک کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے،لیکن جن کے اندر اللہ اور اس کے رسول کے لئے اخلاص ہوتا ہے وہ بتوفیق الٰہی ہدایت پاتے ہیں۔

۱۷۰۔ یعنی اس امتحان سے مقصود لوگوں کا ایمان ضائع کرنا نہیں بلکہ دین کے سچے اور جھوٹے پیروؤں میں امتیاز کرنا ہے اور جو اپنے ایمان میں مخلص ہیں ان کی چھپی صلاحیتوں کو ابھرنے اور ان کے ایمان کو پروان چڑھنے کا موقع دینا ہے۔اس لحاظ سے یہ امتحان اللہ کی صفت رحمت کا مظہر ہے۔

۱۷۱۔ رؤف اور رحیم دو صفتیں بیان ہوئی ہیں۔رؤف میں دفع شر کا پہلو غالب ہے اور رحیم میں اثبات خیر کا۔یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو اس امتحان کے ذریعہ کمزوریوں سے پاک اور اچھے اوصاف سے آراستہ کرنا چاہتا ہے۔

۱۷۲۔ مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے لیکن آپ قبلۂ ابراہیمی کے لئے حکم الٰہی کے منتظر تھے اس لئے آپ کی نگاہیں بار بار آسمان کی طرف اٹھ جایا کرتی تھیں کہ کب اللہ کا فرشتہ (جبرئیل) تحویل قبلہ کا حکم لے کر نازل ہوتا ہے۔

۱۷۳۔ مسجد حرام سے مراد مکہ کی وہ مسجد ہے جس کے وسط میں خانہ کعبہ واقع ہے خانہ کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل

کی تھی۔ مسجد حرام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مختصر تھی بعد میں اسے اتنی وسعت دی گئی ہے کہ اس میں پانچ لاکھ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ پھر بھی وہ حج کے دنوں میں ناکافی ثابت ہوتی ہے اس مسجد کے اندر خانۂ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔

۱۷۴۔ یہود اچھی طرح جانتے تھے کہ بیت اللہ قبلۂ ابراہیمی ہے اور وہ تورات کی اس پیشین گوئی سے بھی واقف تھے کہ آخری نبی حضرت اسماعیل کی ذریت میں سے ہوگا اور اس نبی کے ذریعہ ایک امت مسلمہ برپا کی جائیگی نیز وہ اس حقیقت سے بھی واقف تھے کہ بنی اسماعیل کا مرکز اور قبلہ خانۂ کعبہ رہا ہے لیکن وہ محض حسد اور تعصب کی بنا پران باتوں کو چھپاتے تھے۔ واضح رہے کہ سب سے پہلے خانۂ کعبہ کی تعمیر ہوئی اور بیت المقدس میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر اس کے کئی سو سال بعد حضرت سلیمانؑ نے کی تھی۔

۱۷۵۔ اشارہ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے کہ وہ آپس میں قبلہ کے معاملے میں متحد نہیں ہیں۔ نصاریٰ نے مشرق کو قبلہ بنایا ہے تو یہود نے مغرب کو، جب کہ دونوں اصلاً بیت المقدس کے قبلہ ہونے کے قائل ہیں۔ پھر ان سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ مسجد حرام کو قبلہ تسلیم کرلیں گے۔

۱۷۶۔ متن میں لفظ ''العلم'' استعمال ہوا ہے جس سے مراد یہاں علم حقیقی ہے جو وحی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ اس آیت میں متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کی ہدایات کو چھوڑ کر خواہشات کی پیروی کرنا خواہ وہ کسی معاملہ میں ہو اور خواہ وہ روایات کی شکل میں ہو یا بدعات کی شکل میں سخت ظالمانہ حرکت ہے۔

۱۷۷۔ یہ عربی محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی شک و شبہ کے بغیر اچھی طرح جانتے ہیں کہ آخری نبی کا خانۂ کعبہ کو قبلہ قرار دینا برحق ہے۔

۱۷۸۔ خطاب بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن تنبیہ کا رُخ عام لوگوں کی طرف ہے۔

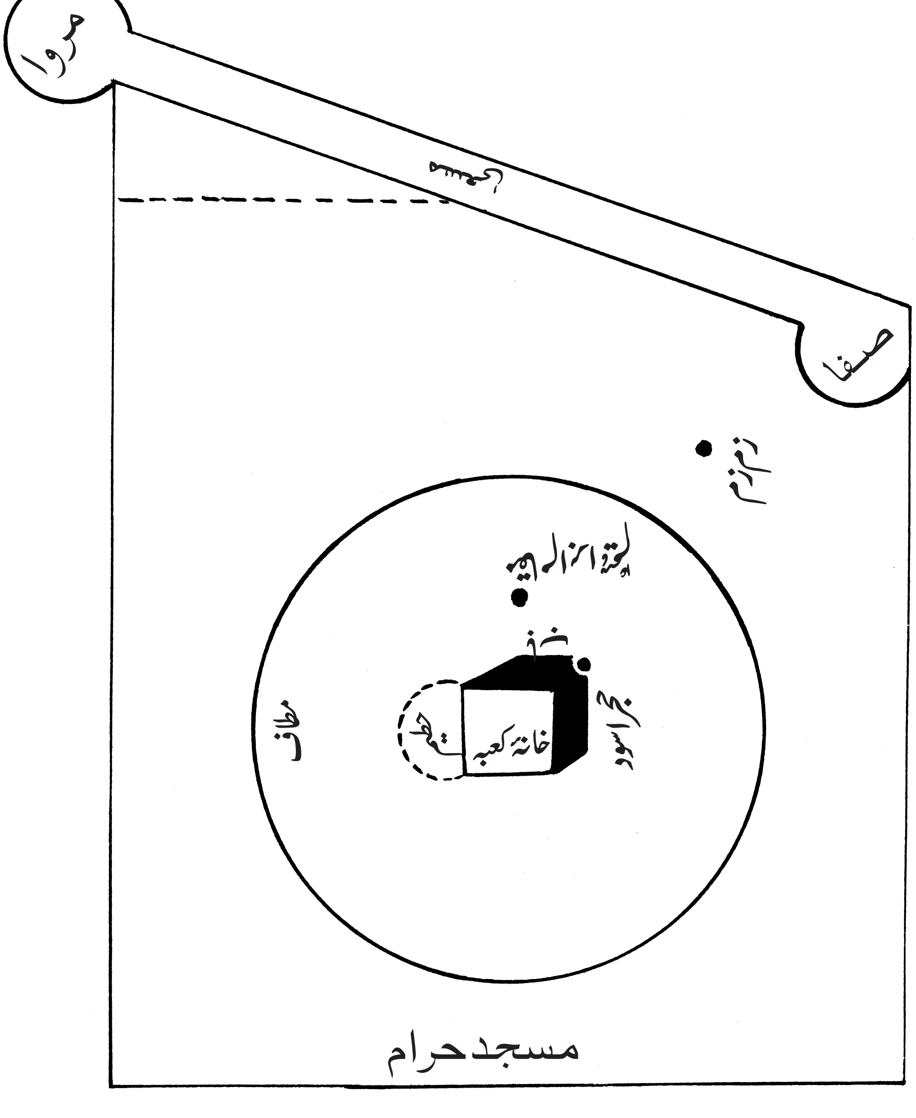

مسجد حرام کا نقشہ

مسجد حرام

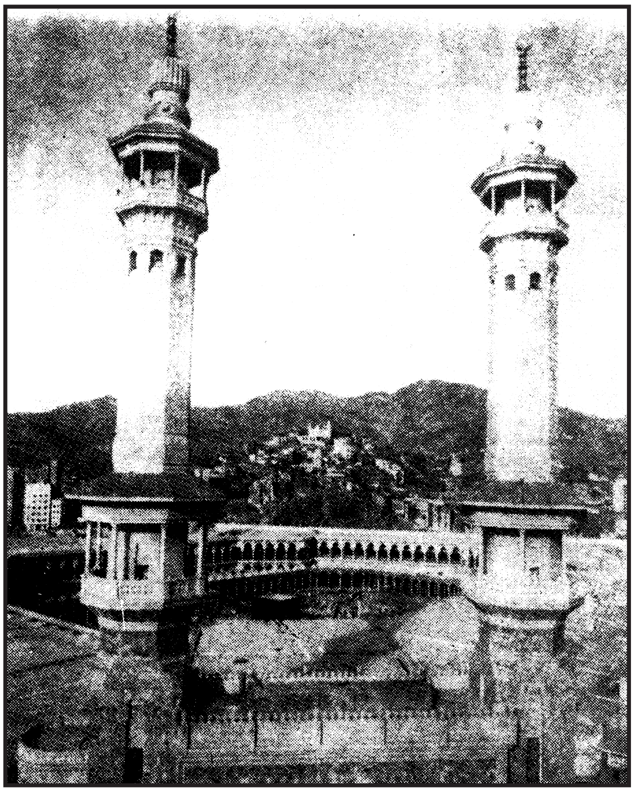

سعی صفا و مروہ کے درمیان

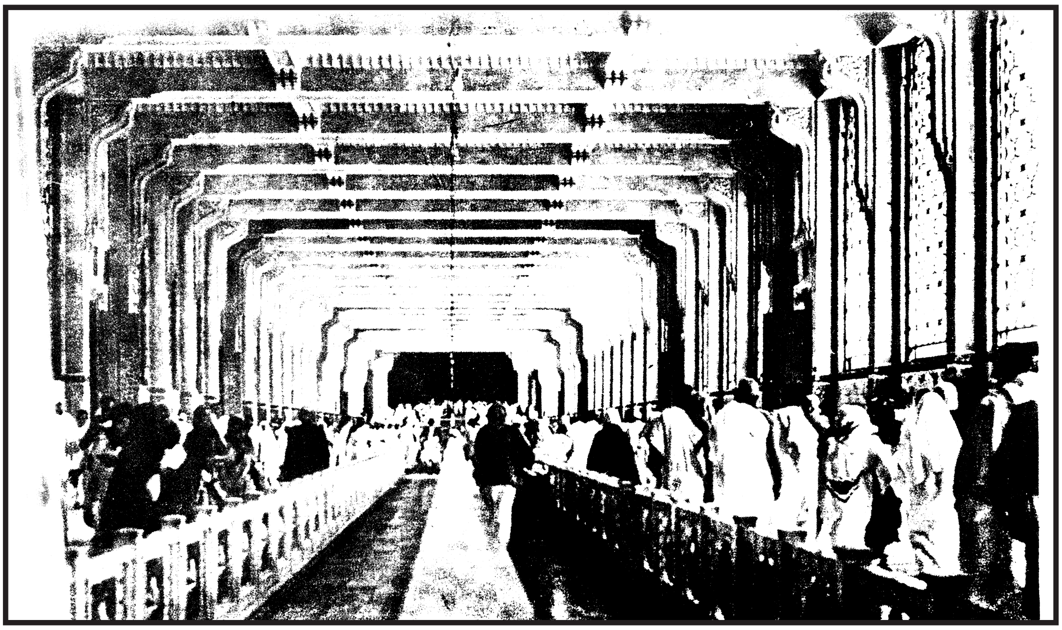

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ
لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾

۱۴۹ اور جہاں کہیں سے بھی تم نکلو ۱۷۹ے اپنا رُخ مسجدِ حرام کی طرف کرلو، بے شک یہ حق ہے تمہارے رب کی جانب سے۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے ۱۸۰ے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ
مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ
إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ
نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

۱۵۰ اور تم جہاں کہیں سے بھی نکلو اپنا رُخ مسجد حرام ہی کی طرف کرلو، اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنا رُخ اسی کی جانب کرلو تا کہ لوگوں کو تمہارے خلاف حجت پیش کرنے کا موقع نہ ملے، مگر جو ان میں سے ظالم ہیں تو ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اور تا کہ میں تم پر اپنی نعمت تمام کردوں اور تا کہ تم راہ یاب ہو۔ ۱۸۱ے

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا
وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا
لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

۱۵۱ چنانچہ ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں سناتا ہے، تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

۱۵۲ لہٰذا تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا ۱۸۲ے اور میرا شکر ادا کرو ناشکری نہ کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾

۱۵۳ اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لو ۱۸۳ے۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۱۸۴ے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ
لَّا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾

۱۵۴ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم محسوس نہیں کرتے۔ ۱۸۵ے

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾

۱۵۵ ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کسی قدر خوف، فاقہ، جان و مال اور پھلوں کے نقصان سے ۱۸۶ے۔ اور خوشخبری دیدو صبر کرنے والوں کو۔

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ
رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾

۱۵۶ جن کا حال یہ ہے کہ جب کوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ ہی کیلئے ہیں اور ہمیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۱۸۷ے۔

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

۱۵۷ یہی لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے عنایات اور رحمت ہوگی۔ اور یہی لوگ راہ یاب ہیں۔ ۱۸۸ے

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ
وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

۱۵۸ بے شک صفا اور مروہ ۱۸۹ے اللہ کے شعائر (نشانیوں) میں سے ہیں۔ ۱۹۰ے لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے ۱۹۱ے اس کیلئے ان کا طواف (سعی) کرنے میں گناہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ اور جو شخص خوش دلی کے ساتھ نیکی کرے گا، تو اللہ قدر کرنے والا اور جاننے والا ہے۔

۱۷۹۔ نکلنے سے مراد نماز کے لئے نکلنا ہے۔ یہاں واضح کیا گیا ہے کہ قبلہ کا اہتمام حضر ہی میں نہیں سفر میں بھی ضروری ہے۔ سفر میں قبلہ کا تعین ایک مشکل کام ہے لیکن قبلہ کی اہمیت کے پیش نظر تاکید کی گئی ہے کہ سفر میں بھی نماز پڑھتے وقت اپنا رخ مسجد حرام ہی کی طرف کرلو تا کہ یہ امت اپنے (Goal) (مرکز توحید) سے ہر حال میں وابستہ رہے۔

جہاں تک مکہ مکرمہ کے وقوع کا تعلق ہے یہ شہر (Long 39 o -50 , E Lat 21 o -26, N) پر واقع ہے بمبئی سے قبلہ مغربی سمت کو دس ڈگری شمال (10 o N) کی جانب پڑتا ہے۔

قرآن کی ہدایت کے مطابق سفر میں بھی سمت قبلہ کی تحقیق اور پابندی امکانی حد تک ضروری ہے لیکن اگر ریل، ہوائی جہاز وغیرہ میں قبلہ رُخ نماز پڑھنا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں جس طرف رخ کرنا ممکن ہو نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

۱۸۰۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر تم نے قبلہ کا اہتمام کرنے میں بے پرواہی سے کام لیا تو اس پر گرفت ہوگی۔

۱۸۱۔ یہ حکم اوپر گذر چکا ہے۔ یہاں اس کا اعادہ محض تکرار نہیں بلکہ تاکید کے لئے ہے۔ نیز اس کی حکمتیں بیان کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ ایک حکمت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ لوگوں کو تمہارے خلاف حجت پیش کرنے کا موقع نہ ملے یعنی یہود کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو تورات کی پیشین گوئی کے مطابق ان کا قبلۂ ابراہیمی (خانۂ کعبہ) کیوں نہیں ہے؟ تم ہر جگہ خانۂ کعبہ کو قبلہ بنا کر یہ ثابت کردو کہ ہمارا مستقل قبلہ خانۂ کعبہ ہی ہے جو تورات کی پیشین گوئی کے مطابق ہے۔ دوسری حکمت اِتمام نعمت بیان کی گئی ہے یعنی تکمیل دین اور اقوام عالم کی امامت کی نعمت اور تیسری حکمت راہ یابی یعنی یہ قبلہ مرکز توحید ہونے کی حیثیت سے مینارۂ ہدایت ہے اس لئے اس کو ہمیشہ (Goal) کے طور پر نگاہوں کے سامنے رکھنا چاہیئے۔

۱۸۲۔ خدا کو یاد رکھنے کے مفہوم میں شریعت کی پابندی کرنا شامل ہے اور اللہ کا یہ وعدہ کہ ''میں تمہیں یاد رکھوں گا'' کا مطلب یہ ہے کہ جو وعدے میں نے تم سے کئے ہیں ان کو پورا کروں گا۔

۱۸۳۔ امت مسلمہ کو امامت کے منصب پر مامور کرنے کے بعد دین کی راہ میں پیش آنے والے خطرات و مشکلات کا مقابلہ کرنے کی تدابیر بتائی جارہی ہیں کہ صبر اور نماز سے مدد لو۔ نماز تعلق باللہ کا نہایت مضبوط ذریعہ ہے اور اگر تعلق باللہ مضبوط ہو تو راہ حق کی مشکلات خود بخود آسان ہو جاتی ہیں یہاں نماز کا ذکر جس سیاق میں ہوا ہے اس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ نماز ذکر اور شکر دونوں کا مظہر ہے اور راہ حق میں عزم و قوت کے حصول کا ذریعہ بھی

۱۸۴۔ صبر کرنے والوں یعنی دین کی راہ میں ثابت قدم رہنے والوں اور مشکلات و مصائب میں پامردی دکھانے والوں کا ساتھی اللہ تعالیٰ ہوتا ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کیونکہ جس کسی کو فرمانروائے کائنات کی معیت اور پشت پناہی حاصل ہو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی واضح رہے کہ صبر کا ذکر قرآن میں ستر (۷۰) سے زائد مرتبہ ہوا ہے اس سے اس کی ضرورت و اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۸۵۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں، بہ ظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی زندگیاں ختم ہوگئیں لیکن قرآن اس حقیقت کو ذہن نشین کرانا چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے حقیقی زندگی کا آغاز تو ان کے مرنے کے بعد ہی ہوتا ہے کیونکہ ان کی روحیں عالم برزخ میں نہایت اونچے مقام پر فائز ہوتی ہیں جہاں وہ ایسی نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں جن کا تصور اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا اور سرور و شادمانی کی جو زندگی انہیں نصیب ہوتی ہے اس کے مقابلے میں دنیا کی یہ زندگی کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔

واضح رہے کہ قرآن کے نزدیک موت انسان کے ختم ہوجانے کا نام نہیں ہے بلکہ صرف روح کے قفس عنصری (جسم) سے پرواز کرجانے کا نام ہے۔ ہر انسان کی روح عالم برزخ میں جو ایک روحانی عالم ہے قیامت تک کے لئے محفوظ رہتی ہے خواہ وہ بندۂ مؤمن ہو یا کافر البتہ مؤمن کی روح آسائشوں اور نعمتوں میں رہتی ہے جبکہ کافر کی روح تکلیف اور عذاب میں۔ جب قیامت قائم ہوگی تو اجسام کو دوبارہ پیدا کیا جائے گا اور ہر انسان کی روح اس کے جسم کے ساتھ جوڑ دی

جائے گی۔اس طرح ہر شخص اللہ تعالیٰ کی عدالت میں جسم سمیت حاضر ہوگا اور وہاں اپنے عقیدہ وعمل کے مطابق جزا یا سزا کا مستحق قرار پائے گا ۔اسے عالم آخرت کہتے ہیں گویا دنیا اور آخرت کے درمیان کا عالم، عالم برزخ ہے۔

۱۸۶۔ یعنی اہلِ حق کے قافلہ کو مخالفتوں کے طوفان سے ضرور گزرنا ہوگا اور طرح طرح کے نقصانات سے دوچار ہونا ہوگا۔ یہ آزمائشیں قانونِ الٰہی کے تحت ناگزیز ہیں تاکہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز ہو، اہلِ حق کے جوہر کھلیں اور وہ اللہ کے انعامات کے مستحق قرار پائیں۔

خوف سے اشارہ خوف وخطر کی اس حالت کی طرف ہے جو دشمن کے حملہ وغیرہ کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔

فاقہ سے معاشی مشکلات کی طرف اشارہ ہے۔جان ومال کی کمی سے اشارہ جہاد کی طرف ہے، جہاد میں جانی و مالی دونوں قسم کی قربانیاں دینا پڑتی ہیں، پھلوں کی کمی سے اشارہ پیداوار کے نقصانات کی طرف ہے۔

۱۸۷۔ یعنی ہر مصیبت کے موقع پر اہلِ ایمان کی زبان سے یہ روح پرور کلمہ نکلتا ہے جس سے ان کی اللہ کے حضور سپردگی، توکل اور سرفروشی کی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے یہی وہ اسپرٹ ہے جو انہیں راہِ حق میں پہاڑ سے بھی ٹکر لینے کے لئے آمادہ کرتی ہے۔

۱۸۸۔ بحث قبلہ سے متعلق چلی آرہی تھی درمیان میں تحویلِ قبلہ کے نتیجہ میں پیش آنے والی آزمائشوں کا ذکر ہوا اب پھر قبلہ کے تعلق سے مزید روشنی ڈالی جارہی ہے۔

۱۸۹۔ صفا اور مروہ دو پہاڑیوں کے نام ہیں جو مکہ میں خانۂ کعبہ کے پاس واقع ہیں ان دو پہاڑیوں کے درمیان حج اور عمرہ کے موقع پر سات چکر لگائے جاتے ہیں جسے سعی کہتے ہیں۔مَرْوَہ وہ یادگار پہاڑی ہے جس پر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ پیش آیا تھا۔مروہ کا ذکر تورات میں موجود ہے لیکن یہود نے تحریف کرکے لفظ مروہ کو مورہ کردیا اور اس مقام کو مکہ کے بجائے فلسطین میں ثابت کردکھانے کی کوشش کی۔ تاکہ ان نشانیوں پر پردہ پڑا رہے جن سے قبلۂ ابراہیمی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ موجودہ تحریف شدہ تورات میں ہے۔

''اور ابرام اس ملک میں سے گذرتا ہوا مقام سکم میں مورہ کے بلوط تک پہنچا اس وقت ملک میں کنعانی رہتے تھے۔تب خداوند نے ابرام کو دکھائی دے کر کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا اور اس نے وہاں خداوند کے لئے جو اسے دکھائی دیا تھا ایک قربان گاہ بنائی۔اور وہاں سے کوچ کرکے اس پہاڑ کی طرف گیا جو بیت ایل کے مشرق میں ہے اور اپنا ڈیرا ایسے لگایا کہ بیت ایل مغرب میں اور عی مشرق میں پڑا اور وہاں اس نے خداوند کے لئے ایک قربان گاہ بنائی اور خداوند سے دعا کی۔'' (پیدائش ب ۱۲۔۶ تا ۸)

۱۹۰۔ متن میں شعائر کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے مراد شریعت کے وہ مظاہر (Symbols) ہیں جو خدا پرستی کی علامت اور نشان کے طور پر مقرر کئے گئے ہیں۔ان شعائر کی تعظیم کی جو شکل شریعت نے مقرر کی ہے اسی شکل میں ان کی تعظیم کی جانی چاہیئے۔اپنی طرف سے نئی شکل نکالنے کا ہمیں کوئی حق نہیں ہے ورنہ شرک وبدعت کی راہیں کھل سکتی ہیں۔

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ قرآن میں شعائر اللہ کی صرف تعظیم کا حکم دیا گیا ہے ان کی پرستش کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیا گیا ہے۔اسلام میں پرستش صرف اللہ کی روا ہے اسلئے شعائر اللہ کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے۔زمانۂ جاہلیت میں صفا اور مروہ پر دو بت رکھے گئے تھے۔اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرما کر صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں اس طرف توجہ دلائی کہ انہیں بتوں سے پاک کیا جانا چاہیئے۔تاکہ وہ خالص خدا پرستی کے نشان کی حیثیت سے نمایاں ہوں۔

۱۹۱۔ عمرہ خانۂ کعبہ کی زیارت کو کہتے ہیں۔جو شخص عمرہ کرنا چاہتا ہے اسے حدودِ حرم میں داخل ہونے سے پہلے احرام باندھنا پڑتا ہے۔عمرہ میں خانۂ کعبہ کا طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی کی جاتی ہے یعنی سات چکر لگائے جاتے ہیں۔عمرہ کسی وقت بھی ادا کیا جاسکتا ہے نیز حج میں عرفات کی حاضری ضروری ہے۔جو لوگ حج کو جاتے ہیں وہ بالعموم عمرہ ادا کرتے ہیں اور اس کے بعد حج کرتے ہیں۔

اور تمہارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے اس رحمٰن ورحیم کے سوا کوئی الٰہ (معبود) نہیں۔ بیشک آسمانوں اور زمین کی خلقت میں، رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں، ان کشتیوں میں جو لوگوں کیلئے سمندر میں نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں، اس پانی میں جو اللہ نے اوپر سے برسایا اور جس سے زمین کو اس کے مُردہ ہونے کے بعد زندگی بخشی اور جس کے ذریعہ اس میں ہر قسم کے جاندار پھیلائے، اور ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر (تابع فرمان) ہیں۔ ان لوگوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ **(القرآن)**

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ
مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ
وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾
إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ
عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ
لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿١٦٢﴾
وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ
مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ
الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٦٤﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ
اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ
يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ
وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا
مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ
وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

١٥٩ جولوگ ہماری نازل کردہ واضح نشانیوں اور ھدایت کو چھپاتے ہیں ١٩٢ درآنحالیکہ ہم انہیں کتاب میں لوگوں کیلئے بیان کر چکے ہیں۔ یقین جانو اللہ ان پر لعنت کرتا ہے۔ ١٩٣ اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

١٦٠ البتہ جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور بیان کر دیا ان کی توبہ میں قبول کروں گا۔ میں بڑا توبہ قبول کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہوں۔

١٦١ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

١٦٢ وہ اس (لعنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ ان کو مہلت ہی ملے گی۔

١٦٣ اور تمہارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے ١٩٤ اس رحمٰن ورحیم کے سوا کوئی الٰہ (معبود) نہیں۔ ١٩٥

١٦٤ بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت میں، ١٩٦ رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں، ان کشتیوں میں جو لوگوں کیلئے سمندر میں نفع بخش سامان لے کر چلتی ہیں، اس پانی میں جو اللہ نے اوپر سے برسایا اور جس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندگی بخشی ١٩٧ اور جس کے ذریعہ اس میں ہر قسم کے جاندار پھیلائے، اور ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان وزمین کے درمیان مسخر (تابع فرمان) ہیں ١٩٨ ان لوگوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں ١٩٩ جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

١٦٥ مگر لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اوروں کو اللہ کا ہم سر (برابری کا) ٹھہراتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرنا چاہیئے۔ حالانکہ اہل ایمان اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ ٢٠٠ اور اگر یہ ظالم اس وقت کو دیکھ سکتے جبکہ یہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو انہیں اچھی طرح معلوم ہو جاتا، کہ ساری قوت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

١٦٦ اس وقت وہ (پیشوا اور لیڈر) جن کی پیروی کی گئی تھی، اپنے پیروؤں سے اظہار برأت کریں گے ٢٠١ اور عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے باہمی تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔

١٦٧ اور ان کے پیرو کہیں گے کہ کاش ہمیں ایک موقع (دنیا میں جانے کا) اور دیا جاتا تو ہم بھی اسی طرح ان سے اظہار برأت کرتے، جس طرح انہوں نے ہم سے اظہار برأت کیا ہے۔ اسطرح اللہ انکے اعمال کو موجبِ حسرت بنا کر ان کو دکھائے گا۔ اور وہ آتشِ جہنم سے ہر گز نہ نکل سکیں گے۔

۱۹۲۔ اشارہ خاص طور سے ان نشانیوں کی طرف ہے جو تورات میں اللہ تعالیٰ نے قبلۂ ابراہیمی اور آخری نبی کے تعلق سے بیان فرمائی تھیں لیکن یہود نے ان کو چھپانے کی کوشش کی چنانچہ اوپر نوٹ ۱۸۹۔ میں اس کی مثال گذر چکی کہ کس طرح انہوں نے مروہ کا نام بدل کر مورہ کر دیا۔

۱۹۳۔ تورات میں ہے۔

''لیکن اگر تو ایسا نہ کرے کہ خداوند اپنے خدا کی بات سن کر اس کے سب احکام اور آئین پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرے تو یہ سب لعنتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو لگیں گی۔'' (استثناء ب ۱۵:۲۸)

۱۹۴۔ اس آیت سے نیا سلسلۂ بیان شروع ہو رہا ہے جس میں شرعی احکام دئے جا رہے ہیں خاص طور سے ان امور کے سلسلے میں جن کے لئے زمانۂ نزول کے وقت حالات متقاضی تھے۔ اس کا آغاز توحید کے بیان سے ہو رہا ہے

۱۹۵۔ انسان کے شرک میں مبتلا ہونے کا ایک بڑا سبب خدا کے بارے میں یہ غلط تصور ہے کہ وہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس سے بے تعلق ہو گیا ہے۔ یہاں الله کے ساتھ رحمٰن و رحیم کی صفتیں بیان کی گئی ہیں جو اس تصور کی تردید کرتی ہیں اور یہ واضح کرتی ہیں کہ وہ انسان کے حق میں نہایت مہربان ہے۔ ہر آن اس پر اپنی رحمت کئے جا رہا ہے اور اس ہدایت نامہ کا نزول بھی سراسر اس کی رحمت کا ظہور ہے۔

۱۹۶۔ آسمان و زمین کی خلقت ان کے خالق کی عظیم قدرت پر اس کی بے مثال کاریگری اور صناعی پر نیز اس کی حیرت انگیز حکمت پر دلالت کرتی ہے۔ ان کی نفع رسانی سے اس کی صفت رحمت کا نیز ان چیزوں کی مقصدیت کا اظہار ہوتا ہے اور یہ یقین پیدا ہوتا ہے کہ یہ کارخانہ بے غایت نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک عظیم مقصد کارفرما ہے جس کے ظہور کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے۔

۱۹۷۔ بارش کا پانی جو آسمان (اوپر) سے برستا ہے اور زمین کو زندگی بخشتا ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ آسمان و زمین کے درمیان مکمل سازگاری ہے پھر لوگ کس طرح باور کرتے ہیں کہ زمین کا دیوتا الگ اور آسمان کا دیوتا الگ ہے؟ اگر ایک خدا کی جگہ کئی دیوتا ہوتے تو آسمان و زمین کا یہ نظام کس طرح کامل ہم آہنگی کے ساتھ چل سکتا تھا۔؟

۱۹۸۔ مسخر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو تابع فرمان بنا کر انسان کی خدمت میں لگا دیا ہے۔

۱۹۹۔ کسی چیز کی نشانی اس کی دلیل ہوتی ہے اس لئے ان چیزوں کے نشانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں اللہ کے وجود، اس کی توحید اور اس کی صفتِ رحمت کی دلیل ہیں۔

۲۰۰۔ یعنی توحید کے ان واضح دلائل کے باوجود ایسے لوگ بھی ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے اور خدا کی خدائی میں اوروں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہیں اور ان سے اس طرح محبت کرنے لگتے ہیں جس طرح اللہ سے محبت کرنے کا حق ہے۔ جب خالق اللہ ہی ہے اور تنہا وہی فرمانروا اور معبود ہے تو پھر کسی اور کی محبت اس کے برابر یا اس سے زیادہ کیسی کی جاسکتی ہے؟ ضروری ہے کہ ہر محبت اللہ کی محبت کے تابع ہو یہی ایمان کی روح ہے اور توحید کا تقاضا بھی۔

۲۰۱۔ یعنی جن سے آج یہ شدید محبت کر رہے ہیں وہ قیامت کے دن ان سے اظہار برأت کریں گے۔ یہاں خاص طور سے گمراہ کرنے والے سردار اور لیڈر مراد ہیں جن سے مشرکین شدید محبت رکھتے تھے اور اللہ کی محبت پر ان کی محبت کو مقدم رکھتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا
خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾
اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ
لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا
دُعَاۗءً وَّنِدَاۗءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ
وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾
اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ
لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ
بِهٖ ثَـمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰۗىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ
وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ښ وَلَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾
اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى
وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَھُمْ عَلَي النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾

۱۶۸ لوگو!۲۰۲؎ زمین میں جو حلال وطیب چیزیں ہیں ۲۰۳؎ انہیں کھاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو ۲۰۴؎ ۔ فی الواقع وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

۱۶۹ وہ تو تمہیں برائی اور بے حیائی ہی کا حکم دے گا اور اس بات کا کہ اللہ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرو جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔ ۲۰۵؎

۱۷۰ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نازل کردہ احکام کی پیروی کرو تو کہتے ہیں ہم اسی طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اس صورت میں بھی یہ ان کی پیروی کریں گے جب کہ ان کے باپ دادا نہ عقل سے کام لیتے رہے ہوں، اور نہ انہوں نے ہدایت پائی ہو! ۲۰۶؎

۱۷۱ ان منکرین کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص جانوروں کو پکارے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہیں سنتے ۲۰۷؎ یہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں اس لئے کچھ نہیں سمجھ پاتے۔

۱۷۲ اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں ان کو کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو ۲۰۸؎ ۔

۱۷۳ اس نے تم پر حرام ٹھہرایا ہے صرف ۲۰۹؎ مردار ۲۱۰؎، خون ۲۱۱؎، سور کا گوشت ۲۱۲؎ اور وہ (ذبیحہ) جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو ۲۱۳؎۔ البتہ جو شخص مجبور ہو جائے اور نہ تو اس کا خواہشمند ہو اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ۲۱۴؎ ۔ اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

۱۷۴ بے شک جو لوگ ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کی ہیں ۲۱۵؎ اور ان کے بدلے حقیر قیمت وصول کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں۔ ۲۱۶؎ اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ ۲۱۷؎ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

۱۷۵ یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی اور مغفرت کے بدلہ عذاب خریدا۔ تو یہ آتشِ جہنم (میں جلنے) کیلئے کتنے بڑے حوصلہ کا ثبوت دے رہے ہیں۔ ۲۱۸؎

۱۷۶ یہ اس لئے کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی لیکن جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا وہ مخالفت میں بہت دور نکل گئے۔ ۲۱۹؎

۲۰۲۔ یہاں سے شریعت کے احکام وقوانین بیان کئے گئے ہیں۔

۲۰۳۔ طیب یعنی پاک اور اچھی۔اسلام نے جن چیزوں کو حلال اور جائز قرار دیا ہے وہ لازماً پاکیزہ اور اچھی ہیں یعنی وہ ظاہری و باطنی دونوں طرح کی نجاستوں سے پاک ہیں اور ان کے کھانے کا کوئی برا اثر انسان کے اخلاق پر نہیں پڑتا۔

۲۰۴۔ یعنی اپنی خواہشات یا مشرکانہ توہمات کی بنا پر کسی چیز کو حرام نہ ٹھہراؤ۔جن لوگوں نے شرعی سند کے بغیر کتنی ہی چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے انہیں یہ راہ شیطان نے دکھائی ہے۔مثال کے طور پر پاک جانوروں کا ذبیحہ اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے لیکن اہنسا کے فلسفہ کے تحت گوشت خوری کو مطلقاً حرام قرار دینا خدا کے حق تحریم وتحلیل میں مداخلت کرنا ہے اور یہ شیطان کے نقش قدم کی صریح پیروی اور کھلا شرک ہے۔

۲۰۵۔ یعنی کسی سند کے بغیر خدا کی طرف کوئی بات منسوب کرنا مثلاً یہ کہنا کہ اس نے فلاں اور فلاں چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں درآنحالیکہ اس کا کوئی ثبوت موجود نہ ہو۔

۲۰۶۔ یعنی حلت وحرمت کے معاملہ میں کتاب الٰہی پر اعتماد ہونا چاہئے نہ کہ باپ دادا کی تقلید اور بے سند روایات پر۔یہ کوئی معقول بات نہیں ہے کہ آدمی پچھلوں کی اندھی تقلید کرے یا قدیم کلچر کے نام پر لکیر کا فقیر بنا رہے بلکہ سوجھ بوجھ سے کام لے اور اللہ کی رہنمائی کو قبول کرے۔

اس آیت سے یہ اصولی ہدایت سامنے آتی ہے کہ کسی بات کا باپ دادا سے چلا آنا یا کسی روایت کا کلچر کی حیثیت اختیار کر جانا اس کی صحت کی دلیل نہیں ہے اس لئے ایسی باتوں کی اندھی تقلید کرنے کے بجائے تحقیق سے کام لینا چاہئے کہ آیا جن باتوں کو مذہبی حیثیت دی گئی ہے ان کیلئے شریعت الٰہی کی کوئی سند موجود ہے؟

۲۰۷۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو عقل وبصیرت سے کام لینے کے بجائے محض باپ دادا کی تقلید پر جم گئے ہیں۔ان کی مثال بھیڑ بکریوں کے گلہ کی طرح ہے جو سوچنے سمجھنے سے بالکل عاری ہوتے ہیں۔وہ چرواہے کی آواز تو سنتے ہیں لیکن اس سے آگے کچھ سمجھنے سے قاصر ہیں۔یہی حال ان لوگوں کا ہے کہ داعی کی پکار کو سنتے ہیں لیکن وہ کیا کہہ رہا ہے اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

۲۰۸۔ اہل ایمان کو خطاب کرکے کہا جا رہا ہے کہ اگر لوگوں نے کھانے پینے کے معاملہ میں ناروا پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اور وہ توہمات ہی کے چکر میں رہنا چاہتے ہیں تو تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہیں بخشی ہیں ان کو بے جھجک کھاؤ اس سے واضح ہے کہ لوگوں نے اگر گوشت خوری سے پرہیز کرنے کو مذہبی تقدس کا درجہ دیا ہو تو یہ محض وہمی پن ہے اور اس قسم کی پابندیوں کو ختم کرنا بندگئ رب کا کھلا تقاضا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

من صلی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا ''جس نے ہماری نماز پڑھی، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کیا اور

واکل ذبیحتنا فذٰلک المسلم اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا وہ مسلم ہے۔''

یعنی آدمی کے مسلم ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ کھانے پینے کے معاملہ میں تمام توہمات اور غیر شرعی پابندیوں کو جو پادریوں، پنڈتوں اور جوگیوں وغیرہ نے عائد کر رکھی ہیں ختم کردے اور صرف قانون الٰہی کا پیرو بن جائے۔

۲۰۹۔ سورۂ مائدہ آیت ا میں صراحت کی گئی ہے کہ ''تمہارے لئے مویشی (چرنے والے) کی قسم کے چوپائے حلال کئے گئے ہیں۔'' اس لئے جو جانور مویشی کی قسم کے نہیں ہیں مثلاً درندے وغیرہ ان کی حرمت واضح ہی ہے۔اس آیت میں یہ جو فرمایا کہ تم پر صرف یہ اور یہ چیزیں حرام کردی ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام میں ان چار چیزوں کے علاوہ سرے سے کوئی چیز حرام ہے ہی نہیں بلکہ یہ مخاطبین کے پیش نظر جو ملت ابراہیمی کو تسلیم کرتے تھے بیان کیا جا رہا ہے مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کی حلت وحرمت کا مسئلہ اختلافی بن کر رہ گیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہ چار چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں۔اس پر جو اضافے لوگوں نے کئے ہیں وہ اصل دین میں اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۲۱۰۔ مُردار سے مراد وہ حیوان یا پرندہ ہے جسے شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو بلکہ جو طبعی موت مرا ہو۔اس کی حرمت کی مصلحت بالکل واضح ہے۔جو جانور طبعی

موت مرتا ہے اس کا گوشت خون کے جسم کے اندر رہ جانے کی وجہ سے نجس اور گندہ ہوتا ہے اور طبع سلیم مُردار کا گوشت کھانے سے نفرت کرتی ہے علاوہ ازیں مُردار کا گوشت کھانے میں ضرر کا بھی اندیشہ ہے ممکن ہے اس کی موت بیماری کی وجہ سے ہوئی ہو۔ تورات میں بھی مُردار کو حرام قرار دیا گیا تھا۔

''جو جانور آپ ہی مرجائے تم اُسے مت کھانا۔'' (استثناء باب ۱۴:۲۱)

۲۱۱۔ خون کی حرمت کی مصلحت بھی واضح ہے یعنی اس کا نجس ہونا۔ طبع سلیم اس سے نفرت کرتی ہے اور خون پینا درندوں کی خصلت ہے انسان جیسی اشرف مخلوق کے شایانِ شان نہیں ہے اس سے انسان میں درندگی کی خصلت پیدا ہو سکتی ہے اور اس میں اخلاقی مضرتوں کے علاوہ دیگر مضرتوں کا بھی احتمال ہے۔

اہل جاہلیت اونٹ وغیرہ کے جسم میں کوئی تیز چیز بھونک دیتے اور جو خون نکل پڑتا اس کو پی لیتے۔ اس سے جانور کو بھی بڑی تکلیف ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے خون کو حرام قرار دے کر جانوروں پر بھی رحم فرمایا۔ تورات میں بھی خون کو حرام قرار دیا گیا تھا۔

''لیکن تم خون کو بالکل نہ کھانا بلکہ تو اسے پانی کی طرح زمین پر انڈیل دینا۔'' (استثناء باب ۱۲:۱۶)

۲۱۲۔ سور ایک نجس جانور ہے جس کی مرغوب غذا نجاست اور کوڑا کرکٹ ہے۔ پاکیزہ طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے علاوہ ازیں اس کا گوشت مضر بھی ہے۔

''طب جدید کی رُو سے اس کا کھانا ہر خطہ میں اور خاص طور سے گرم ممالک میں سخت مضر ہے اور سائنسی تجربات نے ثابت کیا ہے کہ سور کا گوشت کھانے سے خاص قسم کے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جو بڑے مہلک ہوتے ہیں اور معلوم نہیں آئندہ مزید کیا اسرار منکشف ہوں گے! محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ سور کا گوشت ہمیشہ کھاتے رہنے سے غیرت کم ہو جاتی ہے۔'' (اسلام میں حلال وحرام ص ۶۳۔ از علامہ یوسف القرضاوی)

تورات میں بھی سور کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

''اور سؤر تمہارے لئے اس سبب سے ناپاک ہے کہ اس کے پاؤں تو چِرے ہوئے ہیں پر وہ جُگالی نہیں کرتا۔ تم نہ تو اُن کا گوشت کھانا اور نہ ان کی لاش کو ہاتھ لگانا۔'' (استثناء ب ۱۴:۸)

۲۱۳۔ یعنی جس جانور کو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو خواہ وہ بت ہو، جن ہو، فرشتہ ہو، یا کوئی بزرگ انسان اس جانور کا کھانا حرام ہے شرک سب سے بڑی عقلی اور باطنی نجاست ہے اور غیر اللہ کے لئے جو ذبیحہ نامزد کیا گیا ہو اس کی حرمت کی وجہ اس کی یہی باطنی نجاست ہے۔

''بت پرست اپنے ذبیحہ پر لات عُزّیٰ وغیرہ بتوں کے نام لیا کرتے تھے یہ غیر اللہ کے لئے تعبد و تقرب تھا۔ اس کی تحریم کا سبب دینی ہے اور اس سے مقصود توحید کا تحفظ، عقائد کی تطہیر اور شرک و بت پرستی کے مظاہر کی مخالفت ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کی، اس کے لئے زمین کی ساری چیزیں مسخر کر دیں اور جانور کو بھی اس کے تابع کر دیا۔ نیز انسان کے فائدے کے لئے اس کی جان لینا بھی جائز کر دیا بشرطیکہ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لیا جائے۔ گویا اللہ کا نام لینا اس بات کا اظہار کرنا ہے کہ ایک جاندار مخلوق کو ذبح کرنے کا کام وہ اللہ ہی کی اجازت سے کر رہا ہے۔ لیکن اگر وہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیتا ہے تو اس اجازت کو عملاً باطل کر دیتا ہے، اس لئے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس ذبیحہ کے استفادہ سے اسے محروم کر دیا جائے۔'' (اسلام میں حلال وحرام ص ۶۴۔ از علامہ یوسف القرضاوی)

بائبل میں بھی غیر اللہ کا ذبیحہ کھانے کی ممانعت کا حکم موجود ہے۔

۲۱۴۔ یعنی جو شخص واقعی مجبور ہو مثلاً بھوک یا بیماری کی وجہ سے جان کو خطرہ لاحق ہو وہ جان بچانے کے لئے حرام چیز کھا سکتا ہے بشرطیکہ وہ حرام چیز کھانے کا خواہشمند نہ ہو اور جس حد تک مجبوری ہو اسی حد تک کھائے۔ ایسی صورت میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

۲۱۵۔ اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے کہ جس طرح مشرکین نے بعض چیزیں حرام ٹھہرائی تھیں اسی طرح اہل کتاب بھی حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرا رہے ہیں اور تورات کے احکام کو چھپا رہے ہیں۔

واضح رہے کہ اہل کتاب پر اصلاً وہی چیزیں حرام قرار دی گئی تھیں جو ملت ابراہیم میں حرام تھیں البتہ بعد میں یہود پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بعض چیزیں حرام کر دی گئی تھیں اور انہیں بتا دیا گیا تھا کہ جب آخری نبی مبعوث ہوگا تو وہ ان پابندیوں کو ختم کر دے گا اور تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال قرار دے گا لیکن یہود نے تورات کی ان باتوں کو چھپایا۔

۲۱۶۔ یہ اشارہ ان علمائے یہود کی طرف ہے جو کتاب الٰہی کا علم رکھنے کے باوجود شریعت کے احکام پر پردہ ڈالتے رہے اور اپنے طرزِ عمل سے توہمات اور بے جا پابندیوں کی تائید کرتے رہے۔

یہ لوگ محض اپنی دنیا بنانے کی خاطر کتمانِ حق سے کام لے رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دین فروشی کے عوض جو دنیا، یہ حاصل کر رہے ہیں وہ آگ ہے جس سے یہ اپنا پیٹ بھر رہے ہیں۔

۲۱۷۔ اشارہ ہے ان مذہبی پیشواؤں کی طرف جو لوگوں کا مذہبی استحصال (Religous exploitation) کرنے کے باوجود اپنے کو بڑا پاکیزہ اور مقدس قرار دیتے ہیں۔ ان کے ان جھوٹے دعووں کی تردید میں فرمایا جا رہا ہے کہ قیامت کے دن جب حق کی کسوٹی پر انہیں پرکھا جائے گا تو وہ ہرگز پاکیزہ اور مقدس نہیں قرار پائیں گے۔

۲۱۸۔ یعنی یہ لوگ جس ڈھٹائی کے ساتھ ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت کو ترجیح دے رہے ہیں وہ یقیناً حیرت انگیز ہے کیونکہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ آگ میں جلنے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ ایسی صورت میں ان کے حوصلہ کی ضرور داد دینا چاہیئے!

۲۱۹۔ یعنی اہل کتاب نے اللہ کے دین میں طرح طرح کے اختلافات پیدا کر دیئے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کے لئے یہ معلوم کرنا سخت مشکل ہو گیا تھا کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو حق کے ساتھ یعنی ان اختلافات میں قول فیصل بنا کر نازل کیا تاکہ اللہ کی شریعت اپنی صحیح اور مکمل شکل میں لوگوں کے سامنے آئے۔ اس کے بعد بھی جو لوگ اختلاف کر رہے ہیں وہ محض مخالفت کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ
وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا
عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَحِيْنَ
الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾

١٧٧ نیکی یہ نہیں ٢٢٠ ؎ کہ تم اپنا رخ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ، یوم آخر، ملائکہ ٢٢١ ؎ کتاب الٰہی اور نبیوں پر ایمان لائے ٢٢٢ ؎ اور اپنا مال اس کی محبت میں قرابت داروں یتیموں، مسکینوں مسافروں اور مانگنے والوں پر ٢٢٣ ؎ نیز گردنیں چھڑانے میں خرچ کرے۔ ٢٢٤ ؎ نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے ٢٢٥ ؎۔ جب عہد کرے تو اسے پورا کرے۔ اور تنگی و تکلیف میں اور جنگ کے موقع پر ثابت قدم رہے۔ ٢٢٦ ؎ یہی لوگ ہیں جو سچے ثابت ہوئے اور یہی لوگ درحقیقت متقی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ
بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ
شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٨﴾

١٧٨ اے ایمان لانے والو! مقتولوں کے بارے میں تمہیں قصاص (خون کا بدلہ لینے میں برابری) کا حکم دیا گیا ہے۔ ٢٢٧ ؎ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ ٢٢٨ ؎ البتہ قاتل کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ رعایت مل جائے ٢٢٩ ؎ تو معروف طریقہ اختیار کرنا چاہیئے اور خوبی کے ساتھ (خون بہا) ادا کرنا چاہیئے۔ ٢٣٠ ؎ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد بھی جو زیادتی کرے اسکے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٩﴾

١٧٩ اور اے عقل والو ! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے ٢٣١ ؎ (اور اس لئے اس کا حکم دیا گیا ہے) تاکہ تم (حدود الٰہی کی خلاف ورزی سے) بچو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ ۨ الْوَصِيَّةُ
لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿١٨٠﴾

١٨٠ تم پر فرض کردیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے معروف ٢٣٢ ؎ طریقہ پر وصیت کر جائے۔ ٢٣٣ ؎ یہ حق ہے متقیوں (اللہ سے ڈرنے والوں) پر۔

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ
يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٨١﴾

١٨١ پھر جو لوگ وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالیں تو اس کا گناہ بدل ڈالنے والوں ہی پر ہوگا۔ اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ
فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٨٢﴾

١٨٢ البتہ جس کو وصیت کرنے والے کی طرف سے جانبداری یا گناہ (حق تلفی) کا اندیشہ ہو اور وہ ان کے درمیان مصالحت کرادے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ٢٣٤ ؎ بے شک اللہ غفور و رحیم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾

١٨٣ اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ٢٣٥ ؎ جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے ٢٣٦ ؎ تاکہ تم متقی بنو۔ ٢٣٧ ؎

۲۲۰۔ یہود و نصاریٰ کی ظاہر پرستی پر یہ تعریض ہے جنہوں نے دین کی اصل روح کھودی تھی اور شریعت کو چند رسوم وظواہر کا مجموعہ بنا کر رکھ دیا تھا۔ چنانچہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرنے ہی کو وہ اصل دینداری سمجھ بیٹھے تھے۔ قرآن یہاں دین کی اصل حقیقت کو بے نقاب کررہا ہے کہ خلوص کے ساتھ خدائے واحد کی بندگی و اطاعت اور وہ اخلاق و اعمال جن سے اولوالعزمی کا اظہار ہوتا ہے دین میں اصل اہمیت رکھنے والی چیزیں ہیں جن پر عمل پیرا ہوئے بغیر آدمی دین کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ دین کے معاملہ میں ظاہرداری کا رویہ اللہ کے ہاں کوئی وزن نہیں رکھتا اور خدا پرستی کا دعویٰ بالکل بے معنیٰ ہے اگر اس کی پشت پر اللہ کے ساتھ سچی وفاداری اور اس کی شریعت کی مخلصانہ پیروی کا جذبہ کارفرما نہ ہو۔

متن میں ''بِرّ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جسکے اصل معنیٰ ایفائے حق کے ہیں اور اس کے وسیع مفہوم میں خدا اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی نیز ہر قسم کی نیکیاں اور بھلائیاں شامل ہیں۔

۲۲۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں پر وحی فرشتوں کے ذریعہ بھیجتا ہے۔ فرشتے جو نہایت پاکیزہ ہستیاں ہیں وحی کی امانت بے کم و کاست انبیاء تک پہنچاتے ہیں۔ یہ کام اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں انجام پاتا ہے۔ اس لئے اس میں ان کی طرف سے کسی قسم کی بھول چوک کا امکان نہیں ہے اور نہ شیاطین ان کے اس کام میں مداخلت کرسکتے ہیں۔ فرشتے وحی الٰہی پہنچانے کا نہایت قابل اعتماد ذریعہ ہیں اس لئے ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۲۲۲۔ ایمان سے مراد حقیقی ایمان ہے۔ کیونکہ حقیقی ایمان ہی کے ذریعہ آدمی اللہ کا وفادار بندہ ثابت ہوسکتا ہے۔

۲۲۳۔ یعنی وہ لوگ جو مدد کے لئے سوال کریں۔

۲۲۴۔ گردنوں سے مراد غلاموں کی گردنیں ہیں۔ ان کو طوق غلامی سے آزاد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ اس سے واضح ہے کہ اسلام کے نزدیک آزاد کو غلام بنانا نیکی نہیں ہے۔ بلکہ جو لوگ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں ان کو آزاد کرنا نیکی ہے۔ اگر اس میں کوئی استثناء اسلام نے کیا تو وہ صرف جنگ کی حد تک تھا۔

اسلام غلامی کے رواج کو ختم کرنا چاہتا تھا اور یہ اچھا ہی ہوا کہ اب اس کا رواج باقی نہیں رہا۔ دریں صورت بے گناہ اسیروں کو غلاموں پر قیاس کیا جاسکتا ہے اور ایسے لوگوں کی رہائی کے لئے جرمانہ وغیرہ ادا کیا جاسکتا ہے کہ یہ گردن چھڑانے جیسی ہی نیکی ہے۔

۲۲۵۔ انفاق اور زکوٰۃ دونوں کا ذکر ایک ہی آیت میں ہوا ہے جس میں اس بات کی ترغیب ہے کہ مسکینوں وغیرہ پر انفاق کرتے رہنا چاہیئے قطع نظر اس سے کہ اس پر زکوٰۃ کا فریضہ عائد ہوتا ہے یا نہیں اور عائد ہونیکی صورت میں اس کی ادائیگی کے باوجود انفاق کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیئے۔ زکوٰۃ تو کم سے کم مطالبہ ہے جو اسلام ایک مسلمان سے کرتا ہے اسکے علاوہ بھی اسے ناداروں اور حاجتمندوں پر خرچ کرتے رہنا چاہیئے اور اس فیاضی کے بغیر آدمی نیکی کے مقام کو حاصل نہیں کرسکتا۔

۲۲۶۔ یہاں صبر کے تین مواقع بیان کئے گئے ہیں۔ ایک تنگی میں جس سے مراد فقر و فاقہ ہے، دوسرے تکلیف میں جس سے بیماری اور جسمانی تکالیف مراد ہیں، تیسرے جنگ کے وقت۔ یہ تین مواقع انسان کے عزم اور اس کے طرز عمل کے امتحان کے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ جو شخص ان حالتوں میں حق پر ثابت قدم رہا وہ نیکی کے اعلیٰ مقام پر یقیناً فائز ہوا۔

۲۲۷۔ قصاص کا مطلب یہ ہے کہ مجرم کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جس کا مرتکب وہ خود ہوا ہے۔ قاتل کے لئے قصاص کا اصل قانون جان کے بدلہ جان ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ رعایت رکھی ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء چاہیں تو جان کے بدلہ خون بہا بھی لے سکتے ہیں۔

قصاص کے حکم کا مخاطب پورا اسلامی معاشرہ ہے اس لئے قاتل کو سزا دینے کی ذمہ داری پورے اسلامی معاشرہ پر عائد ہوتی ہے۔ البتہ چونکہ حکومت معاشرہ کی نمائندگی کرتی ہے اس لئے اس قانون کے نفاذ کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہوتی ہے اور اس کے نفاذ کی شکل یہ ہوگی کہ حکومت مقتول کے ورثاء کو اختیار دے

گی کہ وہ چاہیں تو قاتل کو قتل کی سزا دی جائے یا چاہیں تو اس سے خون بہا قبول کر لیں۔

مقتول کے ورثاء کو قصاص کا جو اختیار دیا گیا ہے وہ نہایت حکیمانہ ہے۔اس سے ان کے دلوں کے زخم مندمل ہو سکتے ہیں نیز خون بہا کے ذریعہ ان کی بڑی مدد ہو جاتی ہے۔خون بہا کی مقدار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو اونٹ مقرر کی تھی جس کی قیمت آج کے حساب سے تین لاکھ روپے سے زائد ہوتی ہے۔

۲۲۸۔ یعنی قصاص میں کامل مساوات کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اگر قاتل آزاد ہے، یا غلام ہے یا عورت ہے تو اسی کو قتل کر دیا جائے گا اور جاہلیت کا وہ طریقہ اختیار نہیں کیا جائے گا جو عربوں میں رائج تھا کہ اگر مقتول معزز خاندان سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے ورثاء اپنے ایک آدمی کا بدلہ قاتل کے خاندان کے کئی آدمیوں سے لیتے یا اگر قاتل عورت ہوتی تو اس کے خاندان کے کسی مرد کو قتل کرنا چاہتے یا اگر قاتل غلام ہوتا تو آزاد کو قتل کرنے کے درپے ہوتے۔اسلام نے اس عدم مساوات کو ختم کر دیا۔یہود نے بھی شریف ورذیل اور اسرائیلی وغیر اسرائیلی کے درمیان امتیاز قائم کیا تھا جسے اسلام نے باطل قرار دیا ۔ اسلام نے مساوات کا یہ عالمگیر اصول پیش کیا کہ رنگ، نسل اور نسب کی بنیاد پر قصاص کے معاملہ میں امتیاز نہیں برتنا چاہیئے بلکہ مقتول کے بدلہ میں قاتل اور صرف قاتل کو موت کی سزا دی جانی چاہیئے۔ اگر مسلمان نے کسی غیر مسلم ذمّی کو قتل کیا ہے تو ان کے درمیان بھی امتیاز نہیں برتا جائیگا۔بلکہ غیر مسلم ذمی کے بدلہ اس مسلمان قاتل کو قتل کیا جائیگا چنانچہ عربی کی مستند تفسیر احکام القرآن میں علامہ جصاص لکھتے ہیں:

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ غلام کے بدلہ آزاد کو (جو قاتل ہے) اور ذمی (اسلامی ریاست کا غیر مسلم شہری) کے بدلہ مسلمان (قاتل) کو اور عورت کے بدلہ مرد (قاتل) کو قتل کیا جائے گا'' (ج ا ص ۱۵۶)

''جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں آیت کا ظاہری مفہوم ہی یہ ہے کہ ذمی کے بدلہ مسلمان (قاتل) کو قتل کرنا واجب ہے کیونکہ آیت مسلم اور ذمی کے درمیان فرق نہیں کرتی۔'' (ج ا ص ۱۶۳)

علامہ جصاص نے اپنی تفسیر میں عبدالرحمٰن بن سلمانی سے روایت نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذمی کے بدلہ مسلمان (قاتل) سے قصاص لیا۔اسی طرح حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہمارا خون ان کے خون کی طرح ہے اور ہماری دیت ان کی دیت کے برابر ہے۔ (ج ا ص ۱۶۴، ۱۶۵)

۲۲۹۔ بھائی سے مراد انسانی بھائی ہے۔یہ لطیف پیرایۂ بیان ہے جس میں نرمی برتنے کے لئے انسانیت کے جذبات سے اپیل کی گئی ہے۔

۲۳۰۔ یعنی اگر مقتول کے ورثاء قاتل کے ساتھ نرمی برتنے اور دیت وصول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو قاتل کا فرض ہے کہ وہ دیت (Bloodmony) کی ادائیگی معروف طریقہ پر کرے اور اس سلسلہ میں وسعتِ اخلاق کا ثبوت دے۔

۲۳۱۔ جو شخص ناحق کسی کو قتل کرتا ہے وہ گویا انسانیت کو قتل کرتا ہے اس لئے معاشرہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قصاص کے ذریعہ انسانی زندگی کے تحفظ کا سامان کرے۔اگر بے جا نرمی سے کام لے کر قصاص کے قانون کو معطل کیا گیا تو مجرموں کی حوصلہ افزائی ہوگی اور معاشرہ مامون ومحفوظ نہیں رہ سکے گا۔

موجودہ زمانے میں بھی یہ بحث چل پڑی ہے کہ قاتل کو سزائے موت دینا صحیح ہے یا نہیں؟ اور بعض ممالک نے اسے منسوخ بھی کر دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اگر یہ سزا موقوف کر دی جائے تو مجرموں کے حوصلے اور بڑھ جائیں گے اور جرائم میں اضافہ ہی ہوگا اس لئے جب تک مجرموں کو عبرتناک سزائیں نہیں دی جاتیں سماج میں امن وامان اور اصلاح وخیر کی صورت پیدا نہیں ہو سکتی۔اگر سماج کی صحت کو برقرار رکھنے کیلئے اسکے کسی فاسد عضو کا آپریشن کرنا پڑے تو اسے عین تقاضائے حکمت سمجھنا چاہیئے۔

۲۳۲۔ متن میں ''معروف'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنیٰ جانی پہچانی بات یا جانے پہچانے طریقہ کے ہیں یعنی ایسا طریقہ جو انصاف پر مبنی ہو، جسے عقلِ سلیم صحیح تسلیم کرے اور جس کا چلن سوسائٹی کے شرفاء میں ہو۔اسلام نے بہت سی قانونی جزئیات اور تفصیلات کو معروف پر چھوڑ دیا ہے۔لہٰذا معروف ایسے تمام معاملات میں معتبر ہے جن کے بارے میں شریعت نے کوئی مخصوص قاعدہ مقرر نہ کیا ہو۔

۲۳۳۔ وصیت(Will)اس صورت میں فرض کردی گئی ہے جب کہ آدمی کو اپنی موت قریب نظر آرہی ہو اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو۔وصیّت کا یہ حکم وراثت کے احکام نازل ہونے سے پہلے دیا گیا تھا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں میراث(inheritence)کے تفصیلی احکام بیان فرمادئے اور انہیں اپنی طرف سے وصیت سے تعبیر فرمایا جیسا کہ سورۂ نساء کی آیت ۱۱ میں ارشاد ہوا ہے **یو صیکم اللہ فی او لاد کم** (اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت کرتا ہے)اس لئے اللہ کی وصیت(احکام میراث)کے بعد وصیت کے اس حکم کا دائرہ جو زیرِ تفسیر آیت میں دیا گیا ہے محدود ہو گیا یعنی جنکے حصے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمادئے ہیں۔ان ورثاء کے حق میں وصیّت کا سوال باقی نہیں رہا چنانچہ حدیث میں آتا ہے اِنَّ اللہَ قَدْ اَعْطیٰ کُلَّ ذِیْ حقٍ حَقَّهٗ فَلاَ وَصِیَّةَ لِوَارِثٍ ''اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے لہٰذا وارث کے حق میں وصیّت جائز نہیں ہے۔'' (ابن کثیر ج اص ۲۱۱)

البتہ ان اقرباء کے حق میں جن کو ورثہ نہ مل سکتا ہو اور وہ حاجتمند بھی ہوں وصیّت کرنا ضروری ہے مثلاً یتیم پوتے کے حق میں وصیّت کرنا،اسی طرح اگر کسی کے والدین مسلمان نہ ہوں اور اس بنا پر وہ وارث نہ ہو سکتے ہوں تو ان کے لئے وصیّت کرنا۔

واضح رہے کہ اسلام میں وصیّت صرف ۳/۱ کی حد تک جائز ہے

۲۳۴۔ اس سے ماقبل کی آیت وصیّت میں تبدیلی کرنے کی سخت ممانعت کی گئی تھی ۔ اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ تبدیلی کی یہ ممانعت اس صورت میں نہیں ہے جب کہ موصی (Testator) کے بارے میں محسوس ہو کہ اس نے جانبداری سے کام لیا ہے یا وصیّت گناہ اور حق تلفی پر مشتمل ہے ایسی صورت میں اگر موقع ہو تو موصی کو سمجھایا جا سکتا ہے بصورتِ دیگر باہم مصالحت کرائی جا سکتی ہے۔

واضح رہے کہ اگر وصیّت کسی ایسی چیز کے لئے کی گئی ہو جو فی نفسہٖ گناہ کا کام ہے،مثلاً خلاف اسلام افکار کے پروپگنڈے کے لئے کی گئی ہو تو ایسی وصیت نافذ العمل نہ ہوگی۔علامہ قرطبی کہتے ہیں:اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کسی ایسی چیز کی وصیت کی گئی ہو جو ناجائز ہے مثلاً شراب،خنزیر یا کسی اور معصیت کی چیز کی تو اسکو تبدیل کرنا جائز ہے۔ (فتح القدیر۔شوکانی ج اص ۱۷۸)

اسلام کے اس اصول کی رعایت موجودہ محمڈن لا میں ایک حد تک موجود ہے ملاحظہ ہو۔

(Invalid- to benefit an object opposed to Islam as a religion) (Tayabji on Muslim Law p 759)

۲۳۵۔ صوم(روزہ)اصطلاح شرع میں طلوع فجر سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور مباشرت سے رک جانے کا نام ہے۔روزہ کوئی برت نہیں ہے جس میں پھل کھانے یا رس پینے کی اجازت ہو بلکہ روزہ ایسی عبادت ہے جس میں کھانے پینے سے مکمل اجتناب ضروری ہے۔یہاں تک کہ اگر پانی کا ایک گھونٹ بھی حلق میں اتار دیا جائے تو روزہ باقی نہیں رہتا۔مزید برآں اسلام میں روزہ اسی کا معتبر ہے جو مومن ہو اور صرف اللہ کی خاطر روزہ رکھے۔اگر کوئی شخص ایمان لائے بغیر روزہ رکھے تو وہ معتبر نہ ہوگا اسی طرح بھوک ہڑتال پر بھی روزہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔

روزہ کا یہ حکم ۲ھ میں نازل ہوا۔یہ ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ہے۔

۲۳۶۔ یعنی روزہ پچھلی امتوں پر بھی فرض کیا گیا تھا یہ ایک ایسی عبادت ہے جو آسمانی شریعتوں کا اہم جزء رہی ہے چنانچہ پچھلی کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔اگر چہ یہ کتابیں اور روزے کے احکام اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہیں حضرت موسیٰ جب کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے گئے تو انہوں نے چالیس دن کی پوری مدت روزہ میں گذار دی تھی تورات میں ہے۔

''سو وہ چالیس دن اور چالیس راتیں وہیں خداوند کے پاس رہا اور نہ روٹی کھائی اور نہ پانی پیا'' (خروج باب ۳۴ آیت ۲۸)

بقیہ:صفحہ ۷۵ پر

أَيَّامًا مَّعْدُودٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ
طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَأَنْ تَصُوْمُوْا
خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾

۱۸۴ گنتی کے چند دن ہیں ۲۳۸۔ اور جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو ۲۳۹ تو وہ دوسرے دنوں میں یہ تعداد پوری کرلے اور جن لوگوں کیلئے روزہ رکھنا دشوار ہو وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ میں دیدیں ۲۴۰۔ پھر جو کوئی اپنی خوشی سے مزید بھلائی کرے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے ۲۴۱ اور تمہارا روزہ رکھنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے ۲۴۲ اگر تم سمجھو۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ؕ
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ
وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٨٥﴾

۱۸۵ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل کیا گیا ۲۴۳ وہ انسانوں کیلئے ہدایت ہے ۲۴۴ اور ایسے دلائل پر مشتمل ہے جو راہ ہدایت کو واضح کرنے والے اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والے ہیں۔ لہٰذا تم میں سے جو کوئی اس مہینے کو پائے وہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو وہ دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرلے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا ۲۴۵۔ اور تا کہ تم (روزوں کی) تعداد پوری کرلو اور اس کی کبریائی بیان کرو ۲۴۶ اس بات پر کہ اس نے تمہیں ہدایت سے نوازا۔ اور تا کہ تم شکر گذار بنو۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ أُجِيْبُ دَعْوَةَ
الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ
يَرْشُدُوْنَ ﴿١٨٦﴾

۱۸۶ اور جب میرے بندے میرے بارے میں تم سے پوچھیں تو (انہیں بتادو کہ) میں ان سے قریب ہوں۔ ۲۴۷ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں ۲۴۸ لہٰذا انہیں چاہیئے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ راہ راست پائیں۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ
لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ
تَخْتَانُوْنَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ
بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى
يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪
ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ
عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٨٧﴾

۱۸۷ تمہارے لئے روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا جائز کردیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کیلئے لباس ہو ۲۴۹۔ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کررہے تھے تو اس نے تم پر عنایت کی اور تم سے درگزر فرمائی۔ اب تم اُن سے اختلاط کرو ۲۵۰ اور اللہ نے تمہارے لئے جو مقدر کر رکھا ہے اسے طلب کرو ۲۵۱ اور کھاؤ اور پیؤ یہاں تک کہ تم کو فجر کی سفید دھاری (رات کی) سیاہ دھاری سے نمایاں نظر آنے لگے۔ ۲۵۲ پھر رات تک روزہ پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو ۲۵۳ تو ان سے مباشرت نہ کرو۔ یہ اللہ کے (مقرر کردہ) حدود ہیں، ان کے پاس نہ پھٹکو ۲۵۴۔ اس طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کیلئے واضح کرتا ہے تا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔

۲۳۸۔ یعنی روزے کا بارتم پر زیادہ دنوں کے لئے نہیں ڈالا گیا ہے بلکہ سال بھر میں صرف گنتی کے چند دن مخصوص کر دئے گئے ہیں۔ بعد والی آیت میں رمضان کے روزوں کے فرض ہونے کی صراحت کی گئی ہے جس سے واضح ہوا کہ گنتی کے چند دن سے مراد رمضان کا مہینہ ہے۔

۲۳۹۔ سفر کے لئے مسافت کی کوئی تحدید قرآن وحدیث میں نہیں کی گئی ہے۔ اس لئے جس مسافت پر آدمی اپنے کو حالت سفر میں محسوس کرے روزہ چھوڑ سکتا ہے۔ بیماری اور سفر کی حالت میں روزہ رکھنا نہ رکھنا اختیاری (Optional) ہے البتہ اگر مرض کی شدت کا اندیشہ ہو تو روزہ نہیں رکھنا چاہیئے۔

۲۴۰۔ مراد بڑے بوڑھے، دائم المریض اور بیحد کمزور لوگ ہیں جن کے لئے روزہ رکھنا مشقت میں پڑنے کا باعث ہو اور آئندہ قضاء روزے رکھنے کی وہ توقع نہ کر سکتے ہوں۔ ایسے معذور لوگوں کے لئے یہ رخصت ہے کہ وہ ایک روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ کھانا مقدار اور نوعیت کے اعتبار سے وہ ہو جو آدمی ایک دن میں کھاتا ہے۔

۲۴۱۔ یعنی کوئی شخص ایک روزہ کے فدیہ میں ایک سے زائد مسکینوں کو کھلائے تو بہتر ہے۔

۲۴۲۔ یعنی جہاں تک ہو سکے روزہ رکھنا بہتر ہے فدیہ کی اجازت سے مجبوری ہی کی صورت میں فائدہ اٹھایا جائے۔

۲۴۳۔ مہینہ سے مراد قمری مہینہ ہے جو اسلام میں معتبر ہے۔ رمضان قمری سال (Lunar Year) کا نواں مہینہ ہے۔

۲۴۴۔ نزول قرآن کا آغاز رمضان میں ہوا پہلی وحی (First Verses) جو غارِ حرا میں آئی وہ ماہِ رمضان کی ایک شب میں نازل ہوئی تھی۔ قرآن سب سے بڑی نعمت ہے اس لئے کہ وہ دنیا والوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے۔ اس عظیم ترین نعمت کی شکر گذاری کا تقاضا یہ ہے کہ اس مہینہ کو روزوں کے لئے خاص کر دیا جائے تا کہ بندے اپنی خواہشات نفس سے آزاد ہو کر اپنے رب سے زیادہ سے زیادہ قریب ہو سکیں اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر سکیں کہ خدا اور اس کے حکم سے بڑھکر دنیا کی کوئی چیز ان کو عزیز نہیں ہے۔ رمضان کا مہینہ گویا تقویٰ کی نشوونما کے لئے موسم بہار کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۴۵۔ اسلام انسان کی فطرت سے ہم آہنگ ہونے اور اعتدال پر مبنی ہونے کی بنا پر نہایت آسان چیز ہے۔ اس میں تزکیۂ نفس اور فرد کی اصلاح و تربیت کا پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے لیکن ان ریاضتوں اور نفس کو مارنے کے ان طریقوں سے بالکل اجتناب کیا گیا ہے جن کو رہبانیت کے معتقدین جوگی اور صوفیا تجویز کرتے ہیں اور جو عام انسان کے بس میں نہیں ہوتے۔

۲۴۶۔ یعنی اللہ کی کبریائی (بڑائی) کا اعتراف کرلو۔ اس کا احساس روزہ کی حالت میں بھی ہونا چاہیئے اور روزہ ختم ہو جانے پر عید الفطر کے موقع پر بھی چنانچہ عید الفطر میں تکبیروں کا جو اہتمام کیا جاتا ہے وہ اس ہدایت کے عین مطابق ہے۔

۲۴۷۔ یعنی اگرچہ بندے اللہ کو دیکھ نہیں سکتے لیکن وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ ان سے دور ہے بلکہ وہ اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہے کہ بندہ جب چاہے اس کو پکار سکتا ہے اور وہ اس کی پکار کو سن لیتا ہے اور اس پر فیصلہ بھی صادر فرماتا ہے۔ اس تک اپنی بات پہنچانے کے لئے کسی واسطے، وسیلے اور سفارش کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر بندہ ہر وقت ہر جگہ براہ راست اس تک اپنی بات پہنچا سکتا ہے۔ لہٰذا حاجت روائی اور فریاد رسی کے لئے، کسی دیوی دیوتا یا بزرگ کو پکارنے اس کا واسطہ اور وسیلہ تلاش کرنے یا بتوں کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے براہ راست پکارنا چاہیئے اور اپنی تمام حاجتیں اسی کے حضور پیش کرنی چاہئیں۔

۲۴۸۔ جواب دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے۔ بندہ جب اپنے رب سے کوئی چیز مانگتا ہے اور اس طریقہ سے مانگتا ہے جس طریقہ سے مانگنا چاہیئے تو وہ چیز اس کو ضرور دی جاتی ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ چیز اسی وقت دی جائے اور اسی شکل میں دی جائے۔ اللہ اپنے بندوں کے مصالح کو بخوبی جانتا ہے اس لئے اگر اُسے مانگی ہوئی چیز فوراً نہیں ملتی تو بعد کیلئے یا آخرت کیلئے محفوظ کر دی جاتی ہے۔ اور ایک شکل میں نہیں تو دوسری شکل میں اسے مل جاتی ہے۔

روزہ کا بیان چل رہا تھا درمیان میں دعا کا ذکر ہوا جو اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ روزہ دار روزہ کی حالت میں اللہ سے قریب ہوتا ہے اور اس کی دعا قبولیت

اختیار کر جاتی ہے۔اسی لئے حدیث میں افطار کے وقت کی دعا کو دعائے مستجاب کہا گیا ہے۔

۲۴۹۔ یعنی میاں بیوی کے درمیان چولی دامن کا رشتہ ہے۔دونوں کے تعلق کے لئے لباس کا استعارہ نہایت بلیغ ہے۔ لباس جسم کی ستر پوشی کرتا ہے۔اسی طرح میاں بیوی ایک دوسرے کیلئے تسکین کا سامان کر کے جنسی جذبات کے لئے پردہ فراہم کرتے ہیں۔اور انہیں عریاں ہونے نہیں دیتے۔لباس انسان کے لئے زینت ہے، اسی طرح شوہر بیوی کے لئے زینت ہے اور بیوی شوہر کے لئے۔اگر دونوں کا باہم ارتباط نہ ہوتو انسان کی زندگی میں آرائش اور تہذیب وسلیقہ پیدا نہیں ہو سکے گا۔لباس موسم کی سختیوں سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے۔اسی طرح شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے اخلاق کو شیطان کے حملوں سے بچاتے ہیں۔

ان مصالح کے پیش نظر ازدواجی تعلق اسلام میں پسندیدہ اور مطلوب ہے اس کے برخلاف تجرد کی زندگی گذارنا اور برہمچاری بننا ناپسندیدہ اور ممنوع ہے۔

۲۵۰۔ روزے کے ابتدائی احکام میں یہ وضاحت نہیں تھی کہ روزہ کی راتوں میں بیویوں سے مباشرت کی اجازت ہے یا نہیں۔چونکہ اہل کتاب کے ہاں شب باشی پر پابندی تھی اس لئے یہ معاملہ مسلمانوں کے نزدیک مشتبہ تھا اور بعض لوگ اس کو مشتبہ سمجھتے ہوئے شب باشی کرتے تھے، جو اپنے نفس کے ساتھ ایک قسم کی خیانت تھی۔کیونکہ شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ مشتبہ چیزوں کے معاملہ میں احتیاط برتی جائے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے درگزر فرمایا اور واضح طور پر اجازت دیدی کہ روزہ کی راتوں میں اپنی بیویوں سے مباشرت کر سکتے ہو۔

۲۵۱۔ یعنی اولاد کے طالب بنو جواز دواجی زندگی کا اہم ترین مقصد ہے۔اس سے قرآن کا منشاء بخوبی واضح ہوتا ہے کہ اولاد مطلوب اور پسندیدہ چیز ہے اور منشائے الٰہی یہ ہے کہ نسل انسانی بڑھے۔لہٰذا جو لوگ نسل انسانی کو گھٹانے کے لئے ضبط ولادت کی تحریک چلاتے ہیں انکی یہ تحریک منشائے الٰہی کے خلاف ہے۔عورت کی خرابیٔ صحت جیسی مجبوریوں کی بنا پر افراد کے لئے بعض مانع حمل طریقے اختیار کرنے کی یقیناً گنجائش ہے لیکن نسبندی جیسے طریقے اختیار کرنے کی ترغیب دینا یا بچوں کی تعداد کو محدود کرنے کے درپے ہونا اور اس کے لئے ابھی نہیں اور کبھی نہیں، جیسے نعرے تجویز کرنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جو نہ فطرت کی رہنمائی کو قبول کرتے ہیں اور نہ آسمانی ہدایت کو، بلکہ اپنی ''سائیٹفیک گمراہی'' پر مطمئن ہوتے ہیں۔

۲۵۲۔ اہل کتاب کے ہاں روزہ کی رات کو سو کر اٹھنے کے بعد کھانے پینے کی اجازت نہیں تھی لیکن اسلام نے نہ صرف اس کی اجازت دی بلکہ سحری کرنے کی تاکید کی۔

۲۵۳۔ اعتکاف کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنے کو تمام کاموں سے فارغ کر کے ذکر الٰہی اور عبادت کے لئے یکسو ہو جائے۔اعتکاف کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ رمضان کے آخری دس روز مسجد میں گذارے۔اس دوران زن وشوئی کا تعلق قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

۲۵۴۔ یعنی جہاں سے گناہ، نافرمانی اور قانون شکنی کی حد شروع ہوتی ہے۔اس کے قریب جانا بھی آدمی کے لئے خطرناک ہے کہ کہیں قدم اس دائرہ میں نہ چلا جائے اس لئے سلامتی اسی میں ہے کہ آدمی گناہ کی سرحد سے دور ہی رہے۔

بقیہ:صفحہ ۷۱ سے آگے

روزہ کی حقیقت یسعیاہ نبی کی کتاب میں اس طرح بیان ہوئی ہے۔

''دیکھو تم اس مقصد سے روزہ رکھتے ہو کہ جھگڑا رگڑا کرو اور شرارت کے مکے مارو پس تم اس طرح کا روزہ نہیں رکھتے ہو کہ تمہاری آواز عالم بالا پر سنی جائے۔ کیا یہ روزہ ہے جو مجھ کو پسند ہے۔'' (یسعیاہ ۵۸:۴،۵)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے روزہ میں خلوص وللّٰہیت پیدا کرنے پر زور دیا۔

''اور جب تم روزہ رکھو تو ریاکاروں کی طرح اپنی صورت اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہیں تاکہ لوگ ان کو روزہ دار جانیں میں تم سب سے کہتا ہوں کہ وہ اپنا اجر پا چکے۔'' (متی ۶:۱۶)

۲۳۷۔ یہ ہے روزے کا اصل مقصد، شریعت کی بنیاد تقویٰ یعنی خداخوفی اور پرہیز گاری ہے اور تقویٰ جذبات وخواہشات پر قابو پانے سے پیدا ہوتا ہے اور جذبات وخواہشات پر قابو پانے کی تربیت روزہ کے ذریعہ ہوتی ہے۔

انسان صرف مادی وجود نہیں رکھتا بلکہ روحانی وجود بھی رکھتا ہے اور اس کی روحانی توانائی وارتقاء کے لئے روزہ بہترین تدبیر ہے۔ روزہ سے انسان پر خواہشات وشہوات کا غلبہ کمزور ہوجاتا ہے۔ اس میں ضبطِ نفس کی صفت پیدا ہوتی ہے اور ان کی قوتِ ارادی مضبوط ہوجاتی ہے۔ انسان کی اصل طاقت اس کا دل اور نفس ہے روزہ نفس کا تزکیہ کرتا ہے اور انسان کو خدا کا فرمانبردار بنا کر، جہادِ زندگانی کے لئے تیار کرتا ہے۔ اسلام میں روزہ محض بھوکے پیاسے رہنے کا نام نہیں بلکہ حدود الٰہی کی پاسداری اور اطاعت وفرماں برداری کا احساس پیدا کرنے کا سامان ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ
إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ
بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

١٨٨ اور تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے نہ کھاؤ٢٥٥؎ اور نہ اس کو حکام کے آگے اس غرض سے پیش کرو٢٥٦؎ کہ جانتے بوجھتے ٢٥٧؎ دوسروں کے مال کا کوئی حصّہ حق تلفی کر کے کھانے کا تمہیں موقع ملے۔

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ
وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ
ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ
مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾

١٨٩ وہ تم سے ہلال کے بارے میں پوچھتے ہیں۔٢٥٨؎ کہو یہ لوگوں کیلئے تاریخوں کی تعین اور (خاص طور سے) حج کی تاریخوں کی تعین کا ذریعہ ہے۔اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ گھروں میں پیچھے کی طرف سے داخل ہو بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی تقویٰ اختیار کرے، ٢٥٩؎ گھروں میں تم ان کے دروازوں سے داخل ہوا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ
يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ
الْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾

١٩٠ اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں ٢٦٠؎ مگر زیادتی نہ کرو۔٢٦١؎ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ
أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ
قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَآءُ الْكَافِرِينَ ﴿١٩١﴾

١٩١ اور ان کو جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو ٢٦٢؎ اور ان کو وہاں سے نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے کہ فتنہ قتل سے بھی بڑھکر ہے۔ ٢٦٣؎ اور مسجدِ حرام کے پاس ان سے نہ لڑو ٢٦٤؎ جب تک کہ وہ تم سے وہاں نہ لڑیں، ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔

فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٢﴾

١٩٢ پھر اگر وہ باز آجائیں ٢٦٥؎ تو اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ
لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٩٣﴾

١٩٣ اور ان سے لڑو ٢٦٦؎ یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے ٢٦٧؎ اور اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی کے خلاف اقدام روا نہیں۔ ٢٦٨؎

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ
اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ
وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿١٩٤﴾

١٩٤ ماہ حرام (میں جنگ کی حرمت) اسی صورت میں ہے ٢٦٩؎ جبکہ وہ بھی ماہ حرام (کی حرمت) کو ملحوظ رکھیں ٢٧٠؎ اور حرمتوں کے معاملہ میں برابری کا لحاظ کیا جائیگا ٢٧١؎ لہٰذا جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس کی زیادتی کا جواب اسی کے برابر دو۔ اور اللہ سے ڈرو اور یہ جان لو کہ اللہ ان ہی لوگوں کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ
وَأَحْسِنُوٓا ۛ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾

١٩٥ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو ٢٧٢؎ اور اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ ٢٧٣؎ اور (انفاق کا) یہ کام حسن و خوبی کے ساتھ کرو کہ اللہ حسن و خوبی کے ساتھ کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

۲۵۵۔ روزہ کے احکام کے متصلاً بعد ناروا طریقہ سے مال نہ کھانے کی ہدایت روزہ کی روح کو بے نقاب کر رہی ہے، روزہ جائز و ناجائز میں تمیز کرنا اور حدود الٰہی کی پاسداری کرنا سکھاتا ہے۔لہٰذا لوگوں کا مال ناروا طریقہ سے کھانا، کسی ایسے شخص کا کام نہیں ہوسکتا جس نے روزہ کا یہ اثر قبول کیا ہو۔اکل حلال سے روزہ تو مخصوص دنوں کے لئے ہے، لیکن اکل حرام کا روزہ زندگی بھر کے لئے ہے۔

۲۵۶۔ یعنی دوسروں کا مال ہڑپ کرنے یا دوسروں کی چیزوں پر ناجائز قبضہ کرنے کے لئے رشوت کو ذریعہ نہ بناؤ۔رشوت لوگوں کے حقوق کو پامال کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اس کی چاٹ جب قانون کے محافظوں کو لگ جاتی ہے تو پھر حقوق کی ضمانت باقی نہیں رہتی اسے پیسوں کے بل پر کوئی بھی خرید سکتا ہے۔ چنانچہ جس سماج میں رشوت عام ہوجاتی ہے، حکام بددیانت بن جاتے ہیں اور لوگوں کو ان کے واجبی حقوق بھی بغیر رشوت دئے نہیں ملتے۔اس لئے اسلام نے رشوت دینا بھی حرام قرار دیا ہے اور لینا بھی اور رشوت ستانی کے انسداد کے لئے حکام کو ہدیہ دینے اور ان کے لئے اس کو قبول کرنے کی بھی ممانعت کردی ہے۔

۲۵۷۔ یعنی تم اچھی طرح جانتے ہو کہ رشوت ایک برائی، ایک حق تلفی اور ایک گناہ کا کام ہے۔عقل بھی اسے گناہ تسلیم کرتی ہے اور دین و شریعت بھی اسے گناہ قرار دیتے ہیں اس لئے اس کا گناہ ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ایسی کھلی برائی سے تمہیں لازماً بچنا چاہیئے۔

۲۵۸۔ یہ سوال چاند کے ہر ماہ ہلال کی شکل میں آسمان پر نمودار ہونے سے متعلق تھا، لیکن اس کی نوعیت سائنسی یا فلکیاتی سوال کی نہیں تھی ہلال کے سلسلہ میں پھیلے ہوئے توہمات (Superstitions) کے پیش نظر اس کی مصلحت جاننا مقصود تھا۔اس لئے جواب میں دینی اور دنیوی دونوں طرح کی مصلحتیں واضح کردی گئیں۔دنیوی مصلحت یہ ہے کہ یہ تاریخ تعین کا ذریعہ ہے۔آسمان پر ہلال (New Moon) کا نمودار ہونا اس بات کی واضح علامت ہے کہ نئے ماہ کا آغاز ہوگیا ہے چنانچہ قمری سال (Lunar Year) کی بنیاد اس قدرتی کیلنڈر (Natural Calender) پر ہے۔اور دینی مصلحت یہ ہے کہ حج کی تاریخوں کی تعیُّن قمری ماہ ہی پر منحصر ہے۔اسی طرح دوسرے تمام دینی امور میں، اعتبار قمری ماہ ہی کا ہوتا ہے۔

۲۵۹۔ حج چونکہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے چلا آرہا ہے اس لئے لوگ زمانۂ جاہلیت میں بھی حج کرتے تھے۔لیکن حج کی اصل روح غائب ہوگئی تھی اور اس کو رسوم و بدعات کا مجموعہ بنا کر رکھ دیا گیا تھا۔اس سلسلہ کی ایک بدعت یہ تھی کہ حج کا احرام باندھ لینے کے بعد اگر کسی کو اپنے گھر میں داخل ہونے کی ضرورت پیش آتی یا جب وہ حج کرکے گھر واپس آجاتا تو مکان کے پچھواڑے سے دیوار پھاند کر گھر میں داخل ہوجاتا۔یہ ان کا محض وہمی پن تھا اس لئے قرآن نے اس وہم اور بدعت کو ختم کرنے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہوا کرو۔نیز واضح کیا کہ نیکی اوہام و رسوم کے ذریعہ حاصل نہیں کی جاسکتی بلکہ نیکی سچی خداخوفی اور حدود الٰہی کی پاسداری سے حاصل ہوتی ہے جس کا نام تقویٰ ہے۔

۲۶۰۔ اس آیت میں اہل ایمان کو اپنے دفاع کے لئے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی ہے اس کے پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے۔مشرکین مکہ آزادئ عقیدہ، آزادئ ضمیر اور آزادئ تبلیغ کے قائل نہ تھے۔وہاں قبائلی سسٹم رائج تھا اور قبیلہ کے کسی فرد کو اپنے قبیلہ کے مذہب کو جو شرک اور بت پرستی کا مذہب تھا ترک کرنے اور اسلام میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔جو لوگ اس بندش کو توڑ کر اسلام میں داخل ہو رہے تھے ان کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جارہا تھا اور ان سے یہ مطالبہ کیا جارہا تھا کہ وہ اس مشرکانہ مذہب میں لوٹ آئیں جو سماج کا مذہب ہے یہاں تک کہ ان کو اپنا گھر بار چھوڑ دینے اور اپنے وطن عزیز مکہ سے نکلنے کے لئے مجبور کردیا گیا اور جب انہوں نے ہجرت کرکے مدینہ میں پناہ لی تو ان کے خلاف جارحانہ کاروائیاں شروع کردی گئیں۔اس صورتحال کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اجازت دی کہ وہ اپنے دشمنوں کی تلوار کا جواب تلوار سے دیں۔قتال کا یہ پہلا حکم ہے جو اہل ایمان کو انکے مدینہ میں منظم ہوجانے کے بعد دیا گیا۔اس کے بعد ہی رمضان ۲ھ میں جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا۔

۲۶۱۔ جنگ کے موقع پر بھی حدود میں رہنے اور زیادتی نہ کرنے کی ہدایت ہے چنانچہ حدیث میں عورتوں، بچوں اور بوڑھے لوگوں کو جو جنگ میں حصہ نہیں لیتے قتل کرنے کی ممانعت کردی گئی ہے۔اسی طرح لاشوں کا مُثلہ کرنے اور جنگ میں وحشیانہ طریقے اختیار کرنے سے بھی منع کردیا گیا ہے۔

۲۶۲ ۔ یہاں ان لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو مسلمانوں سے برسر جنگ تھے، جیسا کہ اوپر کی آیت سے واضح ہے۔اس کا یہ مطلب لینا صحیح نہیں کہ مسلمان جہاں کہیں کسی کافر کو پائیں قتل کردیں۔خواہ وہ دنیا کے کسی خطہ میں ہو اور خواہ حالت امن میں ہو یا حالتِ جنگ۔

۲۶۳ ۔ یہاں فتنہ سے مراد جبر و ظلم کے ذریعہ لوگوں کو دین حق سے پھیرنے کی کوشش کرنا اور راہ حق میں مزاحم بننا ہے۔ یہ قتال کے جواز کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ قتال ایک سنگین بات ہے اور پھر حدود حرم میں، اور محترم مہینوں میں تو اس کی سنگینی میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ سنگین بات یہ ہے کہ اللہ کے بندوں پر اس وجہ سے ظلم ڈھایا جائے کہ انہوں نے شرک اور بت پرستی کو چھوڑ کر دین توحید کو قبول کیا ہے اور وہ اللہ کی ہدایت کی طرف دعوت دے کر سوسائٹی کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔آیت کا منشا یہ ہے کہ جب کوئی انسانی گروہ فسطائیت پر اتر آئے اور لوگوں کو قبول حق سے روکنے لگے اور دعوت الی اللہ کی راہ میں مزاحم بن جائے تو ایسے گروہ کے خلاف طاقت کا استعمال بالکل جائز ہے۔

۲۶۴ ۔ مسجد حرام کے پاس کا علاقہ ''حرم'' کہلاتا ہے جس کے احترام کے سلسلہ میں خصوصی احکام ہیں۔اس کے حرم ہونے کی یہ حیثیت حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے چلی آرہی ہے۔زمانہ جاہلیت میں بھی اس علاقہ کو قابل احترام سمجھا جاتا رہا اور اس میں جنگ کرنا ممنوع تھا اس لئے یہ سوال پیدا ہوگیا کہ اگر مشرکین مکہ حدود حرم میں جنگ چھیڑ دیں تو کیا کیا جائے؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مسلمان حدود حرم میں از خود جنگ نہ چھیڑیں البتہ اگر کفار جنگ چھیڑ دیں تو پھر تم بھی انہیں منہ توڑ جواب دو کہ ایسی صورت میں وہ کسی رعایت کے مستحق نہیں ہیں۔

۲۶۵ ۔ یہاں باز آنے سے مراد نہ صرف معاندانہ سرگرمیوں سے باز آنا ہے بلکہ کفر و شرک سے بھی باز آنا ہے۔

۲۶۶ ۔ یہاں اس نزاع کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے جو مسلمانوں اور کفار مکہ کے درمیان برپا تھی۔قرآن کا دعویٰ یہ تھا کہ خانۂ کعبہ جس کی تعمیر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے مرکز توحید کی حیثیت سے کی تھی اس کی تولیت کے اصل حقدار اہل ایمان ہیں نہ کہ مشرکین جنہوں نے اس میں بت بٹھا رکھے ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جس رسول کو مبعوث کرنے کا وعدہ فرمایا تھا اس کی تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے ہوگئی ہے اس نبی کے ذریعہ اس گھر کے اصل مقصد کی تجدید ہونا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس گھر کو کفار و مشرکین کے تسلط سے آزاد اور کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک کرکے امت مسلمہ کے قبضہ میں دیدیا جائے کہ وہ اسلام کا مرکز اور اہل ایمان کا قبلہ ہے۔یہ درحقیقت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل نصب العین تھا اور اس نصب العین کے حصول کی راہ میں اگر کوئی طاقت مزاحم بنتی ہے تو اس کو ہٹانے کے لئے طاقت کا استعمال بالکل ناگزیر تھا۔

۲۶۷ ۔ یعنی یہ جنگ اس وقت تک جاری رہنی چاہئے جب تک کہ سرزمین حرم سے فتنہ کی حالت ختم نہیں ہوجاتی اور دین حق کا غلبہ نہیں ہوتا۔چونکہ بیت اللہ کی حیثیت مرکز توحید کی ہے اس لئے اس سرزمین میں کسی اور دین کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۲۶۸ ۔ یعنی اگر یہ باز آکر اسلام قبول کرتے ہیں تو پھر ان کے پچھلے جرائم کی بنیاد پر ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائیگی بلکہ صرف ان کے خلاف اقدام کیا جائیگا جو اپنی ظالمانہ روش پر قائم رہیں گے۔

۲۶۹ ۔ ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرّم اور رجب کے مہینے ماہ حرام کہلاتے ہیں۔ان میں سے اوّل الذکر تین مہینے حج کیلئے خاص سمجھے جاتے تھے اور آخر الذکر مہینہ عمرہ کیلئے، ان چار مہینوں میں جنگ ممنوع تھی تا کہ زائرین حرم، امن و امان کیساتھ بیت اللہ کا سفر کرسکیں اور گھر کو واپس ہوسکیں۔ یہ قاعدہ حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے چلا آرہا تھا اور اہل عرب کے نزدیک مسلم تھا۔

۲۷۰ ۔ یعنی جب کفار حرام مہینوں کی حرمت کا لحاظ نہیں کرتے اور ان کی تلواریں ان مہینوں میں بھی بے نیام ہوجاتی ہیں تو تمہیں بھی یہ حق ہے کہ ان کو امن واحترام کے حق سے محروم کردو۔

بقیہ: صفحہ ۹۰ پر

عرفات

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ
مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۚ
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهٖٓ أَذًى مِّنْ رَّأْسِهٖ فَفِدْيَةٌ
مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَآ أَمِنْتُمْ ۟ فَمَنْ تَمَتَّعَ
بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ
فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ
كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (١٩٦)

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ
وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ
يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ
وَاتَّقُونِ يٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ (١٩٧)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ
فَإِذَآ أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ
الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَإِنْ
كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّينَ (١٩٨)
ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا
اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (١٩٩)
فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
كَذِكْرِكُمْ آبَآءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ
مَنْ يَّقُولُ رَبَّنَآ آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا
لَهٗ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (٢٠٠)
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ رَبَّنَآ آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً
وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (٢٠١)

۱۹۶ حج اور عمرہ [۲۷۴] کو اللہ کیلئے پورا کرو۔[۲۷۵] اور اگر تم گھِر جاؤ تو جو ھدٰی (قربانی کا جانور) میسّر آئے اسے پیش کردو۔[۲۷۶] اور اپنا سر نہ منڈاؤ جب تک کہ ہدٰی (قربانی کا جانور) اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے، [۲۷۷] البتہ جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اسکے سر میں کسی قسم کی تکلیف ہو تو وہ روزے، صدقہ یا قربانی کی شکل میں فدیہ دے [۲۷۸]۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو، تو جو کوئی حج تک عمرہ سے فائدہ اٹھائے، وہ جو قربانی میسّر ہو پیش کرے [۲۷۹]۔ اور جس کو قربانی میسّر نہ آئے وہ تین دن کے روزے حج (کے زمانہ) میں رکھے اور سات دن کے روزے واپسی پر۔ یہ پورے دس دن (کے روزے) ہوئے۔[۲۸۰] یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جس کے اہل وعیال مسجدِ حرام کے پاس نہ رہتے ہوں۔[۲۸۱] اور اللہ سے ڈرتے رہو [۲۸۲] اور جان لو کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

۱۹۷ حج کے چند متعین مہینے ہیں [۲۸۳]۔ جو شخص ان میں حج کا عزم کرلے اسے چاہئے کہ دورانِ حج نہ شہوت کی کوئی بات کرے نہ فسق و فجور کی اور نہ لڑائی جھگڑے کی [۲۸۴]۔ اور جو نیک کام تم کروگے اللہ اس کو جان لے گا اور زادِ راہ ساتھ لے لو کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے [۲۸۵] اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرو۔

۱۹۸ اس امر میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو[۲۸۶]۔ پھر جب عرفات سے لوٹو[۲۸۷] تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو[۲۸۸] اور اس طرح ذکر کرو جس طرح کہ اس نے تم کو ہدایت کی ہے۔[۲۸۹] اور یہ حقیقت ہے کہ اس سے پہلے تم لوگ بھٹکے ہوئے تھے۔

۱۹۹ اور تم بھی اسی مقام سے پلٹو جس مقام سے سب لوگ پلٹتے ہیں۔[۲۹۰] اور اللہ سے معافی طلب کرو۔ بے شک اللہ معاف کرنیوالا رحم فرمانیوالا ہے۔

۲۰۰ پھر جب تم حج کے مناسک ادا کرچکو تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بھی بڑھکر [۲۹۱]۔ لوگوں میں ایسے بھی ہیں جن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دیدے [۲۹۲] ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

۲۰۱ اور کچھ ایسے ہیں جن کی دعا یہ ہوتی ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطاء فرما اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے [۲۹۳]۔

۲۷۴۔ "عـمـرہ" بیت اللہ کی مخصوص مراسم کے ساتھ زیارت کرنے کو کہتے ہیں۔ حالتِ احرام میں بیت اللہ کا طواف کرنا صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا اور اخیر میں بال منڈانا یا کتروانا عمرہ کے اہم مناسک ہیں۔ عمرہ کسی وقت بھی کیا جاسکتا ہے جبکہ حج کے لئے تاریخیں متعین ہیں۔ مزید برآں حج میں مکہ سے عرفات بھی جانا پڑتا ہے جبکہ عمرہ مکہ ہی میں ادا کیا جاتا ہے۔

۲۷۵۔ حج اور عمرہ زمانۂ جاہلیت میں بھی کیا جاتا تھا لیکن وہ خالصۃً اللہ کے لئے نہیں ہوتا تھا بلکہ اس میں وہ اپنے معبودانِ باطل کو بھی شریک کرتے تھے جن کے بت انہوں نے خانۂ کعبہ اور صفا وغیرہ پر نصب کر رکھے تھے وہ ان کی پوجا کرتے، ان کے آگے نذر و نیاز پیش کرتے اور ان کے لئے جانور کی قربانی کرتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ہدایت فرمائی کہ جب تم حج اور عمرہ کرو تو خالصۃً اللہ کے لئے کرو اور ہر قسم کے شرک و بدعت سے اُسے پاک رکھو۔

اس ہدایت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ حج کو محض تجارت کا ذریعہ بنا کر نہ رکھا جائے جس طرح زمانۂ جاہلیت میں اس کو محض تجارتی میلہ کی حیثیت دیدی گئی تھی نیز اس بات کا خیال رکھا جائے کہ حج و عمرہ کی ادائیگی میں ریاء اور نمائش کا شائبہ نہ آنے پائے اور یہ دونوں چیزیں عبادت سمجھ کر اور رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر ادا کی جائیں۔

۲۷۶۔ یعنی اگر تم حج یا عمرہ کے لئے نکلو اور راستہ میں دشمن تمہیں گھیر لے تو اونٹ، گائے، بکری میں سے جو جانور بھی میسّر ہو اس کی قربانی کرو۔

۶ھ میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے عمرہ کا ارادہ کیا تو مشرکین مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر جہاں سے حدودِ حرم شروع ہوتے ہیں آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو روک دیا۔ آپؐ نے وہیں قربانی کر کے احرام کھول دیا۔

۲۷۷۔ حالتِ احرام میں قربانی سے پہلے بال مونڈنا یا کتروانا منع ہے اور قربانی کے بعد بال مونڈنا یا کتروانا ضروری ہے۔

قربانی کے ٹھکانے پہنچ جانے کا مطلب قربانی کا ٹھکانے لگ جانا ہے۔ یعنی قربانی سے فارغ ہو جانے کے بعد حجامت کروائے۔

قربانی کا ٹھکانے لگ جانا یہ ہے کہ گھر جانے کی صورت میں آدمی جہاں گھر جائے وہیں قربانی کرے اور عام حالات میں خانۂ کعبہ کے پاس (منیٰ میں) قربانی کرے۔

۲۷۸۔ یعنی اگر کسی شخص کو بیماری یا تکلیف کی وجہ سے مجبوراً اپنا سر قربانی سے پہلے منڈانا پڑے تو وہ کفارہ دے کفارہ کی تشریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ یا تو تین دن کے روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلائے یا کم از کم ایک بکری کی قربانی کرے۔

۲۷۹۔ یہ رخصت ان لوگوں کے لئے ہے جو حدودِ حرم سے باہر رہتے ہوں اور ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ ادا کرنا چاہیں اسے "تَمَتُّع" کہتے ہیں جس کی صورت یہ ہے کہ آدمی پہلے عمرہ کر کے احرام کھول دے پھر حج کی تاریخوں میں احرام باندھ کر حج ادا کرے۔ تمتع کی صورت میں قربانی ضروری ہے لیکن اگر قربانی میسر نہ آئے تو دس دن کے روزے رکھے۔ تین دن کے روزے ایامِ حج میں اور سات دن کے روزے حج سے لوٹنے کے بعد۔

۲۸۰۔ یعنی قربانی کے قائم مقام صرف تین روزے نہ ہوں گے۔ دس کو کامل کہنے سے ضمناً یہ بات بھی نکلتی ہے کہ دس کا عدد گنتی کے اعتبار سے کامل ہے چنانچہ حسابات میں دس کی خصوصیت بالکل ظاہر ہے اور اعشاری سسٹم (Decimal System) کی بنیاد بھی دس یا دسویں حصہ ہی پر ہے۔

۲۸۱۔ یعنی حدودِ حرم میں رہنے والوں کے لئے "تمتع" کی رخصت نہیں ہے وہ حج کے مہینوں میں صرف حج کر سکتے ہیں جس کو "اِفراد" کہا جاتا ہے۔

۲۸۲۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ان احکام سے اصل مقصود تقویٰ ہے۔ اگر تم نے تقویٰ کا اہتمام نہیں کیا اور محض رسماً حج کر لیا تو ایسا حج روح سے خالی ہوگا۔

۲۸۳۔ حج کے مہینے شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ ہیں یعنی قمری سال کا دسواں، گیارہواں اور بارہواں مہینہ۔ ۹ر ذی الحجہ کو عرفات کے میدان میں جمع ہونا ضروری ہے جسے "وقوفِ عرفات" کہتے ہیں اور یہ حج کا اہم ترین رکن ہے۔ حج کا احرام حج کے مہینوں ہی میں باندھا جاسکتا ہے۔

۲۸۴۔ جب آدمی حج کا احرام باندھتا ہے تو اُس پر مخصوص پابندیاں عائد ہوجاتی ہیں مثلاً شہوانی اقوال وافعال سے پرہیز چنانچہ نہ صرف بیوی سے مباشرت ممنوع ہے بلکہ رغبت شہوانی کی کوئی بات بھی نیز فحش کلامی کی بھی سخت ممانعت ہے۔فسق وفجور کی تمام باتیں بجائے خود ناجائز ہیں لیکن احرام کی حالت میں ان کا گناہ بہت سخت ہے،اسی طرح لڑائی جھگڑا ایک بُری بات ہے لیکن حالت احرام میں اس کی برائی شدید ہے۔

ان چیزوں کی ممانعت بیان کر کے یہ احساس دلانا مقصود ہے کہ حج کوئی میلہ نہیں ہے کہ لوگ تفریح یا کاروبار کے لئے جمع ہوجائیں اور نہ وہ کوئی ''مذہبی یاترا'' ہے کہ بے جان مراسم کے ادا کرنے سے آدمی کے پاپ دُھل جاتے ہوں بلکہ یہ اللہ کے حضور حاضری ہے چنانچہ حالت احرام میں جو بار بار لبیک کہی جاتی ہے اس کے معنی یہی ہیں کہ ''اے اللہ میں تیری خدمت میں حاضر ہوں۔'' لہٰذا اس حاضری کے لئے گناہوں سے بچنے کا غیر معمولی اہتمام اور ایک مخصوص حالت میں ہونے کا احساس ضروری ہے تاکہ اس حاضری کا گہرا نقش قلب وذہن پر مرتب ہوسکے اور جب آدمی اللہ کے دربار سے لوٹے،تو وہ تزکیہ کی نعمت سے فیضیاب ہوکر اور اپنے ساتھ روحانی دولت لے کر لوٹے۔

۲۸۵۔ زمانۂ جاہلیت میں حج کے لئے زادِراہ ساتھ لینا کمال دینداری کے خلاف سمجھا جاتا تھا اس آیت میں ان کے اس خیال کی تردید کی گئی اور بتلایا گیا کہ فقیری کی نمائش کرنا کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔خوبی کی بات یہ ہے کہ آدمی سوال کرنے سے بچے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کی روش اختیار کرے۔''بہترین زادراہ تقویٰ ہے'' کا اشارہ اس طرف بھی ہے کہ سفرِ آخرت کے لئے تقویٰ بہترین توشہ ہے۔

۲۸۶۔ بندہ جب خدا کے حدود کے اندر رہتے ہوئے معاشی جدوجہد کرتا ہے تو دراصل وہ اپنے رب کا فضل تلاش کرتا ہے اس لئے سفرحج کے دوران تجارتی فائدہ اٹھانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔اگر آدمی تقویٰ کا اہتمام کرتا ہے جس کی ہدایت اوپر گذرچکی اور جو حج کا اصل مقصد ہے تو ضمناً معاشی فائدہ اٹھالینے سے اس عبادت میں کوئی خرابی واقع نہ ہوگی۔

۲۸۷۔ عرفات ایک میدان کا نام ہے جو مکہ سے مشرق کی جانب تقریباً بارہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور طائف کے راستہ پر پڑتا ہے۔اس میدان میں ۹/ذی الحجہ کو وقوف کرنا حج کا اہم ترین رکن ہے۔اس میں ایک پہاڑی ہے جسے جبل الرحمۃ کہتے ہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دامن میں دعا مانگی تھی۔ (عرفات کی تصویر برصفحہ ۸۳)

۲۸۸۔ یعنی مزدلفہ میں جو عرفات اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔عرفات سے جب لوٹتے ہیں تو رات مزدلفہ میں قیام کیا جاتا ہے۔

۲۸۹۔ چنانچہ مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ملاکر پڑھی جاتی ہیں اور فجر طلوع ہونے پر نماز فجر ادا کی جاتی ہے۔اللہ کو یاد کرنے میں یہ نمازیں بھی شامل ہیں اور لبیک اور تسبیح وغیرہ بھی۔

۲۹۰۔ قریش اپنے کو بیت اللہ کا مجاور سمجھتے تھے اس بنا پر انہوں نے اپنے لئے یہ امتیاز قائم کیا تھا کہ حج کے موقع پر عرفات کی حاضری ان کے لئے ضروری نہیں ہے چنانچہ وہ مزدلفہ تک جا کر وہیں سے واپس ہوتے تھے۔قرآن نے اس امتیاز کو ختم کر کے سب کو ایک سطح پر رکھا اور حکم دیا کہ جس طرح دوسرے تمام لوگ عرفات جاتے ہیں اسی طرح قریش کے لوگو!تم بھی عرفات جاؤ اور وہاں سے لوٹو۔

واضح رہے کہ حج کے یہ مناسک جن میں عرفات کی حاضری بھی شامل ہے،حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے رائج تھے لیکن اہل جاہلیت نے ان میں کسی قدر ردوبدل کر دیا تھا۔قرآن نے انکو پھر اصل سنت ابراہیمی پر قائم کر دیا اور ہر قسم کے باطل امتیازات ختم کر دئے۔

۲۹۱۔ زمانۂ جاہلیت میں قیام منیٰ کے دوران شعروشاعری کی مجلسیں منعقد ہوتیں،اور شعراء اور خطباء اپنے قبیلوں اور آباء واجداد کے کارنامے فخر کے ساتھ بیان کرتے۔قرآن نے ان فضولیات کو ترک کرنے اور ذکر الٰہی کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرنے کی ہدایت کی۔

۲۹۲۔ اشارہ ہے ان لوگوں کی طرف جن پر دنیا پرستی کا غلبہ ہوتا ہے۔اگر انہیں حج کا موقع نصیب ہوتا ہے تو وہاں بھی صرف دنیوی مال ومتاع ہی کے حصول

کے لئے دعا کرتے ہیں اور آخرت کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں انہیں نجات اخروی کی کوئی فکر نہیں ہوتی ۔ یہ ذہنیت حج جیسی عظیم عبادت کو بھی دنیوی مفادات کے سانچہ میں ڈھال لیتی ہے اور اس کے نتیجہ میں انسان حج کے عظیم فوائد سے محروم ہو جاتا ہے۔

۲۹۳۔ یہ اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جن کا نقطۂ نظر دنیا کے بارے میں غیر معتدل نہیں ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی کے طالب ہوتے ہیں۔ دنیا کی کسی چیز کا کسی کے حق میں خیر ہونا، اس بات پر منحصر ہے کہ وہ آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بن سکے اسلئے اہلِ ایمان کی دعا یہ ہوتی ہے کہ ہمیں وہ چیزیں عطا فرما جو ہمارے حق میں واقعی مفید اور اچھی ہوں، نیز اہل ایمان عذاب جہنم سے برابر پناہ مانگتے رہتے ہیں کہ اصل فکر انسان کو نجات اخروی ہی کی ہونی چاہئے۔

مسجد نمرہ۔ میدان عرفات میں

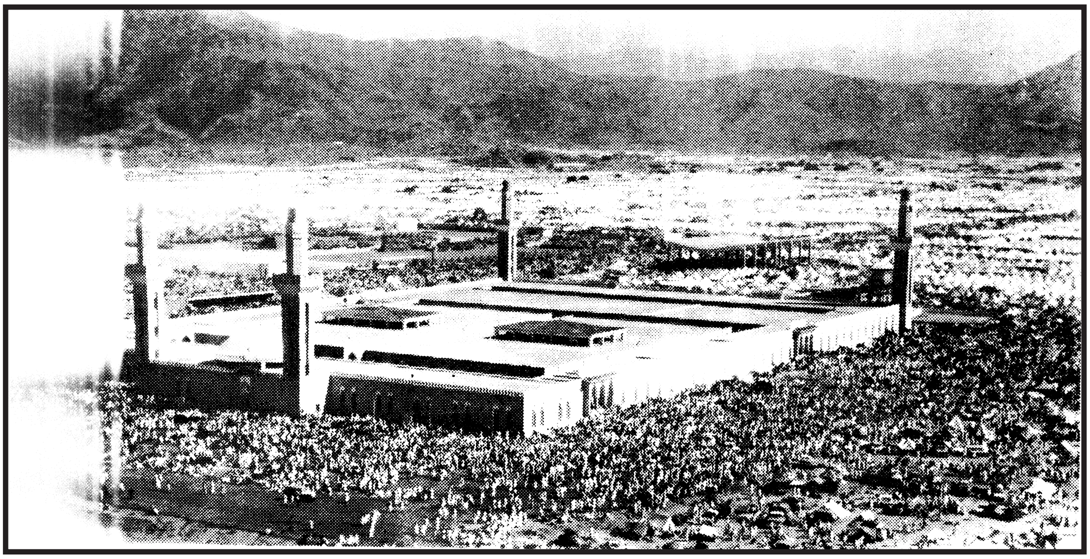

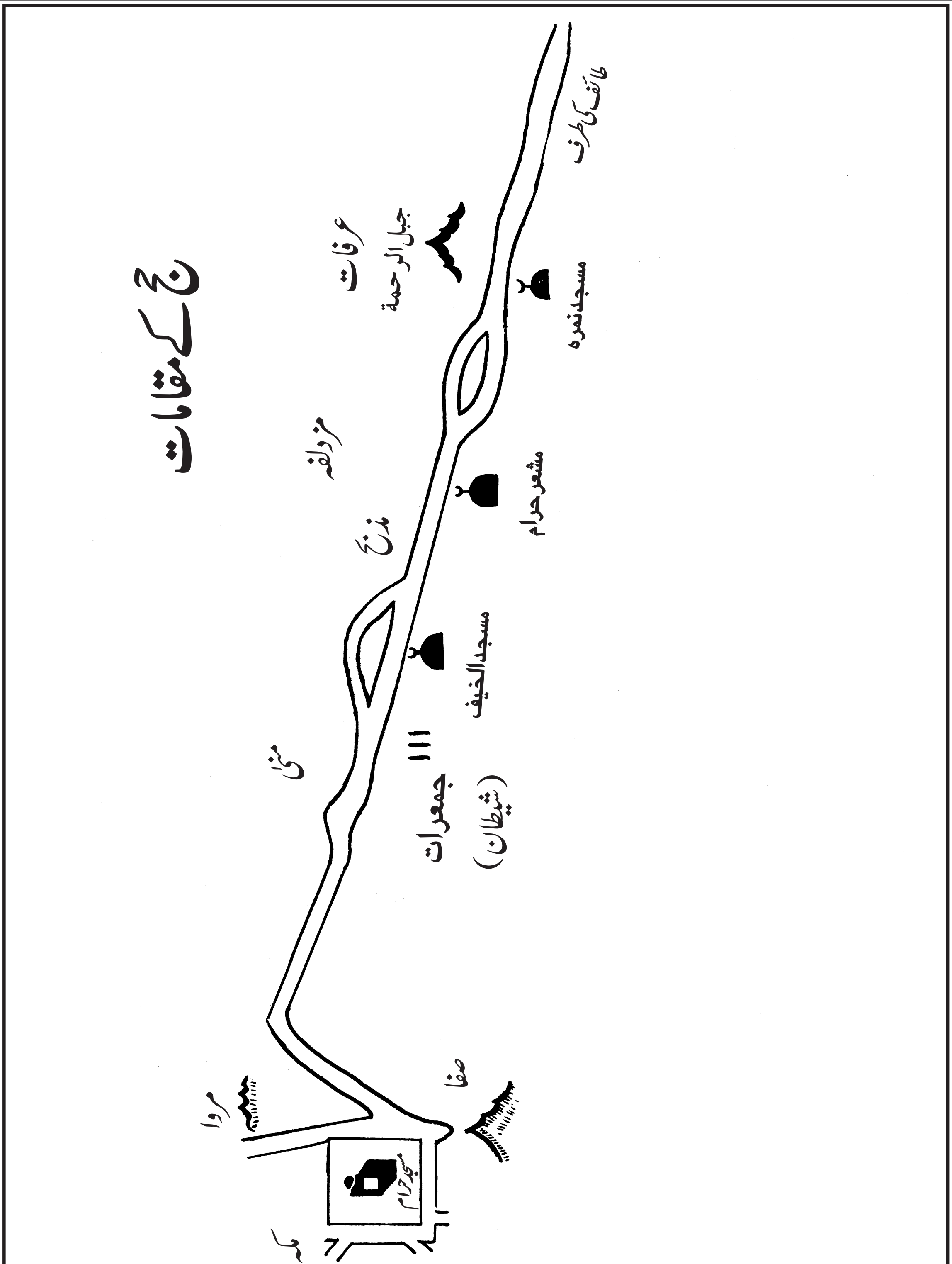
حج کے مقامات
طائف کی طرف
عرفات
جبل الرحمۃ
مسجد نمرہ
مزدلفہ
مشعر حرام
مذبح
مسجد الخیف
منیٰ
جمرات
(شیطان)
صفا
مروا
مسجد حرام
مکہ

اور مقررہ دنوں میں اللہ کا ذکر کرو۔ پھر جو کوئی دو دن میں جلدی
کرے (اور نکل جائے) اس پر کوئی گناہ نہیں، اور جو (نکلنے میں ایک دن کی) تاخیر
کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ اس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اللہ سے ڈرتے رہو،
اور خوب جان لو کہ اسی کے حضور تمہیں جمع ہونا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی باتیں تمہیں دنیوی زندگی
میں بڑی دلکش معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ
کٹر مخالف ہیں۔ اور جب وہ پلٹتے ہیں تو زمین میں ان کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی
ہے کہ فساد برپا کریں اور کھیتی اور نسل کو تباہ کریں۔ مگر اللہ فساد کو ہرگز پسند
نہیں کرتا۔ **(القرآن)**

أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ
الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾
وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِيٓ أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن تَعَجَّلَ
فِي يَوْمَيْنِ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَن تَأَخَّرَ فَلَآ
إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوٓا
أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۰۳﴾
وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ
اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾
وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ
الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾
وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ ۚ
فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾
وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ
اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾
يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا
تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۲۰۸﴾
فَإِن زَلَلْتُم مِّن بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ
فَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۰۹﴾
هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ
وَالْمَلَٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۲۱۰﴾ ع
سَلْ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُم مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ
وَمَن يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ
فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

۲۰۲ یہی لوگ ہیں جن کو ان کی کمائی کی بدولت حصہ ملے گا۔ اور اللہ جلد حساب چکانے والا ہے۔

۲۰۳ اور مقررہ دنوں میں اللہ کا ذکر کرو۔ ۲۹۴ پھر جو کوئی دو دن میں جلدی کرے (اور نکل جائے) اس پر کوئی گناہ نہیں، اور جو (نکلنے میں ایک دن کی) تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ۲۹۵۔ یہ اس کیلئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اللہ سے ڈرتے رہو، اور خوب جان لو کہ اسی کے حضور تمہیں جمع ہونا ہے۔ ۲۹۶

۲۰۴ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی باتیں تمہیں دنیوی زندگی میں بڑی دلکش معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنے مافی الضمیر پر اللہ کو گواہ ٹھہراتے ہیں، حالانکہ حقیقت میں وہ کٹر مخالف ہیں۔ ۲۹۷

۲۰۵ اور جب وہ پلٹتے ہیں تو زمین میں ان کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد برپا کریں اور کھیتی اور نسل کو تباہ کریں ۲۹۸۔ مگر اللہ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔

۲۰۶ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو نخوت انہیں گناہ پر آمادہ کرتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے تو جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔

۲۰۷ اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جانیں کھپا دیتے ہیں ۲۹۹۔ اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔

۲۰۸ اے ایمان لانے والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ ۳۰۰ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو ۳۰۱ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

۲۰۹ ان واضح ہدایات کے آجانے کے بعد بھی اگر تم پھسل گئے تو جان رکھو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے ۳۰۲۔

۲۱۰ کیا یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے ابر کے سائبانوں میں انکے سامنے نمودار ہو جائیں اور فیصلہ ہی کر ڈالا جائے؟ ۳۰۳ بالآخر سارے معاملات پیش تو اللہ ہی کے حضور ہوں گے۔

۲۱۱ بنی اسرائیل سے پوچھو، ہم نے انہیں کتنی کھلی کھلی نشانیاں دیں ۳۰۴ اور جو کوئی اللہ کی نعمت ۳۰۵ کو اس کے پانے کے بعد بدل ڈالے تو یقین جانو اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔

۲۹۴۔ مراد قیام منیٰ کے ایام ہیں جنہیں ایام تشریق کہا جاتا ہے یعنی ذالحجہ کی ۱۱/ ۱۲/ ۱۳ تاریخیں۔ منیٰ مکہ سے ۳/ ۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں دس (۱۰) ذی الحجہ کو شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں اور قربانی کی جاتی ہے۔ ایام تشریق بھی منیٰ ہی میں گذارے جاتے ہیں اور روزانہ شیطان (جمرات) کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ کنکریاں مارتے وقت اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور شیطان پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔

۲۹۵۔ یعنی اس بات کی اجازت ہے کہ بارہ (۱۲) ذی الحجہ کو، کنکریاں مارنے کے بعد منیٰ سے واپس ہو جاؤ یا ۱۳/ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کی صورت میں ۱۳/ تاریخ کو بھی کنکریاں مارنا ہونگی۔ (منیٰ کی تصویر بر صفحہ ۹۱)

۲۹۶۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حج کا یہ اجتماع روزِ حشر کے اجتماع کی یاددہانی ہے جبکہ سارے لوگ اللہ کے حضور اکٹھا کئے جائیں گے۔

۲۹۷۔ اشارہ ہے مفاد پرستوں کی طرف جو گفتار کے غازی بنتے ہیں اور اپنی عملی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے چرب زبانی سے کام لیتے ہیں دنیوی زندگی کے مسائل پر جب وہ اظہار خیال کرتے ہیں تو ان کی باتیں مسحور کن ہوتی ہیں اور وہ خدا کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ یہ باتیں وہ ذاتی اغراض کیلئے نہیں بلکہ لوگوں کی بھلائی کیلئے کہہ رہے ہیں اور وہ اسلام کے دشمن ہرگز نہیں ہیں درانحالیکہ ان کے دل میں اسلام کے خلاف شدید بغض وحسد بھرا ہوتا ہے اور وہ کٹر دشمن حق ہوتے ہیں۔

۲۹۸۔ یعنی تمہارے سامنے تو بڑی دلفریب باتیں کرتے ہیں لیکن جب تمہارے پاس سے چلے جاتے ہیں تو ان کی ساری تگ ودو فساد فی الارض کی راہ میں ہوتی ہے چنانچہ وہ دعوت الی اللہ کی مخالفت کرنے لگتے ہیں حالانکہ زمین کی اصلاح اور اس پر امن وعدل کا قیام اللہ کی بندگی واطاعت پر موقوف ہے۔

قرآن کے اس بیان کی تصدیق ان تباہیوں سے ہوتی ہے جو بڑی بڑی لڑائیوں اور عالمگیر جنگوں کے نتیجہ میں دنیا پر آئیں۔ ہدایت الٰہی سے روگردانی کرنے والوں کے ہاتھ میں جب اقتدار آجاتا ہے تو وہ دنیا کیلئے تباہی کا سامان کرتے رہتے ہیں اگرچہ کہ وہ اپنے ہر اقدام کے موقع پر اس کے جواز کیلئے خوشنما نظریہ پیش کرتے ہیں۔

۲۹۹۔ اوپر مفاد پرستوں کا ذکر ہوا تھا، ان کے پہلو بہ پہلو یہ مخلص اہل ایمان کا ذکر ہے جنہوں نے زندگی کا مقصد اللہ کی رضا کو بنالیا ہے اور اس کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کرتے رہتے ہیں۔

۳۰۰۔ یہاں مسلمانوں کو ہدایت کی جارہی ہے کہ اگر تم سچے خدا پرست بننا چاہتے ہو تو کامل اطاعت وفرمانبرداری کی راہ اختیار کرو اور کسی استثناء اور تحفظ کے بغیر اپنی پوری زندگی کو اسلام کے تحت لے آؤ۔ دین کی صرف ان باتوں کو قبول کرنا جو اپنے مفاد کے خلاف نہیں پڑتیں مفاد پرستوں اور منافقوں کا طریقہ ہے۔ سچے خدا پرست تو کامل بندگی اور مکمل اطاعت کا طریقہ اختیار کرتے ہیں اور تمام معاملات ومسائل میں وہ اپنے کو اسلام کا تابع سمجھتے ہیں لہٰذا ماننا ہے تو پورے اسلام کو مانو، اور اس کی مخلصانہ پیروی کرو، ورنہ اسلام کی کچھ باتیں ماننے اور کچھ باتوں کا انکار کرنے سے نہ تمہارا شمار اللہ کے وفادار بندوں میں ہوسکتا ہے اور نہ اس طرز عمل سے دنیا میں صلح وامن اور عادلانہ نظام قائم ہوسکتا ہے بلکہ یہ طرز عمل فساد فی الارض کا موجب ہوگا۔

۳۰۱۔ یعنی جو لوگ بیک وقت کفر اور اسلام دونوں سے راہ ورسم رکھتے ہیں اور اپنی زندگی کو انہوں نے دونوں میں تقسیم کر رکھا ہے وہ شیطان کے نقش قدم کی پیروی کررہے ہیں۔

۳۰۲۔ یعنی ان واضح ہدایات کے بعد بھی اگر تم نے دینداری کے پردہ میں مفاد پرستانہ طرز عمل اختیار کیا یا کفر کے ساتھ ساز باز کرتے رہے تو یاد رکھو اللہ کی پکڑ سے ہرگز بچ نہ سکو گے کہ وہ غالب ہے اس نے اپنا دین اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ لوگ کھیل تماشہ بنالیں بلکہ اس لئے بھیجا ہے کہ اس کی راہ پر چلنے والوں اور اس سے انحراف کرنے والوں کے درمیان انجام کے لحاظ سے امتیاز کیا جائے۔ اس کے حکیم ہونے کا یہ واضح تقاضا ہے۔

۳۰۳۔ یعنی اگر ان واضح ہدایات کے بعد لوگ اسلام کی شاہراہ پر قائم نہ ہوئے اور شیطان ہی کے پیچھے بھٹکتے رہے تو یہ نہ سمجھو کہ اب وہ کسی اور دلیل کے منتظر ہیں بلکہ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ اور اس کے فرشتے ان کے سامنے نمودار ہو جائیں۔ لیکن وہ گھڑی تو فیصلہ کی گھڑی ہوگی۔ ایمان تو وہی معتبر ہے جو اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے اور سننے سمجھنے کا نتیجہ ہو۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ انسان اپنی عقل سے کام لے اور دلیل کی بنا پر حق کو قبول کرلے لیکن جو لوگ حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ماننا چاہتے ہیں وہ قیامت کا انتظار کریں۔ لیکن وہ وقت فیصلہ کا ہوگا نہ کہ امتحان کا۔

۳۰۴۔ بنی اسرائیل کو جو نشانیاں دکھائی گئیں ان کا ذِکر اس سے پہلے ہو چکا ہے مثلاً سمندر کو پھاڑ کر ان کے لئے راستہ بنایا گیا، ان کے لئے صحرا میں بارہ چشمے جاری کئے گئے، صحرا میں ان کے رزق کا سامان من وسلویٰ کے ذریعہ کیا گیا وغیرہ۔ ان کھلی نشانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی انہوں نے اللہ کی نعمت کی ناقدری کی۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کا حوالہ یہاں اس مناسبت سے ہے کہ جن دنیا پرستوں کے رویہ پر یہاں تبصرہ کیا جارہا ہے وہ بنی اسرائیل کے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔

۳۰۵۔ یہاں نعمت سے اشارہ اللہ کی ہدایت اور شریعت کی طرف ہے اور اسکو بدلنے سے مراد اس کی ناقدری کرنا اور اس کے بجائے گمراہی مول لینا ہے۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ
مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

۲۱۲ جن لوگوں نے کفر کیا ان کیلئے دنیوی زندگی بڑی خوشنما بنا دی گئی ہے ۳۰۶۔ وہ اہل ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے وہ قیامت کے دن ان پر فوقیت رکھیں گے۔ اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطاء فرماتا ہے۔ ۳۰۷۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ
مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا
اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا
فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

۲۱۳ (ابتداء میں) لوگ ایک ہی امت تھے۔ ۳۰۸۔ (لیکن جب انہوں نے اختلاف پیدا کیا) تو اللہ نے انبیاء بھیجے جو خوشخبری سنانے والے اور خبردار کرنے والے تھے، اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کر رہے تھے ان کا فیصلہ کر دے۔ اور اس میں اختلاف انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی اور یہ اختلاف انہوں نے روشن ہدایات آجانے کے بعد محض آپس کی ضد (نفسانیت) کی بنا پر کیا۔ بالآخر اللہ نے اپنے اذن (توفیق) سے اہل ایمان کی اس حق کے معاملے میں رہنمائی فرمائی جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے۔ ۳۰۹۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ
خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ
وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾

۲۱۴ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہیں ان لوگوں کے سے حالات سے سابقہ پیش ہی نہیں آیا جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔ ان کو تنگیوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا اور وہ ایسے جھنجھوڑے گئے کہ رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان پکار اٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد؟ یقین جانو! اللہ کی مدد قریب ہے ۳۱۰۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ
فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ
السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

۲۱۵ وہ تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں؟ کہو جو مال بھی تم خرچ کرو وہ والدین، قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں، اور مسافروں کے لئے ہے۔ اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اسے اچھی طرح جانتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا
وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

۲۱۶ جنگ کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔ مگر عجب نہیں کہ ایک چیز کو تم ناگوار خیال کرو اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور عجب نہیں کہ ایک چیز کو تم پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔ ۳۱۱۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے ۳۱۲۔

۳۰۶۔ یعنی جب یہ لوگ ان حقائق کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے جن کو قرآن بے نقاب کررہا ہے اور انہوں نے مادی دنیا پر ہی اپنی نگاہوں کو مرکوز کرلیا تو اس کی دلفریبیوں میں وہ آگئے اور اب یہ دنیوی زندگی ان کی نظروں میں ایسی کھپ گئی ہے کہ وہ آخرت کا تصور تک کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ جو لوگ آخرت کو اپنا نصب العین بناتے ہیں ان کو یہ لوگ تنگ نظر خیال کرکے ان کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔

۳۰۷۔ بے حساب یعنی توقعات اور اندازوں سے اتنا زیادہ کہ آدمی اس کا تصور بھی نہ کرسکے۔ مراد آخرت کی بے حد اور بے پایاں نعمتیں ہیں۔

۳۰۸۔ یہاں اس اہم ترین سوال کا جواب دیا گیا ہے جو مذاہب کے اختلافات کو دیکھ کر انسان کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے یعنی جب نوع انسانی کا آغاز ہوا تو اس کا مذہب کیا تھا؟ اور کیا انسان نے اپنی تاریخ کا آغاز ہی فرقہ بندی سے کیا تھا یا فرقہ بندیاں بعد کی پیداوار ہیں؟ قرآن اس سوال کا جواب یہ دیتا ہے کہ نوع انسانی اپنے آغاز میں ایک ہی امت تھی یعنی ایک ہی اصل اور ایک ہی نقطہ پر سب کا اتفاق و اجتماع تھا اور وہ ہے دین توحید جس کا نام اسلام ہے۔ انسانیت نے توحید ہی کی روشنی میں آنکھیں کھولی تھیں اور انسانیت کا قافلہ اسلام ہی کی شاہراہ پر چل پڑا تھا۔ اس بنا پر تاریخ انسانی کا اولین باب نہایت روشن باب ہے۔

قرآن کے اس بیان کی تائید جدید اکتشافات سے بھی ہوتی ہے کہ قدیم ترین زمانہ میں نسل انسانی کا مذہب توحید تھا نہ کہ شرک:

" The evidence of Anthropology, says a leading archaeologist of the day, Sir Clarles Marston, will be cited in those columns to prove that the original religion of the early races was actually Monotheism or something very like it " The Bible is true P. 25 (commentary on Holy Quran by Moulana Abdul Majid Daryabadi Vol. I P. 33A)

۳۰۹۔ اس آیت میں جس حقیقت کو بے نقاب کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ نوع انسانی ابتداء میں ایک ہی اصل پر مجتمع تھی اور وہ تھا اللہ کا دین ''اسلام''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کو جو تمام انسانوں کے باپ ہیں اور جن کا نام آدمؑ ہے، ہدایت سے نوازا تھا۔ ان کی نسل ایک مدت تک اسی ہدایت یعنی دین حق پر قائم رہی اور ایک ہی امت بنی رہی بعد میں لوگوں نے اصل دین میں اختلاف کرکے نئی نئی راہیں نکال لیں اور انسانیت کا قافلہ جو راہ حق پر گامزن تھا اس سے علیحدگی اختیار کرکے فرقوں میں بٹ گیا اور ہر فرقہ نے ایک مخصوص مذہب کی شکل اختیار کرلی۔ اس صورتِ حال کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء انسانوں کے مختلف گروہوں کی طرف بھیجتا رہا چنانچہ ان انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو دین حق کی طرف دعوت دی، ہدایت الٰہی سے انحراف اور افتراق و انتشار کے نتائج بد سے لوگوں کو آگاہ کیا اور ان لوگوں کو فوز و فلاح کی خوش خبری سنائی جو انبیاء کی دعوت کو قبول کرکے اصل دین اسلام پر قائم ہو جائیں۔ ان انبیاء نے جو مختلف ملکوں اور مختلف قوموں میں آئے کسی نئے مذہب کی بنا نہیں ڈالی تھی بلکہ وہ اسلام ہی تھا جسے انہوں نے پیش کیا تھا۔ اور اس دین حق کی بنیاد پر انہوں نے لوگوں کو پھر سے ایک امت بنانے کی کوشش کی تھی۔ ان کے ساتھ جو کتابیں نازل کی گئی تھیں وہ درحقیقت ایک ہی کتاب ''الکتاب'' کے اجزاء تھے جن میں مختلف مذاہب نہیں بلکہ ایک ہی دین پیش کیا گیا تھا۔ ان کتابوں نے لوگوں کے تمام مذہبی اختلافات کا فیصلہ کرکے حق کو از سر نو اجاگر کیا تھا۔ لیکن جن امتوں کے پاس یہ حق آیا انہوں نے بعد میں محض آپس کی ضد، تعصب، نفسانیت اور باہم سرکشی و زیادتی کی وجہ سے اس حق میں اختلاف کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے بار بار حق کی وضاحت کے باوجود لوگ اس میں اختلاف کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرما کر لوگوں پر حق واضح فرمادیا اور اس حق کو اپنی اصل شکل میں قیامت تک کے لئے محفوظ رکھنے کا سامان کیا اس کے بعد کوئی وجہ نہیں کہ لوگ مذاہب کے اختلافات کے چکر میں پڑے رہیں اور دین حق کے معاملہ میں اختلاف کریں لیکن قبولِ حق کی توفیق ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو کسی تعصب اور ہٹ دھرمی میں مبتلا نہیں ہوتے اور جن کے اندر قبول حق کے لئے آمادگی ہوتی ہے۔

۳۱۰۔ اس میں ان لوگوں کی تسلی کا سامان ہے جو حق کو قبول کریں اور جنہیں اس راہ میں مخالفتوں، اور مصائب سے دوچار ہونا پڑے۔ ایسے لوگوں کے سامنے حق و باطل کی کشمکش کی تاریخ پیش کی جارہی ہے کہ تم سے پہلے جن لوگوں نے اس راہ میں قدم رکھے ان کو خدا کے سرکش بندوں سے سخت مقابلہ پیش آیا اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر حق کی علمبرداری کرنا پڑی۔ گذشتہ امتوں کو راہ حق میں کیسی سختیاں برداشت کرنا پڑیں اس کا اندازہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہوگا

جس میں آپ فرماتے ہیں:

قد کانَ مَنْ قبلکم یؤخَذُ الرجلُ فَیُحفرلَہ فی الارضِ فَیجعلُ فِیھا ثم یؤتیٰ بالمنشارِ فَیوضعُ عَلیٰ رَاسِہٖ فَیجْعَلُ نِصْفَیْنِ وَ یُمْشط بِامْشَاطِ الحدیدِ مَادُوْنَ لَحْمِہٖ وَ عظمِہٖ مَا یَصُدُّہٗ ذَالِکَ عَنْ دِیْنِہٖ۔ (البخاری)

''جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کے ساتھ ایسے ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ کسی کو پکڑ کر زمین میں گڑھا کھودا جاتا اور اس میں اسے کھڑا کر دیا جاتا اور آرا اس کے سر پر رکھ کر اس طرح چلایا جاتا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو جاتے اور لوہے کے کنگھے جسم میں چبھوئے جاتے جو گوشت سے گذر کر ہڈیوں تک نفوذ کر جاتے، ان سختیوں کو وہ برداشت کرتا لیکن اپنے دین (اسلام) سے نہ پھرتا''

۳۱۱۔ یہ ایک اصولی حقیقت ہے جو یہاں واضح کی گئی ہے انسان کا معاملہ بھی عجیب ہے جو چیزیں اس کے نفس کو مرغوب ہیں وہ بالعموم اس کو پست کرنے والی ہیں اور جو چیزیں اس کو بلند کرنے والی ہیں وہ اس کے نفس پر شاق گذرتی ہیں۔ لہٰذا اگر خیر و شر کا معاملہ انسان پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اکثر غلط فیصلے کر بیٹھے گا۔ وہ ایسی کتنی ہی باتوں کو غلط قرار دے گا جو اس کے نفس پر شاق ہیں لیکن درحقیقت وہ اس کے اخلاقی ارتقاء اور شرف انسانیت کے حصول کا ذریعہ ہیں اور وہ ان باتوں کو پسند کرے گا جو اس کے لئے آسان ہیں اور نفس کو مرغوب ہیں لیکن درحقیقت وہ اس کے اخلاقی تنزّل اور پستی کا سبب ہیں اس لئے مسائل حیات میں اس کی رہنمائی کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی ہے۔

جنگ اپنے ظاہر کے لحاظ سے بڑی ہولناک چیز ہے، لیکن بعض اوقات اعلیٰ مقاصد کے حصول اور انسانیت کو تباہی سے بچانے کے لئے ناگزیر ہو جاتی ہے۔

اس آیت میں جس جنگ کو فرض قرار دیا گیا ہے وہ اللہ کی راہ میں کی جانے والی جنگ ہے جو حالات کے اعتبار سے ناگزیر ہو جیسا کہ خانۂ کعبہ کو مشرکین کے قبضہ سے آزاد کرانے، غلبۂ دین اور اہل ایمان کے تحفظ کے لئے مدینہ کے مسلمانوں کے لئے جنگ ناگزیر ہو گئی تھی۔

۳۱۲۔ یعنی انسان غلط رائے قائم کر سکتا ہے اور ٹھوکر کھا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم چونکہ ظاہر و باطن سب کو محیط ہے اس لئے اس کی رہنمائی صحیح رہنمائی ہے، اور اس میں کسی قسم کی غلطی کا امکان نہیں ہے۔

بقیہ: ۷۸ صفحہ سے آگے

۲۷۱۔ یعنی جس چیز کے حقوق حرمت سے وہ تمہیں محروم کریں تو تم بھی اس کے بدلہ انہیں ان کے حقوق حرمت سے محروم کر سکتے ہو۔ البتہ تقویٰ کا لحاظ کرو۔ نہ اپنی طرف سے پیش قدمی کرو اور نہ تمہارا کوئی اقدام حد ضرورت سے بڑھا ہوا ہو۔

۲۷۲۔ یہاں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مراد غلبۂ دین اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے خرچ کرنا ہے۔

۲۷۳۔ یعنی جو لوگ غلبۂ دین کے لئے خرچ کرنے سے جی چراتے ہیں وہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں کیونکہ اصل زندگی راہ خدا میں جان و مال کی قربانی پیش کرنے میں ہے نہ کہ ان کو بچائے رکھنے میں۔

''اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو'' سے ضمناً خودکشی کی حرمت بھی واضح ہو رہی ہے خواہ اس کی کوئی شکل اختیار کی جائے۔

منیٰ دوران حج

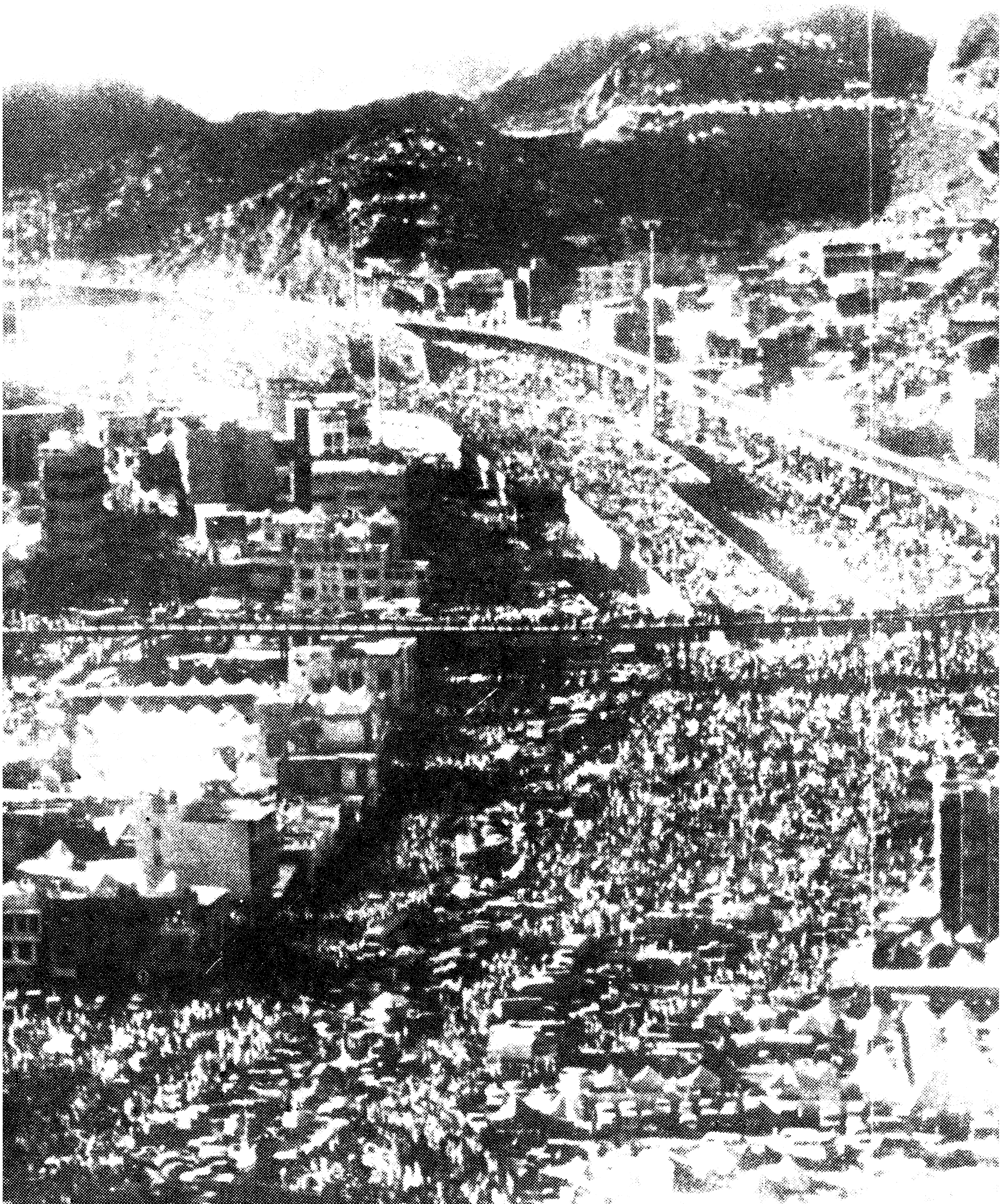

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ
كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌ ۢبِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ
وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ
الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ
دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ
فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

۲۱۷ وہ تم سے ماہ حرام کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟ کہو اس میں جنگ کرنا بڑی سنگین بات ہے، مگر (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے روکنا، اس سے کفر کرنا، مسجد حرام سے روکنا، اور اسکے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور فتنہ قتل سے بھی بڑھکر ہے۔ ۳۱۳؎ اور وہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو وہ تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں ۳۱۴؎ اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا اور حالت کفر میں مرے گا تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت جائیں گے۔ وہ دوزخی ہیں اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

۲۱۸ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی ۳۱۵؎ اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ
وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾

۲۱۹ (اے پیغمبر!) لوگ تم سے شراب ۳۱۶؎ اور جوئے ۳۱۷؎ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو ان میں بڑی خرابی ہے اور لوگوں کیلئے کچھ فائدے بھی ہیں، لیکن ان کی خرابی ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے ۳۱۸؎ اور تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہو جو فاضل ہو۔ ۳۱۹؎ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام واضح فرماتا ہے تا کہ تم غور و فکر کرو۔

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ
لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ
مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

۲۲۰ دنیا اور آخرت (دونوں کے معاملات) میں ۳۲۰؎۔ اور وہ تم سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو جس میں ان کی بھلائی ہو وہی بہتر ہے۔ اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہی ہیں۔ اللہ جانتا ہے کون بگاڑ چاہنے والا ہے اور کون بھلائی چاہنے والا ۳۲۱؎۔ اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا۔ بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ ۳۲۲؎

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ
مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ
وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ
يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ
بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ ع

۲۲۱ اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرنا ۳۲۳؎ جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مؤمن کنیز ایک مشرک عورت سے کہیں بہتر ہے اگر چہ وہ تمہیں پسند آئے۔ اور مشرکوں کو اپنی عورتیں نکاح میں نہ دو ۳۲۴؎ جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مؤمن غلام ایک مشرک سے کہیں بہتر ہے اگر چہ وہ تمہیں پسند آئے۔ یہ لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اپنی آیتیں لوگوں کیلئے صاف صاف بیان کرتا ہے تا کہ وہ یاد دہانی حاصل کریں۔

۳۱۳۔ اس کی تشریح نوٹ ۲۶۳ میں گذر چکی۔

۳۱۴۔ اس سے فتنہ کی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے جس میں اس وقت اہل ایمان مبتلا ہو گئے تھے یعنی ان کا دین وایمان سخت خطرہ میں پڑ گیا تھا اس بنا پر انہیں قتال کی اجازت دیدی گئی تھی۔

۳۱۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد آپ کی نصرت اور اپنے دین وایمان کے تحفظ کے لئے مکہ سے ہجرت کا حکم دیا گیا تھا۔اس آیت کا اشارہ اسی کی طرف ہے۔

۳۱۶۔ شراب ایک الکوحلی مادہ ہے جو نشہ پیدا کرتا ہے اسکے مضر اثرات عقل اور جسم دونوں پر مرتب ہوتے ہیں اور وہ انسان کی روحانی اور اخلاقی زندگی کے لئے خطرناک ہونے کے علاوہ خاندان، سماج اور قوم کے لئے زبردست تباہیاں لاتی ہے۔اگر چہ شراب سے وقتی طور پر کچھ فائدہ بھی پہنچتا ہے مثلاً اس کے محرک ہونے کی وجہ سے آدمی اپنی قوت کارکردگی میں اضافہ محسوس کرنے لگتا ہے اور کسی کام کو انجام دینا اس کے لئے آسان سا ہو جاتا ہے۔لیکن نہ صرف یہ کہ وہ اخلاقی پہلو سے سخت نقصان دہ چیز ہے بلکہ طبعی طور پر بھی نہایت مضر ہے۔ذیل میں ہم انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے شراب کی مضرتوں پر روشنی پڑتی ہے۔اس سے اندازہ ہوگا کہ قرآن نے شراب کو حرام قرار دیکر انسان کو کن کن مفاسد سے بچانا چاہا ہے۔

EXTRACTS FROM ENCYCLOPEDIA OF RELIGION AND ETHICS VOL.I ALCOHOL

— When enough alcohol is taken to produce intoxication, judgemnent, self control, perception, and the other higher faculties are affected first with greater facility in thought and speech, there is a certain disregard of the environment, a quiet person may become lively and witty, unwanted confidences are given and there may be assertiveness and quar- relsomeness. Singing, shouting and other noisy demonstrations indicated the free play of the emotions... Such persons may suffer from an insane or alcoholic heredity ... An automatic dreamstate, in which complicated, it may be criminal, actions are performed quite unconsciously, is some times induced by acute alcoholism. (P.300)

—Self respect becomes impaired and by selfishness, neglect of wife, children and other dependents loosening of self control and want of truthfulness , the moral deterioration is siganlized. (P . 300)

It is estimated that in this country (U.K.) alcohol accounts for 100,000 to 120,000 deaths per annum. (P.301)

— Alcohol is a poison for protoplasm.

Large number of psychometric experiments under conditions of the greatest accuracy prove that alcohol in small dictetic doses exercises a distinetly paralyzing effect on the working of the brain. (P.299)

—The amount of work is increased and more easly performed, but after a brief period extending almost to 20 or 30 minutes, there comes a prolonged reaction, so that the total effect is distinctly disadvantageous. (P. 299)

— On the whole experiments show that alcohol does not strengthen the heart but rather the reverse. (P300)

— There is universal testimony as to the close relationship between excessive drinking and breaches

of the moral law and the laws of the state. This is a direct consequence of the higher faculties, intellectual and moral, and the resulting free play given to the lower inclinations. Alcohol cannot only be a direct cause of crime, but it acts powerfully along with other conditions such as hereditary nervous weakness or instability of the brain (P.301)

۳۱۷۔ جُوا اخلاقی اور معاشی مضرتوں کی بنا پر حرام قرار دیا گیا ہے۔اس کی مضرتیں مختصراً درج ذیل ہیں۔

(۱) جُوا انسان کو بخت و اتفاق اور خالی آرزوؤں پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے، عملی جدوجہد اور ان اسباب پر بھروسہ کرنا نہیں سکھاتا جنہیں اللہ نے پیدا فرمایا ہے، اور اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔اسلام چاہتا ہے کہ انسان نتائج کو اسباب کے ذریعہ حاصل کرے۔

(۲) جُوا لوگوں کا مال باطل طریقہ سے کھانے کے مترادف ہے۔

(۳) اس سے جوا کھیلنے والوں کے درمیان بغض و عداوت پیدا ہوتی ہے۔مغلوب اگرچہ کہ خاموشی اختیار کرتا ہے مگر اس کی خاموشی غیظ و غضب لئے ہوئے ہوتی ہے۔

(۴) جوے کا شوق فرد ہی کے لئے نہیں سماج کے لئے بھی شدید خطرہ کا باعث ہے ۔ جوئے باز اپنے نفس اور اپنے خاندان کی ذمہ داریوں کی طرف سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ایسے لوگوں سے بعید نہیں کہ وہ اپنے دین، اپنی عزت اور اپنے وطن کو بھی اپنے مفاد کی خاطر بیچ دیں۔

(۵) قرآن نے شراب اور جوئے کو ایک حکم میں رکھ کر اس حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے کہ دونوں چیزیں فرد، خاندان، وطن اور اخلاق سب کے لئے یکساں طور سے مضر ہیں۔قمار باز کا معاملہ شرابی سے بہت مشابہ ہوتا ہے بلکہ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ ایک کا وجود دوسرے کے بغیر پایا جائے۔

(خلاصہ از اسلام میں حلال وحرام از یوسف القرضاوی ص ۳۸۴) جوئے کی مضرتوں کے بارے میں انسائکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

EXTRACTS FROM ENCYCLOPEDIA OF RELIGION AND ETHICS VOL. 6 GAMBLING

— On the Aryan races gambling has a special hold. A famous hymn of the Rigveda (x34) vividly sets forth the woe of the ruined gambler, and the length to which gambling was carried in India is well illustrated by the episode of Nala and Dam- yanti in the Mahabharata (iii 59-61) where the Prince loses all that he has Sanskrit Literature abounds in allusions to the evils of play (P.164)

— The vicious tendency of gambling has never been called in question. Lord Beaconsfield spoke of it as a vast engine of national demoralisation (P.166)

— The economic aspect needs no discussion. Gambling add nothing to the wealth to the community. (P.166)

— Though it is in society that the temptation comes, gambling itself is anti-social. It is as Herbert Spencer says, a kind of action by which pleasure is obtained at the cost of the pain to another. The happiness of the winner implies the misery of the loser. This kind of action, therefore is essencially anti-social, it scars the svinpathies, cultivates a hard egoism, and so produces a general deterioration of character, it is a habit intrinsically savage... in an atmosphere of brotherhood no form of gambling could exist.(P.166)

— There are only three ways in which property can be legitimately acquired __ by gift, by labour, and

exchange. Gambling stands outside all of these .

—— Its motive is, however carefully disgiused, covetousness. It is an attempt to get property without paying the price for it. It is a violation of the law of equivalents. It is a kind of robbery by mutual agreement; but it is still robbery, just as duell- ing which is murder by mutual agreement is still treated as murder. It is bego- tten of covetousness, it leads to idleness __ it is moreover an appeal to chance __ it concentrates atten- tion upon luck, and therby withdraws attention from worthier objects of life.

۳۱۸؎ زمانۂ جاہلیت میں لوگ شراب پی کر جوا کھیلتے تھے اور دستور یہ تھا کہ اس موقع پر اونٹ ذبح کرتے اور جو جیت جاتا وہ غریبوں میں اس کا گوشت تقسیم کرتا اس بنا پر شراب اور قمار کو فیاضی کا محرک سمجھا جاتا تھا۔ خدمت خلق کے اس پہلو کے پیش نظر لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جب قرآن انفاق پر زور دے رہا ہے تو شراب اور جوئے کی اس افادیت کے پیش نظر ان کا کیا حکم ہے؟ قرآن نے اس کا جواب یہ دیا کہ شراب اور جوئے میں فائدے کے چند پہلو ضرور ہیں لیکن ان کے اخلاقی نقصانات ان کے فوائد سے بڑھکر ہیں اس لئے اس نے دونوں چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اس سے یہ اصولی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جن چیزوں کو شریعت میں حرام ٹھہرایا گیا ہے ان کی حرمت اس بنا پر نہیں ہے کہ ان کے اندر مادی فائدہ یا خدمت خلق کا کوئی پہلو موجود نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں اس بنا پر حرام ہیں کہ ان کے اخلاقی مفاسد ان کے ان فوائد سے بڑھ کر ہیں لہذا جو چیزیں بظاہر نوع انسانی کے لئے مفید معلوم ہوتی ہوں، لیکن اخلاقی اعتبار سے ضرر کا پہلو غالب ہو تو ایسی چیزوں سے احتراز ہی کرنا چاہئے۔ اس اصولی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگ ایک جائز مقصد کے لئے ناجائز طریقوں کو اختیار کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے مثلاً تعلیمی امداد کے لئے رقص و سرور کی مجلسیں منعقد کرنا یا مصیبت زدگان کی مدد کے لئے فلم اسٹاروں کے مظاہرے یا فلمی شو کا پروگرام، مفید اور خدمت خلق کا کام سمجھا جاتا ہے حالانکہ ان کے اندر گناہ کی پرورش اور اخلاق کو بگاڑنے کا پورا سامان موجود ہوتا ہے اور یہ نقصان اس کے فائدے سے کہیں بڑھکر ہوتا ہے اس لئے اسلام اچھے مقاصد کے لئے برے ذرائع کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

۳۱۹؎ اس انفاق کا تعلق جہاد سے ہے بعض اوقات ایسے حالات پیش آجاتے ہیں کہ دین وملت کے تحفظ کے لئے آدمی کو اپنا سب کچھ لٹانا پڑتا ہے۔ اس وقت چونکہ خانۂ کعبہ کو مشرکین کے قبضہ سے آزاد کرانا مہتم بالشان کام تھا اور اس مقدس ترین جہاد میں غیر معمولی قربانیوں کی ضرورت تھی اس لئے حکم دیا گیا کہ اپنی ناگزیر ضروریات اور مستحقین پر خرچ کرنے کے بعد کچھ فاضل بچ رہے وہ سب اللہ کی راہ میں قربان کردو۔

۳۲۰؎ یعنی دنیا اور آخرت دونوں کے فوائد و مصالح پر غور وفکر کرو اور اپنی فکر متوازن بناؤ۔ عام طور سے لوگ یا اس انتہاء پر ہوتے ہیں یا اس انتہاء پر۔ یا تو شراب و قمار کو بھی جائز قرار دیتے ہیں یا جائز چیزوں کو بھی حرام ٹھہرا کر دین کو رہبانیت کی شکل دیتے ہیں۔ قرآن فکر انسانی کی اس طرح تربیت کرتا ہے کہ اس میں توازن پیدا ہو جائے اور وہ دنیا و آخرت دونوں کے مصالح کو سمجھ سکے۔

۳۲۱؎ یتیموں کے مال کی حفاظت کے تعلق سے قرآن نے جو احکام دئے ہیں وہ بڑے سخت ہیں۔ اس کے پیش نظر لوگ اس حد تک احتیاط برتنے لگے تھے کہ جس گھر میں کوئی یتیم بچہ ہوتا اس کے کھانے پینے کا انتظام بالکل الگ کر دیا جاتا حتیٰ کہ اگر یتیم کے کھانے میں سے فاضل بچ جاتا تو اس کے بھی کھانے سے احتراز کرتے کہ کہیں یہ یتیم کا مال کھانے کی تعریف میں نہ آجائے۔ اس شدت احتیاط کی و جہ سے لوگ پریشانی محسوس کرنے لگے تھے اور یہ سوال پیدا ہو گیا تھا کہ اگر یتیموں کا مال اپنے مال میں شامل کر کے کھانا پینا مشترک رکھا جائے تو کیا یہ جائز ہوگا؟ اسی سوال کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ جو طریقہ یتیموں کی بھلائی کے نقطۂ نظر سے اختیار کرنا بہتر ہو وہی اختیار کیا جائے۔ اگر اپنے ساتھ شامل کر لینا ان کے حق میں مفید معلوم ہو تو اسے اختیار کیا جا سکتا ہے ساتھ ہی تنبیہ کر دی کہ اللہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کون اس اجازت سے غلط فائدہ اٹھا کر یتیموں کا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہے اور کون اس کی واقعی حفاظت کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا اس معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔

بقیہ: صفحہ ۹۹ پر

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿٢٢٢﴾

۲۲۲ وہ تم سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہو وہ ناپاکی ہے لہٰذا ایّامِ حیض میں عورتوں سے الگ رہو ۳۲۵؎ اور ان سے قربت نہ کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہوجائیں۔ پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہوجائیں تو ان کے پاس جاؤ ۳۲۶؎ اس طرح جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے ۳۲۷؎ اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو خوب پاکیزگی اختیار کرتے ہیں۔

نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٢٣﴾

۲۲۳ تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ ۳۲۸؎ اور اپنے مستقبل کا سامان کرو۔ ۳۲۹؎ نیز اللہ سے ڈرتے رہو خوب جان لو کہ ایک دن تمہیں اس سے ملنا ہے اور (اے نبی!) اہل ایمان کو بشارت دے دو۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٤﴾

۲۲۴ کسی کے ساتھ بھلائی کرنے، تقویٰ اختیار کرنے اور اصلاح بین الناس کے کام کرنے کے خلاف اللہ کو اپنی قسموں کا ہدف نہ بناؤ ۳۳۰؎ اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۳۳۱؎

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٢٥﴾

۲۲۵ اللہ تمہاری لغو (بے ارادہ) قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرے گا لیکن ان قسموں پر ضرور مواخذہ کریگا جو تم نے دلی ارادہ کے ساتھ کھائی ہوں ۳۳۲؎ اور اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بڑا بردبار ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَاۗىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَاۗءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢٦﴾

۲۲۶ جو لوگ اپنی بیویوں سے نہ ملنے کی قسم کھا بیٹھیں ان کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے۔ ۳۳۳؎ پھر اگر وہ رجوع کرلیں تو اللہ معاف کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٧﴾

۲۲۷ اور اگر وہ طلاق کا فیصلہ کرلیں تو (وہ اچھی طرح جان لیں کہ) اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ۳۳۴؎

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْۗءٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾

۲۲۸ اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو، وہ تین حیض تک اپنے آپ کو روکے رکھیں ۳۳۵؎۔ اگر وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ پیدا فرمایا ہو اس کو چھپائیں۔ اور اس (عدت کے) دوران ان کے شوہر ان کو واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں بشرطیکہ وہ تعلقات درست رکھنا چاہیں۔ اور معروف کے مطابق عورتوں کے بھی اسی طرح حقوق ہیں، ۳۳۶؎ جس طرح ان پر ذمہ داریاں ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے ۳۳۷؎۔ اور اللہ سب پر غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔ ۳۳۸؎

۳۲۵۔ ایام ماہواری میں عورتوں سے علیحدہ رہنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورت کو اچھوت بنا کر رکھ دیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف مباشرت سے اجتناب کیا جائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے واضح ہے۔

اہل کتاب کے ہاں حائضہ کو چھونا بھی آدمی کو ناپاک بنا دیتا تھا (ملاحظہ ہو احبار ۱۵: ۲۰۔۱۹) لیکن اسلام نے ان بوجھل احکام کو ختم کر کے صرف مباشرت کی حد تک علیحدگی کا حکم دیا جو معقول بھی ہے اور طبی نقطۂ نظر سے صحیح بھی۔

۳۲۶۔ یعنی جب حیض ختم ہو جائے تو مباشرت کی پابندی نہیں رہتی لیکن بہتر یہ ہے کہ جب عورت نہا دھو کر اچھی طرح پاک صاف ہو جائے تو اس سے قربت کی جائے۔

۳۲۷۔ یہاں حکم سے مراد فطری حکم ہے جو انسان کی جبلت میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔ اس سے یہ اصولی حقیقت واضح ہوتی ہے کہ فطرت کے احکام اللہ کے احکام ہیں خواہ الفاظ میں ان کا حکم دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو مثلاً پاؤں سے چلنا فطرت کا حکم ہے لیکن اگر کوئی شخص ہاتھ سے یا سر کے بل چلنا چاہے تو یہ فطرت کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی اسی طرح مباشرت کا طریقہ ہر شخص فطرتاً جانتا ہے لیکن اگر کوئی شخص مباشرت کا ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے جو خلاف فطرت ہے تو وہ نہ صرف خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے بلکہ اپنے کو حیوانات سے بھی بدتر ثابت کرتا ہے کیونکہ حیوانات بھی خلاف فطرت طریقہ اختیار نہیں کرتے۔

۳۲۸۔ عورت کو کھیتی سے تشبیہ اس بنا پر دی گئی ہے کہ آدمی اپنی کھیتی میں جانے کے لئے آزاد ہوتا ہے کہ جس طرح چاہے جائے مگر اس کا جانا بیج بونے اور فصل حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے بیوی کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، شریعت نے اس کو اس بات کی آزادی دی ہے کہ وہ مباشرت کا جو طریقہ مناسب سمجھے اختیار کرے لیکن مقصود اولاد کا حصول ہو، شریعت کی طرف سے مباشرت کے طریقوں کے سلسلہ میں صرف اس بات کی پابندی ہے کہ خلاف فطرت طریقہ نہ اختیار کیا جائے۔ جس کی تشریح اوپر کے نوٹ میں گزر چکی۔

۳۲۹۔ یعنی جس طرح آدمی کھیتی کے ذریعہ اپنے معاشی مستقبل کا انتظام کرتا ہے اسی طرح اپنی عورتوں سے مباشرت کے ذریعہ نسلِ انسانی کے مستقبل کا سامان کرو اور اپنی اولاد کی صحیح تربیت کر کے اپنے اخروی سرمایہ میں اضافہ کرو۔

اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کا منشا نسل انسانی کی افزائش ہے اس لئے اس پر کوئی پابندی عائد کرنا قرآن کے منشاء کے خلاف ہوگا۔

۳۳۰۔ یعنی اللہ کے مقدس نام کو غلط کاموں کے لئے استعمال نہ کرو، بھلائی، تقویٰ اور اصلاح بین الناس کے کاموں کے خلاف قسمیں کھا بیٹھنا اسلام میں جائز نہیں ہے اگر کوئی شخص ایسی قسم کھا بیٹھے تو اسے توڑ دینا چاہیے اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہیے۔

آگے ''ایلاء'' (بیوی سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھنا) کا حکم بیان کیا جا رہا ہے اس لئے اس سے پہلے اللہ کے نام کی قسم کھانے کی اہمیت واضح کر دی اور غلط مقاصد کے لئے اس کے نام کو استعمال کرنے سے منع فرمایا۔

۳۳۱۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر تم نے اللہ کے عظیم نام کو ہدف بنایا تو یہ نہ بھولو کہ اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

۳۳۲۔ یعنی جو قسمیں بلا ارادہ تکیۂ کلام کے طور پر کھائی گئی ہوں ان پر مواخذہ نہیں ہوگا، البتہ جو قسمیں دل کے ارادہ کے ساتھ کھائی گئی ہوں ان میں اگر اللہ کے نام کو غلط طور سے استعمال کیا گیا ہو تو ایسی قسموں پر ضرور مواخذہ ہوگا۔

۳۳۳۔ اس آیت میں ''ایلاء'' کا حکم بیان کیا گیا ہے ایلاء ایک شرعی اصطلاح ہے جس کے معنی ازدواجی تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا لینے کے ہیں۔ یہ طریقہ زمانہ جاہلیت میں رائج تھا جس کی وجہ سے بیوی معلق ہو کے رہ جاتی تھی اسلام نے اس میں اصلاح کی چنانچہ ایلاء کرنے والوں کیلئے چار ماہ کی مدت مقرر کی۔ اس مدت کے اندر یا تو وہ تعلقات بحال کر لیں یا پھر طلاق دے دیں اگر چار ماہ کی اس مدت میں شوہر نے تعلقات بحال نہیں کئے تو مدت گذر جانے پر ایک طلاق آپ سے آپ پڑ جائے گی اور وہ بائن (Irrevocable) ہوگی یعنی عدت کے اندر رجوع کا حق نہ ہوگا البتہ اگر میاں بیوی دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

۳۳۴۔ یہ تنبیہ کا انداز ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے بیوی کو ناروا بات پر چھوڑا ہے تو یاد رکھو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔

۳۳۵۔ اس توقف یعنی دوسری شادی سے رک جانے کا نام شرعی اصطلاح میں ''عدت'' ہے عدت کا یہ حکم گونا گوں مصالح پر مبنی ہے مثلاً رحم کی پاکیزگی، تاکہ اولاد کے بارے میں اشتباہ نہ ہو، شوہر کے حق کی رعایت اور زوجیت کا احترام وغیرہ۔ مطلقہ کی عدت تین حیض مقرر کی گئی ہے جس کی ایک اہم مصلحت یہ ہے کہ شوہر کو اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کا موقع مل جائے اگر اس نے طلاق پہلی یا دوسری مرتبہ دی ہو اور وہ عدت کے دوران رجوع کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے البتہ اسے رجوع اسی صورت میں کرنا چاہئے جبکہ وہ اصلاح کا ارادہ رکھتا ہو، عورت کو تنگ کرنا مقصود نہ ہو ورنہ اس حق کا یہ ظالمانہ استعمال ہوگا۔

۳۳۶۔ یعنی مرد یہ نہ سمجھے کہ حقوق صرف ان ہی کے ہیں اور بیویوں کا ان پر کوئی حق نہیں ہے بلکہ جس طرح بیوی پر شوہر کے حقوق ہیں اسی طرح شوہر پر بیوی کے بھی حقوق ہیں۔ یہ حقوق دونوں کی فطرت کے لحاظ سے بالکل متوازن ہیں۔ اور ان کا لحاظ کرنے ہی پر ازدواجی زندگی کی خوشگواری کا انحصار ہے۔

۳۳۷۔ یہ درجہ قوام اور ذمہ دار ہونے کا ہے۔ اسلام نے خاندان کا سربراہ مرد کو بنایا ہے کیونکہ فطری طور پر مرد ہی اس کے لئے موزوں ہے نہ کہ عورت۔ رہا مغرب کا نظریۂ مساوات جس کی رو سے مرد وزن میں کامل مساوات ہونی چاہئے تو یہ مغربی تہذیب کا تقاضا ضرور ہے لیکن عقل وفطرت کا تقاضا نہیں ہے۔ جب قدرتی طور پر دونوں کی جسمانی ہیئت اور فطری صلاحیتوں میں فرق موجود ہے تو ان کے تقاضے بھی مختلف ہونگے اس بنا پر مرد کو ایک گونہ برتری کا حاصل ہو جانا عقل وفطرت کے عین مطابق ہے۔ اس استثناء کے ساتھ اسلام عورتوں کے حقوق کا نہ صرف قائل ہے بلکہ شرعی احکام قوانین کے ذریعہ ان کے تحفظ کا پورا پورا اہتمام کرتا ہے۔ اسلام کے عائلی قوانین اسی بنیاد پر مرتب ہوئے ہیں لہٰذا اگر اس بنیاد کو ڈھا دیا جائے تو اسلام کا پورا عائلی نظام درہم برہم ہو کر رہ جائیگا۔

۳۳۸۔ وہ غالب ہے لہٰذا اس کے احکام کی مخالفت سے ڈرو ورنہ اس کے عذاب سے بچ نہ سکو گے اور وہ حکیم ہے اس لئے اس کے احکام گہری مصلحت و حکمت پر مبنی ہیں لہٰذا اس کے احکام کو غلط اور اپنے نظریات کو صحیح سمجھنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

بقیہ صفحہ ۹۵ سے آگے

۳۲۲۔ اس لئے اس کا یہ حکم بھی مصلحت اور حکمت پر مبنی ہے۔

۳۲۳۔ یتیموں کے حقوق کی حفاظت کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کی ماؤں سے نکاح کرلیا جائے۔قرآن نے اس مصلحت کو اہم قرار دیکر اس کی اجازت دیدی لیکن شرط یہ مقرر کی کہ وہ مؤمنہ ہوں۔مشرک عورتوں سے نکاح کی بہرحال اجازت نہیں ہے کیونکہ ازدواجی رشتہ کے اثرات گہرے ہوتے ہیں۔بیوی کے مشرکانہ عقائد واعمال کا اثر شوہر، اولاد اور پورے خاندان پر پڑسکتا ہے۔بیوی گھر میں بت رکھے تو بچوں کا بت پرستی سے محفوظ رہنا مشکل ہے کیونکہ جب وہ اپنی ماں کو بت کی پرستش کرتے ہوئے دیکھیں گے تو خود بھی کرنے لگیں گے۔

اسی طرح ایک مسلمان عورت کا مشرک مرد سے نکاح عورت کے لئے زبردست فتنہ کا باعث ہے۔قرآن نے اس رشتہ کو حرام قرار دینے کی وجہ بھی صاف صاف بیان کردی کہ یہ لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں اس لئے ایسے رشتہ سے اہل ایمان کو لازماً احتراز کرنا چاہئے۔

اس حکم میں بت پرست متعدد خداؤں کو ماننے والے، کافر اور ملحد بھی شامل ہیں۔البتہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت اس سے مستثنیٰ ہے، جس کا بیان سورۂ مائدہ آیت ۵۔ میں دیا گیا ہے۔

قرآن کے اس نصی حکم کے پیش نظر بین المذاہبی (Inter Religious) شادیوں کو مسلمانوں کے اندر رواج دینے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے اور نہ سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے حرام کو حلال ٹھہرایا جاسکتا ہے۔

۳۲۴۔ تورات میں بھی مشرکین سے شادی بیاہ نہ کرنے کا حکم موجود ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صورت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی حرام تھی۔

''تو ان سے بیاہ شادی بھی نہ کرنا، نہ ان کے بیٹوں کو اپنی بیٹیاں دینا اور نہ اپنے بیٹوں کے لئے ان کی بیٹیاں لینا۔کیونکہ وہ تیرے بیٹوں کو میری پیروی سے برگشتہ کردیں گی تاکہ وہ اور معبودوں کی عبادت کریں۔یوں خداوند کا غضب تم پر بھڑکے گا اور وہ تجھ کو ہلاک کردے گا۔'' (استثناء ب ۷: ۳، ۴)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ
بِاِحۡسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ
اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـئًا اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ
فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا
فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا ۚ
وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾

۲۲۹ طلاق ۳۳۹ دو مرتبہ ہے ۳۴۰۔ پھر یا تو معروف طریقہ
پر عورت کو روک لیا جائے ۳۴۱ یا خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دیا
جائے ۳۴۲۔ اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ تم انہیں دے
چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو ۳۴۳ الا یہ کہ دونوں کو اندیشہ
ہو کہ وہ حدود الٰہی کو قائم نہ رکھ سکیں گے، تو اس میں ان کیلئے کوئی گناہ نہیں
کہ عورت فدیہ دے کر، چھٹکارا (خلع) حاصل کر لے ۳۴۴۔ یہ
اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا
تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔ ۳۴۵

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ
زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ
يَّتَرَاجَعَاۤ اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلۡكَ
حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾

۲۳۰ پھر اگر اس نے (دوبار کے بعد) طلاق دے دی ۳۴۶
تو اب یہ عورت اس کیلئے حلال نہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر سے
نکاح نہ کر لے ۳۴۷۔ پھر اگر وہ بھی اس کو طلاق دیدے تو ان
دونوں (عورت اور پہلے شوہر) پر مراجعت کرنے (پھر سے نکاح
کرنے) میں کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ وہ یہ خیال کرتے ہوں کہ حدود الٰہی
کو قائم رکھ سکیں گے۔ یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں جنہیں وہ ان لوگوں کیلئے
بیان فرماتا ہے جو علم رکھنے والے ہیں۔

وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ
فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ۪
وَلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ
ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡاۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ
هُزُوًا ۚ وَّاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اَنۡزَلَ
عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡاۤ اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۲۳۱﴾

۲۳۱ اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ
جائیں ۳۴۸ تو انہیں بھلے طریقہ سے روک لو یا بھلے طریقہ سے
رخصت کرو۔ انہیں ستانے کی غرض سے روکے نہ رکھو کہ اسطرح زیادتی
کے مرتکب ہو۔ اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے ہی اوپر ظلم کرے گا۔ اللہ کی
آیات کو مذاق نہ بناؤ ۳۴۹۔ اللہ کے احسان کو اور اس بات کو یاد
رکھو کہ اس نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی جسکے ذریعہ وہ تمہیں
نصیحت فرماتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا
ہے۔ ۳۵۰

وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ
فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا
بَيۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ
ذٰلِكَ يُوۡعَظُ بِهٖ مَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ
وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمۡ اَزۡكٰى لَـكُمۡ وَاَطۡهَرُ ؕ وَاللّٰهُ
يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۲﴾

۲۳۲ اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو
پھر انہیں اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ معروف
طریقہ پر باہم رضامندی سے معاملہ طے کریں۔ ۳۵۱ یہ نصیحت تم
میں سے ہر اس شخص کو کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا
ہے۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ اور ستھرا طریقہ ہے۔ ۳۵۲ اللہ
جانتا ہے تم نہیں جانتے ۳۵۳۔

۳۳۹۔ **طلاق** ایک شرعی اصطلاح ہے جس کے معنیٰ بیوی کو قیدِ نکاح سے آزاد کردینے کے ہیں۔ اسلام نے ازدواجی رشتہ کو مضبوط اور پائیدار بنانے کے لئے نہایت واضح احکام دیئے ہیں لیکن اس حقیقت کے پیش نظر کہ بعض حالات میں اس رشتہ کا برقرار رہنا مفسدہ کا باعث بن جاتا ہے۔ طلاق کی اجازت دیدی ہے تاکہ میاں اور بیوی کو تلخ زندگی گذارنے پر مجبور نہ ہونا پڑے۔ اسلام نے اپنے عائلی قوانین میں جہاں طلاق کی گنجائش رکھی ہے وہاں اسے ایک ناپسندیدہ چیز بھی قرار دیا ہے چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ابغضُ الحلالِ الٰی اللہِ الطلاقُ۔ (ابوداؤد)

"اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ھے۔"

گویا شریعت کا منشاء یہ ہے کہ شوہر طلاق دینے کا یہ اختیار اس صورت میں استعمال کرے جب کہ وہ ناگزیر خیال کرتا ہو۔

شریعت نے طلاق کی جو صحیح شکل تجویز کی ہے اس کو بھی سمجھنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ کے بعض احکام آگے آرہے ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ اسلام نے جہاں مرد کو طلاق کا اختیار دیا ہے وہاں عورت کے لئے بھی مرد سے چھٹکارا پانے کی کچھ صورتیں تجویز کی ہیں جن میں سے ایک صورت خلع کی ہے، جس کا حکم اسی آیت میں موجود ہے۔

طلاق کا حکم شریعت موسوی میں موجود تھا لیکن اہل کتاب نے اس میں بڑی بے اعتدالی اختیار کی۔ یہودیوں نے اسے نہایت آسان بنادیا اور نصاریٰ نے نہایت مشکل۔

چنانچہ موجودہ تورات میں ہے۔

"اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے اور پیچھے اس میں کوئی ایسی بیہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف اسکی التفات نہ رہے تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالہ کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے اور جب وہ اس کے گھر سے نکل جائے تو دوسرے مرد کی ہوسکتی ہے" (استثناء ۲۴:۱۔۲)

یہود کے ہاں یہ قاعدہ بھی تھا کہ طلاق دینے کے بعد شوہر اسے پھر اپنی زوجیت میں واپس نہیں لے سکتا تھا۔

"اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے اور گھر میں شاگردوں نے اس سے اس بابت پھر پوچھا۔ اس نے ان سے کہا کہ کوئی اپنی بیوی کو چھوڑدے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے اور عورت اگر اپنے شوہر کو چھوڑدے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔" (مرقس ۱۰:۹۔۱۲)

اس بنا پر نصاریٰ نے طلاق کو مطلقاً حرام قرار دیا اور صرف اس صورت میں جائز رکھا جب کہ بیوی زنا کی مرتکب ہو۔ لیکن اگر حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر اختیار کیا جائے تو زنا کے علاوہ اور اسباب بھی طلاق کے لئے معقول قرار دیئے جاسکتے ہیں چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس کا مؤلف لکھتا ہے۔

" Although it is evident that adultery affects the marrigage relation more closely than any other offence, yet it may fairly be said that there are other things which may make married life so intolerable, and the perfect ideal union so impossible that if divorce or seperation be allowed at all, the grounds for such seperation ought not in reason to be confined to the one offence of adultery ... there are offences which make life so intolerable that there can be no restoration of affection, that, where the tie of affection has been absolutely . destroyed, the real vinculum has been raptured and that therfore, such offences may rightly be put in the same category as conjugal infidelity in the strict sense of the word. (Encyclopedia of Religion and Ethics V.VIII P.438)

اسلام کا موقف دو انتہاؤں کے درمیان اعتدال کا ہے، چنانچہ اس نے ایک طرف طلاق کو ناپسندیدہ قرار دیا تو دوسری طرف طلاق کے اختیار کو استعمال کرنے کے سلسلہ میں حدود و شرائط بھی متعین کردیئے۔

۳۴۰۔ "طلاق دو مرتبہ ہے" کا مطلب یہ ہے کہ رجعی طلاق (Revocable divorce) کا موقع دوبار ہے بالفاظ دیگر طلاق اسلام میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ آدمی ایک ہی جھٹکے میں رشتۂ نکاح کو ختم کرکے رکھدے بلکہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنیکا اس کو دومرتبہ موقع دیا گیا ہے وہ نہ صرف پہلی بار طلاق دینے کے بعد رجوع کرسکتا ہے بلکہ دوسری بار طلاق دینے پر بھی رجوع کا موقع باقی رہتا ہے البتہ اس نے اگر تیسری دفعہ طلاق دینے کا فیصلہ کیا اور طلاق دیدی تو پھر رجوع کا موقع

باقی نہیں رہتا جس کا حکم آگے آرہا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں مرد بار بار طلاق دیتا اور رجوع کرتا رہتا جس سے عورت کی زندگی دوبھر ہوجاتی قرآن نے اس ظلم کا سدباب کیا اور رجعی طلاقوں کو دو مرتبہ تک کے لئے محدود کردیا اگر کسی نے اپنی عمر میں تیسری مرتبہ اس بیوی کو طلاق دے دی تو پھر اسے رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا۔

اسلام میں طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ عورت کے حالت طہر میں ہونے کی صورت میں جس میں مجامعت نہ کی گئی ہو ایک طلاق دیدی جائے۔ اس کے بعد عورت کو عدت گذارنا ہوگی (جو تین ایام ماہواری یا حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل تک کی مدت ہے) اس عدت کے دوران شوہر کو رجوع کا حق ہوگا لیکن اگر شوہر رجوع کرنا نہیں چاہتا تو عدت گزرنے دے۔ عدت گذر جانے پر عورت قید سے آزاد ہوجائیگی لیکن دونوں کے لئے باہم رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنے کا موقع باقی رہے گا، رجوع کرنے یا دوبارہ نکاح کرنے کے بعد اگر شوہر نے دوسری مرتبہ طلاق دے دی تو اسے پھر دوران عدت رجوع کرنے اور عدت گذر جانے پر باہم رضامندی سے نکاح کرنے کا موقع حاصل رہے گا۔ لیکن اگر دوسری مرتبہ رجوع کرنے یا نکاح کرنے کے بعد شوہر نے تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو یہ طلاق مغلظ (Absolute) ہوگی جس کے بعد نہ رجوع کا حق باقی رہتا ہے اور نہ باہم رضامندی سے نکاح کیا جاسکتا ہے تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور وہ اسے اپنی مرضی سے طلاق نہ دیدے۔

سورۂ طلاق میں جو بعد میں نازل ہوئی یہ حکم صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ طلاق عدت کے لئے دی جائے۔

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔ (الطلاق۔۱) ''جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے لئے طلاق دو۔''

اس سے قرآن کا یہ منشاء بخوبی واضح ہوتا ہے کہ کوئی طلاق بغیر عدت کے وقفہ کے نہیں ہونی چاہئے بالفاظ دیگر دو مرتبہ کی طلاقیں عدت کے دو وقفوں کو مستلزم ہیں۔

رہا بیک وقت تین طلاقیں دینے کا طریقہ تو یہ شرعی نہیں بلکہ خلاف شرع اور خلاف سنت ہے۔ لوگ شرعی احکام سے ناواقفیت کی بنا پر یا غصہ اور جذبات کی حالت میں طلاق طلاق طلاق یا تین طلاق کے الفاظ ایک ہی مجلس میں کہہ دیتے ہیں ایسی طلاق پر تین طلاق، طلاق مغلظ (Absolute divorce) کا حکم منطبق کرنا نہ قرآن کا منشاء ہے اور نہ کوئی معقول اور منصفانہ بات ہے اس لئے قرین صواب یہی ہے کہ اکٹھی تین طلاقوں کو ایک طلاق رجعی کے حکم میں رکھا جائے تاکہ مرد کو اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے اور رجوع کرنے کا پورا موقع ملے جسے ایک اہم قاعدہ کی حیثیت سے قرآن نے اپنے ضابطۂ طلاق میں شامل کیا ہے۔

۳۴۱۔ یعنی دو طلاقوں کی حد تک شوہر چاہے تو عدت کے دوران رجوع کرسکتا ہے البتہ یہ رجوع بھلے اور شریفانہ طریقہ پر بیوی بنائے رکھنے کی غرض سے ہونا چاہئے نہ کہ ستانے اور پریشان کرنے کی غرض سے۔

۳۴۲۔ یعنی اگر رخصت کرنا ہو تو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کرو۔ جس بیوی کے ساتھ محبت کے تعلقات رہ چکے ہیں اور جو صنف نازک بھی ہے اس کو کچھ دے دلا کر احسان کے ساتھ رخصت کرنا ہی مرد کے شایان شان ہے۔

۳۴۳۔ طلاق کی صورت میں مرد کو نہ مہر واپس طلب کرنا چاہئے اور نہ وہ تحفے تحائف جو اس نے بیوی کو دئے ہوں۔ کیونکہ دی ہوئی چیز کو واپس لینا جبکہ مرد خود ہو کر عورت کو چھوڑ رہا ہو اخلاقاً صحیح نہیں ہے اور مہر تو عورت کا حق ہی ہے اس لئے اس کو واپس لینے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا، البتہ خلع کی صورت اس سے مستثنیٰ ہے جس کا بیان اس کے متصلاً بعد ہوا ہے۔

۳۴۴۔ یعنی ازدواجی تعلقات کو برقرار رکھنے کیلئے جن حدود کا لحاظ ضروری ہے اگر ان کا لحاظ شوہر اور بیوی نہیں رکھ سکتے تو بیوی فدیہ کے طور پر شوہر کو کچھ دیکر یا مہر واپس کرکے چھٹکارا حاصل کرسکتی ہے جسے اصطلاح میں ''خلع'' کہتے ہیں'' اگر تمہیں اندیشہ ہو'' کا خطاب مسلم معاشرہ سے ہے اور مسلم معاشرہ اپنی یہ ذمہ داری عدالت کے ذریعہ پوری کرسکتا ہے اسلئے اگر عورت خلع چاہتی ہو اور مرد اس کیلئے آمادہ نہ ہو تو عورت کو یہ حق ہے کہ معاملہ اسلامی عدالت میں لے جائے۔ اور عدالت یہ اطمینان کرلینے کے بعد کہ دونوں کا نباہ نہیں ہوسکتا خلع کا فیصلہ کریگی اور حالات کے لحاظ سے فدیہ کی مقدار بھی متعین کریگی۔ اس سے واضح ہے کہ اسلام نے جہاں مرد کو طلاق کا اختیار دیا ہے وہیں عورت کو بھی خلع کا حق دیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلام کے عائلی قوانین کمال درجہ کے اعتدال اور

توازن پر مبنی ہیں۔خلع کی صورت میں نکاح فسخ ہوگا یا ایک طلاق بائنہ واقع ہوگی یعنی شوہر کو رجوع کا حق نہیں ہوگا البتہ اگر شوہر اور بیوی دونوں چاہیں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

۳۴۵۔ یہ تنبیہ ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کے احکام وقوانین کا لحاظ نہیں کرتے اور ان کو توڑتے ہیں۔اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کے عائلی قوانین میں ترمیم یا ان کی تنسیخ کے درپے ہونا قرآن کی نظر میں کتنا بڑا گناہ ہے۔

۳۴۶۔ مراد تیسری مرتبہ کی طلاق ہے۔اوپر گذر چکا کہ شوہر اپنی زندگی میں دو مرتبہ طلاق دیکر عدت کے اندر رجوع کرسکتا ہے۔یہاں تیسری مرتبہ دی جانیوالی طلاق کا حکم بیان کیا جارہا ہے۔

۳۴۷۔ یعنی اگر شوہر نے تیسری مرتبہ طلاق دے دی تو پھر وہ عورت اس شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی، جب تک کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے، اور پھر وہ اس کو طلاق نہ دے۔اگر اس دوسرے شوہر نے طلاق دی یا اس کا انتقال ہوگیا تو وہ عورت اپنے سابق شوہر سے دوبارہ نکاح کرسکتی ہے۔اس حکم کی مصلحت یہ ہے کہ **لوگ طلاق کو کھیل بناکر عورت کو تنگ نہ کیا کریں** بلکہ سوچ سمجھ کر طلاق کا فیصلہ کیا کریں یہ حکم تیسری مرتبہ یعنی تیسرے موقع پر دی جانے والی طلاق کا ہے نہ کہ بیک وقت طلاق طلاق طلاق یا تین طلاق کے الفاظ کہہ دینے کا جس کی تفصیل اوپر نوٹ ۳۴۰ میں گزر چکی۔

واضح رہے کی تیسری مرتبہ طلاق دینے کی صورت میں اس شوہر کے لئے اس بیوی کے حلال ہونے کی جو شرط بیان کی گئی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حیلہ کے طور پر کسی سے اس شرط پر اس کا نکاح کرائے کہ وہ نکاح کے بعد اسے طلاق دے دیگا۔

اس حکم کا منشاء یہ ہے کہ اگر یہ عورت اپنی مرضی سے کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرلیتی ہے ایسا نکاح جو معروف ہے اور جس میں طلاق کی شرط نہیں ہوتی، لیکن اس نکاح کے بعد اگر وہ طلاق دے دیتا ہے تو پھر یہ عورت اپنے سابق شوہر سے دوبارہ نکاح کرسکتی ہے۔

تیسری مرتبہ کی اس طلاق کو اصطلاحاً طلاق مغلظہ بائنہ (Irrevocable and absolute divorce) کہا جاتا ہے۔

۳۴۸۔ یعنی عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرسکتے ہو۔

۳۴۹۔ یہاں اللہ کی آیات سے مراد اس کے احکام وقوانین ہیں۔

۳۵۰۔ انسان کے دل میں اللہ کا جتنا ڈر ہوگا اور اس کے علیم ہونے (His Omniscience) کا جتنا یقین ہوگا اتنا ہی وہ اللہ کی نافرمانی سے بچ سکے گا۔

۳۵۱۔ یعنی جب مطلقہ عورتیں اپنی عدت پوری کرلیں تو وہ معروف طریقہ پر اپنی پسند کا نکاح کرنے کے معاملہ میں آزاد ہیں۔اگر مطلقہ سابق شوہر سے دوبارہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو عورت کے خاندان والوں کو اس میں رکاوٹ نہیں پیدا کرنا چاہئے اور اگر وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہو تو سابق شوہر کو ایسی کوشش نہیں کرنا چاہئے کہ جس کو اس نے چھوڑا ہے اس سے کوئی نکاح نہ کرے۔

اس آیت سے نکاح کے باب میں شریعت کا یہ اہم قاعدہ واضح ہوتا ہے کہ مطلقہ عورت اپنے نکاح کے معاملہ میں ولی کی اجازت کی پابند نہیں بلکہ معروف طریقہ پر وہ اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

۳۵۲۔ یعنی ظاہری اور باطنی پاکیزگی اسی طریقہ میں ہے کہ مطلقہ عورت کو اس کی مرضی کے مطابق نکاح کرنے دیا جائے۔اگر فضول رسموں وغیرہ کی وجہ سے دوسری شادی میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں تو عورت کے غلط راہ پر پڑنے اور اس سے غیر اخلاقی حرکتیں سرزد ہونے کا اندیشہ ہے۔

۳۵۳۔ یعنی تمہارا علم بہت محدود ہے۔زندگی کے حقیقی مصالح کا علم اللہ ہی کو ہے اس لئے وہ جو احکام تمہیں دے رہا ہے اس پر عمل کرو۔

انسان کا علم اتنا ہمہ گیر اور اس کی نظر اتنی وسیع نہیں ہوتی کہ وہ انسانی زندگی کے حقیقی مصالح کا احاطہ کرسکے اس لئے انسان کے خود ساختہ عائلی قوانین (Family Laws) اس کے لئے مفید ثابت نہیں ہوتے برخلاف اس کے قرآن کے عائلی قوانین خدائے علیم وحکیم کی طرف سے ہیں اس لئے وہ زندگی کے حقیقی مصالح پر مبنی ہیں اور ان کا مفید ہونا شبہہ سے بالاتر ہے۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ
يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ
لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ
لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ
تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۭ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ
تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ
بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

۲۳۳ اور مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں ۳۵۴؎ یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔۳۵۵؎ اور جس شخص کا بچہ ہے اس کو معروف طریقہ سے ان کو کھانا اور کپڑا دینا ہوگا۔۳۵۶؎ کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے نہ کسی ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے۔اور اسی طرح کی ذمہ داری وارث پر بھی ہے ۳۵۷؎ لیکن اگر دونوں باہمی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔اور اگر تم اپنے بچوں کو کسی اور سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ تم نے جو کچھ طے کیا ہے معروف طریقہ پر ادا کرو۔اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

۲۳۴ اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو ان (بیویوں) کو چاہئے کہ چار ماہ دس دن تک توقف کریں۔۳۵۸؎ پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو معروف طریقہ پر وہ جو کچھ اپنے لئے کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں۔اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ باخبر ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ
فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ
سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ
حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ
اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

۲۳۵ اور اس بات میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو نکاح کا پیغام اشارہ کنایہ میں دیدو یا اسے اپنے دل میں پوشیدہ رکھو۔اللہ جانتا ہے کہ تم ان کو یاد کرو گے مگر ان سے (نکاح کا) خفیہ قول وقرار نہ کرو۔ہاں معروف طریقہ پر کوئی بات کہہ سکتے ہو۔اور عقد نکاح کا فیصلہ اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ عدت پوری نہ ہوجائے۔۳۵۹؎ جان رکھو کہ اللہ کو تمہارے دلوں کا حال معلوم ہے لہٰذا اس سے ڈرو۔اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔۳۶۰؎

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاۗءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ
تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ښ وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ
عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

۲۳۶ اگر تم عورتوں کو ہاتھ لگانے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دے دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، البتہ انہیں کچھ دو۔صاحب وسعت اپنی مقدرت کے مطابق اور تنگدست اپنی مقدرت کے مطابق معروف طریقہ سے دے ۳۶۱؎۔ یہ حق ہے نیکوکاروں پر ۳۶۲؎۔

۳۵۴۔ اس آیت میں رضاعت (بچوں کے دودھ پلانے) کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ طلاق کی صورت میں اگر عورت کی گود میں دودھ پیتا بچہ ہوتو ایک بڑا مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے اور اس زمانہ میں تو پاؤڈر کے دودھ وغیرہ کی سہولتیں میسّر نہیں تھیں بلکہ بچہ کی غذا کا انحصار ماں یا دایہ کے دودھ پر ہوتا تھا نیز بچہ کے لئے ماں کا دودھ ہی فطری اور بہترین غذا ہے۔ اس لئے طلاق کی صورت میں بچہ کی حق تلفی نہ ہو اس کی ہدایت اس آیت میں کی گئی ہے۔

۳۵۵۔ رضاعت کی مدت دوسال ہے لہٰذا مطلقہ پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ پورے دوسال اپنے بچہ کو دودھ پلائے بشرطیکہ بچہ کا باپ پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے۔

۳۵۶۔ یعنی مدت رضاعت میں بچہ کے باپ پر مطلقہ کے کھانے کپڑے کی ذمہ داری ہے۔ یہ نفقہ معروف کے مطابق ادا کرنا ہوگا۔ یعنی بچہ کے باپ کی حیثیت اور حالات کے پیش نظر جسے معقول اور منصفانہ کہا جاسکے۔

۳۵۷۔ یعنی اگر بچہ کے باپ کا انتقال ہوگیا ہے تو نفقہ کی یہ ذمہ داری اس کے وارث پر ہوگی۔

۳۵۸۔ شوہر کا انتقال ہوجانے کی صورت میں عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک ہے۔ (ملاحظہ ہو سورۂ طلاق آیت ۴) مطلقہ کے مقابلہ میں بیوہ کی عدت زیادہ مقرر کرنے میں شوہر کے سوگ وغیرہ کی مصلحتیں شامل ہیں۔ عورت کو شوہر کے انتقال سے جو صدمہ پہنچتا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ اسے فوراً شوہر کا گھر چھوڑنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے اور وہ اس مدت میں ہمدردی کی مستحق قرار پائے۔ عدت کے گذر جانے پر وہ معروف طریقہ پر جو قدم مناسب خیال کرے اٹھاسکتی ہے۔ اس معاملہ میں غیر شرعی رسوم حائل نہیں ہونے چاہئیں۔ اگر وہ نکاح کرنا چاہتی ہے تو اسے طعنے دیکر روکنا نہیں چاہئے۔

بعض سماجوں میں بیوہ کے نکاح کو معیوب خیال کیا جاتا رہا ہے اور کسی سماج میں تو شوہر کی لاش کے ساتھ ستی میں جلنا پسندیدہ رہا ہے لیکن اسلام نے ان رسومات کے علی الرغم بیوہ کو عدت گذارنے کے بعد اپنی مرضی سے دوسرا نکاح کرنے کی آزادی دی اور اسے پسندیدہ قرار دیا۔

۳۵۹۔ عدت کے دوران نہ نکاح کرنا جائز ہے اور نہ نکاح کا صریح طور سے پیغام دینا جائز ہے۔

۳۶۰۔ یعنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ گرفت نہیں کرتا۔ اگر تمہاری نیت درست ہے تو امید رکھو کہ وہ تمہارے قصور معاف فرمائیگا۔

۳۶۱۔ یعنی کسی شخص نے نکاح کرلیا لیکن زن وشوئی کا تعلق قائم کرنے سے پہلے عورت کو طلاق دیدی اور اس کا مہر بھی مقرر نہیں کیا تھا تو ایسی صورت میں شوہر کو چاہئے کہ اپنی مقدرت کے مطابق معروف طریقہ پر کچھ دیکر اسے رخصت کرے۔ کیونکہ رشتہ ٹوٹنے سے عورت کو کچھ نہ کچھ نقصان پہنچ ہی جاتا ہے جس کی تلافی مشکل ہے تاہم ہدیہ پیش کرنے کی صورت میں اخلاقی اور نفسیاتی طور پر اچھے اثرات ہی مرتب ہوں گے۔

۳۶۲۔ یعنی اگر نیک روی اختیار کرنا چاہتے ہو تو اس حق کو حق سمجھ کر ادا کرو۔

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۷﴾

۲۳۷ اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو اور مہر مقرر کر چکے ہو تو مقررہ مہر کا نصف دینا ہوگا ۳۶۳؎ الا یہ کہ وہ رعایت کر دیں یا وہ مرد جس کے ہاتھ میں عقدۂ نکاح ہے ۳۶۴؎ رعایت کر دے۔ اور تم (مرد) رعایت کرو تو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ آپس میں احسان کرنا نہ بھولو۔ ۳۶۵؎ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿۲۳۸﴾

۲۳۸ نمازوں ۳۶۶؎ کی محافظت کرو ۳۶۷؎ خصوصاً صلاۃِ وسطیٰ (درمیان والی نماز) کی۔ ۳۶۸؎ اور اللہ کے حضور کھڑے ہو عجز و نیاز میں ڈوبے ہوئے۔ ۳۶۹؎

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

۲۳۹ اگر تم حالت خوف میں ہو تو پیدل یا سوار جس طرح بن سکے نماز ادا کرو۔ ۳۷۰؎ پھر جب امن میسر آجائے تو اللہ کو اس طریقہ پر یاد کرو ۳۷۱؎ جو اس نے تمہیں سکھلایا ہے ۳۷۲؎ جس کو تم نہیں جانتے تھے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۴۰﴾

۲۴۰ اور تم میں سے جو لوگ وفات پائیں ۳۷۳؎ اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں، وہ اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک انہیں نان نفقہ دیا جائے اور وہ گھر سے نکالی نہ جائیں۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو وہ معروف طریقہ پر جو کچھ اپنے لئے کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں ۳۷۴؎۔ اللہ غالب ہے حکمت والا۔ ۳۷۵؎

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۴۱﴾

۲۴۱ اور مطلقہ عورتوں کو معروف طریقہ پر متاع دیا جائے ۳۷۶؎۔ یہ حق ہے ۳۷۷؎ متقیوں پر۔

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۴۲﴾

۲۴۲ اس طرح اللہ اپنے احکام واضح فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۴۳﴾

۲۴۳ کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور نہیں کیا ۳۷۸؎ جو ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل گئے تھے؟ اللہ نے ان سے فرمایا کہ مر جاؤ، پھر اس نے انہیں زندہ کیا ۳۷۹؎ بے شک اللہ لوگوں پر بڑا مہربان ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۴۴﴾

۲۴۴ اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور یہ جان رکھو کہ اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ ۳۸۰؎

۳۶۳۔ اگر کسی نے زن وشوئی کا تعلق قائم کرنے سے پہلے طلاق دے دی لیکن مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو ایسی صورت میں اسے مقررہ مہر کا نصف ادا کرنا ہوگا الا یہ کہ عورت نرمی سے کام لیکر اپنے مہر میں تخفیف کر دے یا شوہر نرمی سے کام لیکر پورا پورا مہر ادا کر دے اور قرآن نے مرد کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے مرتبہ کا خیال کر کے اس معاملہ میں فیاضی کا ثبوت دے۔

۳۶۴۔ متن کے الفاظ اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ (مرد جس کے ہاتھ میں عقدۂ نکاح ہے) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ نکاح کی گرہ کھولنا (طلاق) مرد کے ہاتھ میں ہے۔ شریعت نے یہ اختیار مرد کو دیا ہے اسلئے مرد کے ہاتھ سے یہ اختیار چھین کر عدالت کو دینے کا موجودہ رجحان غلط اور شریعت کے خلاف ہے۔

۳۶۵۔ یعنی معاشرتی زندگی میں خوشگواری صرف قانونی حقوق کی ادائیگی سے نہیں بلکہ فیاضانہ برتاؤ سے پیدا ہوتی ہے۔

۳۶۶۔ شرعی احکام وقوانین کے بیان کا جو سلسلہ آیت ۱۶۸ سے چل رہا تھا وہ یہاں ختم ہو رہا ہے اس لئے اس کے اختتام پر نمازوں کی حفاظت کی تاکید کر دی گئی ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ شریعت کی اقامت، نماز کی اقامت پر منحصر ہے۔ جو شخص نماز کی پابندی کرتا ہے اس کے اندر خدا پرستانہ اور ذمہ دارانہ زندگی گذارنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور احکام الٰہی پر عمل کرنے کی راہ اسکے لئے آسان ہو جاتی ہے لیکن جو شخص نماز کی پابندی نہیں کرتا اس کے لئے یہ راہ مشکل ہوتی ہے اس لئے کہ اس پر آمادہ کرنے کے لئے جو احساس اور جذبہ مطلوب ہے وہ اسکے اندر پیدا نہیں ہوتا۔

۳۶۷۔ نماز کی محافظت کا مطلب یہ ہے کہ پابندی کے ساتھ وقت پر نماز ادا کی جائے اور اس بات کا پورا خیال رکھا جائے کہ کوئی نماز فوت نہ ہو یہاں تک کہ مشکل اور پُر خطر حالات میں بھی نماز ادا کی جائے۔

۳۶۸۔ متن میں ''وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جن کے معنیٰ ''بیچ کی نماز'' کے ہیں۔ اس سے مراد نماز عصر ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔ غزوۂ خندق کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''شَغَلُوْنَا عَنِ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی صَلَاۃِ الْعَصْرِ ''دشمنوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ عصر سے باز رکھا۔'' (صحیح مسلم)

اور ترمذی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صَلٰوۃُ الْوُسْطٰی صَلٰوۃُ الْعَصْرِ'' صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ عصر ہے'' (ترمذی۔ ابواب الصلوٰۃ)

اسلام نے شب وروز میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کر دی ہیں جن کا آغاز نماز فجر سے ہوتا ہے اور اختتام نماز عشاء پر۔ اس لحاظ سے عصر کی نماز ہی پر بیچ کی نماز کا اطلاق ہوتا ہے۔ عصر کا وقت دن کے آخری مرحلہ کی حیثیت رکھتا ہے جسمیں عام طور پر کاروباری مصروفیتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ ان مصروفیتوں کے دوران نمازِ عصر کی ادائیگی ایک مشکل کام ہے اگر اس کا خیال نہ رکھا جائے تو اس کے فوت ہو جانے کا امکان ہے اسلئے اس نماز کی نگہداشت کرنیکی خاص طور سے تاکید کی گئی ہے۔

۳۶۹۔ یہ نماز کے باطنی اوصاف کی طرف اشارہ ہے یعنی جہاں نماز کے ظاہری آداب اوقات کی پابندی وغیرہ کا خیال رکھنا ضروری ہے وہاں نماز کے باطنی آداب کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ نماز کی اصل روح اللہ کے حضور عجز و نیاز اور خشوع وخضوع ہے اس لئے جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو اسی کیفیت کے ساتھ اسکی طرف متوجہ ہوں۔

۳۷۰۔ یعنی اگر دشمن نے خطرہ کی حالت پیدا کی ہو تو سوار ہو یا پیدل جس حال میں ہو اسی حال میں نماز ادا کرو۔ اگر قبلہ رخ نہیں تو جو رخ بھی ہو اور اگر سجدہ نہیں کر سکتے تو جس حد تک سر کو جھکا سکو بہر صورت وقت پر نماز کی ادائیگی ضروری ہے اور خطرے کی حالت میں نماز کی محافظت یہی ہے کہ جس طرح ممکن ہو نماز ادا کی جائے۔

عین لڑائی میں سپاہیوں کو نماز ادا کرنے کی تاکید اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام کا تصوّر جنگ کتنا پاکیزہ ہے اور وہ مجاہدین کو کتنی اعلیٰ تربیت دینا چاہتا ہے اس تاکیدی حکم سے یہ بات واضح ہوتی کہ جنگ کے موقع پر نماز قضا نہیں کی جاسکتی الاّ یہ کہ اشارہ سے بھی نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو تو پھر اس سے کم درجہ کے عذرات مثلاً سفر وغیرہ میں نماز قضا کرنے کی گنجائش کہاں ہوسکتی ہے؟ وقت پر نماز لازماً ادا کرنا چاہئیے اور اسی مقصد سے شریعت نے رخصتیں اور سہولتیں دی ہیں ورنہ اگر نماز قضا کرنا جائز ہوتا تو یہ رخصتیں نہ دی جاتیں۔

۳۷۱۔ یہاں نماز کو اللہ کے ذکر (یاد) سے تعبیر فرمایا ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نماز سرتاسر اللہ کا ذکر ہے۔

۳۷۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق نماز ادا کرو اللہ تعالیٰ نے نماز کا طریقہ قرآن اور سنت نبوی دونوں کے ذریعہ سکھایا ہے قرآن میں نماز سے متعلق بنیادی احکام دیئے گئے ہیں اور تفصیلات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں موجود ہیں اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

صَلُّو کَمَا رَأَیتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (مشکوٰۃ)

(اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو)

اس سے واضح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اللہ ہی کی تعلیم ہے اور قرآن کے ساتھ سنت لازم وملزوم ہے۔

۳۷۳۔ سلسلۂ کلام نماز پر ختم ہوگیا تھا اس کے بعد دو آیتوں میں ضمیمہ کے طور پر بیوہ اور مطلقہ سے متعلق ضمنی ہدایت بیان کی گئیں جو بعد میں بطور وضاحت نازل ہوئی تھیں۔

۳۷۴۔ آیت ۲۳۴ میں بیوہ عورتوں کی عدت بیان ہوچکی ہے ان کے متعلق مزید وضاحت کے طور پر یہ ہدایت نازل ہوئی کہ مردوں کو چاہئیے کہ وہ اپنی وفات کے وقت اپنی بیویوں کے حق میں ایک سال کے لئے اپنے مال میں سے نان نفقہ اور اپنے گھر میں سکونت کی وصیت کر جائیں تاکہ ان کے انتقال کے بعد انہیں کھانے پینے اور رہنے سہنے کی مشکلات کا فوری طور سے سامنا نہ کرنا پڑے اس وصیت کے بعد عدت گذر جانے پر وہ خود اپنی مرضی سے شوہر کا گھر چھوڑ دیں تو انہیں اپنی سکونت اور نکاح ثانی وغیرہ کے بارے میں معروف طریقہ پر فیصلہ کرنے کا حق ہے۔ ایسی صورت میں میت کے ورثاء کو چاہئیے کہ وہ اسے شوہر کے گھر میں رہنے کے لئے مجبور نہ کریں۔

۳۷۵۔ اللہ غالب ہے اس لئے شرعی احکام دینا اسی کا حق ہے اور وہ حکیم ہے اسلئے اس کے احکام حکمت پر مبنی ہے۔

۳۷۶۔ متن میں لفظ ''متاع'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی ''فائدہ کی چیز'' کے ہیں۔ اس کا اطلاق نفقہ پر بھی ہوتا ہے جیسا کہ اوپر آیت ۲۴۰ میں ہوا ہے (یعنی ان لوگوں کو جو وفات پا رہے ہوں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک متاع (نفقہ) دیا جائے اور طلاق کے موقعہ پر دئے جانیوالے رخصتی ہدیہ پر بھی جس کو **مُتعۃُ الطلاق** کہا جاتا ہے آیت ۲۳۶ میں مَتِعُوْ ھُنّ (انہیں متاع دو، فائدہ پہنچاؤ) سے رخصتی ہدیہ ہی مراد ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آیت زیر تفسیر میں متاع سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں امام رازی نے اپنی تفسیر میں دونوں قول نقل کئے ہیں اور نفقہ کے معنیٰ کو ترجیح دی ہے (ملاحظہ ہو التفسیر الکبیر ج ۶ ص ۱۶۱) لیکن نفقہ مراد لینے کی صورت میں عدت تک کا نفقہ ہی مراد لیا جاسکتا ہے کیونکہ سورۂ طلاق میں طلاق دی ہوئی عورتوں پر ان کی عدت پوری ہونے تک خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے جن مفسرین نے متاع سے نفقہ مراد لیا ہے انہوں نے یہ بات عدت تک کے نفقہ کو معہود (Understood) مان کر ہی کہی ہے ورنہ کسی مفسر نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ اس آیت کی رو سے مطلقہ کے لئے تاعقد ثانی یا تاحیات نفقہ واجب ہے۔

عام طور سے مفسرین نے اس آیت میں متاع سے متعۃُ الطلاق یعنی **رخصتی ھدیه** مراد لیا ہے اور یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی یہ ہدایت کی گئی ہے کہ طلاق کی صورت میں عورتوں کو کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچاؤ اور انہیں بھلے طریقہ پر رخصت کرو۔ یہ رخصتی ہدیہ عورت کی دلجوئی

کا باعث اور اس زخم پر مرہم رکھنے کے مترادف ہے جو طلاق کے ذریعہ اس کو پہنچتا ہے۔

یہ متاع ہر مطلقہ کے لئے واجب ہے کیونکہ آیت میں عمومیت کے ساتھ ''مطلقات'' کو متاع دینے کی ہدایت کی گئی ہے نیز یہ حکم طلاق کے احکام بیان کرنے کے بعد اخیر میں دیا گیا ہے جس کی حیثیت اختتامی ہدایت کی ہے اس لئے اس حکم میں ہر قسم کی مطلقہ عورتیں شامل ہیں اور جس تاکید کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ رئیس المفسرین ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک اس مسئلہ میں زیادہ قرین صواب اس شخص کا قول ہے جو ہر قسم کی مطلقہ عورتوں کے لئے متعہ کا قائل ہے کیونکہ۔۔۔۔۔۔اللہ تعالیٰ نے یہ حق ہر مطلقہ کے لئے مقرر کیا ہے اور ان میں سے کسی کی تخصیص نہیں فرمائی۔'' (جامع البیان ج ۲ ص ۳۳۱)

رہی متاع کی مقدار تو قرآن نے کوئی مقدار متعین نہیں کی ہے بلکہ معروف طریقہ پر ادا کرنے کا حکم دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق ایسا ہدیہ دے جو مناسب اور کریمانہ اخلاق کا مظہر ہے۔ ماضی میں اگر مرد اپنی مطلقہ کو خدمت کے لئے غلام فراہم کرتا رہا ہے تو موجودہ زمانہ میں جب کہ مطلقہ کے نفقہ کا مسئلہ وقت کا ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے کوئی ایسی چیز ہبہ کرنا جو مطلقہ کے لئے آمدنی کا ذریعہ بنے یا عدت کے بعد مرد کا خوش دلی کے ساتھ مطلقہ کا نفقہ کا انتظام کرنا ایک مستحسن بات ہوگی۔

۳۷۷۔ یہ الفاظ واضح طور سے وجوب پر دلالت کرتے ہیں یعنی ہر قسم کی مطلقہ عورتوں کو متاع (رخصتی ہدیہ) دینا ہر اس شخص پر جو اللہ کا خوف اپنے دل میں رکھتا ہے واجب ہے۔

یہ تاکیدی حکم ہے اس لئے جن فقہاء نے اس کو محض استحباب (مستحسن) کے معنیٰ میں لیا ہے ان سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا اور جہاں تک تفاسیر کا تعلق ہے سب سے قدیم تفسیر ابن جریر طبری (المتوفی ۳۱۰ھ) کی ہے وہ ہر مطلقہ کے لئے متعۂ طلاق (**رخصتی ھدیہ**) کے وجوب کے قائل ہیں۔

(ملاحظہ ہو جامع البیان فی تفسیر القرآن ج ۲ ص ۳۳۱)

افسوس ہے کہ اس تاکیدی حکم کو مسلمان اس طرح بھلا بیٹھے ہیں کہ گویا بیویوں کو اپنے سے جدا کرنے کے لئے طلاق کا لفظ زبان سے نکالنا کافی ہے۔ اور ان کو حسن و خوبی کے ساتھ رخصت کرنے کی کوئی اخلاقی اور شرعی ذمہ داری ان پر عائد نہیں ہوتی۔ اس غلط ذہنیت نے بہت سے معاشرتی مسائل پیدا کر دئے ہیں۔ کاش وہ قرآن کی ہدایت پر کان دھرتے!

۳۷۸۔ یہاں سے پھر سلسلۂ بیان جہاد و انفاق کی طرف مڑ رہا ہے جس کا آغاز خانۂ کعبہ کو مشرکین کے تسلط سے آزاد کرانے کے تعلق سے ہوا تھا درمیان میں وہ مسائل بیان کر دیئے جو اس وقت کے حالات کے تقاضے کے طور پر ابھر رہے تھے۔

جہاد کے سلسلہ میں یہاں بنی اسرائیل کے ایک واقعہ سے عبرت دلائی گئی ہے۔

۳۷۹۔ یہاں بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا ذکر موجودہ تورات میں سموئیل ''اوّل'' میں موجود ہے سموئیل نبی کے زمانہ (گیارہویں صدی قبل مسیح) میں بنی اسرائیل کی دینی، اخلاقی اور سیاسی حالت بہت خراب تھی ان پر دشمنوں کی ہر طرف سے یورش تھی اور وہ اپنے اندر انکے مقابلہ کی ہمت نہیں پا رہے تھے فلسطینیوں نے ان کو مرعوب کر رکھا تھا اور ان سے وہ صندوق بھی چھین لے گئے تھے جو ان کے ہاں متبرک سمجھا جاتا تھا۔ اور بنی اسرائیل اپنے کئی شہر خالی کر کے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ یہ اخلاقی موت ان پر بیس سال تک طاری رہی لیکن سموئیل نبی کی اصلاحی کوششوں سے ان کے اندر دینی، اخلاقی اور سیاسی بیداری پیدا ہوئی اور وہ اس قابل ہو گئے کہ اپنے جن شہروں کو خالی کر کے وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے انکو واپس لے لیں بائبل کے درج ذیل اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

بقیہ صفحہ ۱۱۷ پر

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

۲۴۵ اور کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے کہ اللہ اس کو کئی گنا بڑھا کر واپس کر دے ۳۸۱۔ اللہ تنگی بھی دیتا ہے اور کشادگی بھی ۳۸۲، اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ۳۸۳۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

۲۴۶ کیا تم نے سرداران بنی اسرائیل کے واقعہ پر غور نہیں کیا ۳۸۴ جو موسیٰ کے بعد پیش آیا تھا ۳۸۵؟ جب کہ انہوں نے اپنے نبی سے کہا ۳۸۶ کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے۔ تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں ۳۸۷۔ اس نے کہا ایسا نہ ہو کہ تم کو جنگ کرنے کا حکم دیا جائے اور پھر تم جنگ نہ کرو کہنے لگے ہم اللہ کی راہ میں کیسے نہیں لڑیں گے جب کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور بال بچوں سے جدا کر دیا گیا ہے؟ مگر جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا تو ایک قلیل تعداد کے سوا سب پھر گئے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰی یَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَیْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَیْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ یُؤْتِیْ مُلْكَهٗ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۷﴾

۲۴۷ ان کے نبی نے ان سے کہا اللہ نے تمہارے لئے طالوت ۳۸۸ کو بادشاہ مقرر کیا ہے ۳۸۹۔ بولے اس کو ہم پر بادشاہی کا کیا حق؟ اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں اور اسے مال کی فراوانی بھی حاصل نہیں ہے۔ نبی نے کہا اللہ نے تم پر حکمرانی کے لئے اسی کو منتخب کیا اور اس کو علم اور جسم (کی صلاحیتوں) میں فراوانی عطا کی ہے ۳۹۰۔ اللہ جسے چاہے اقتدار بخشے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے ۳۹۱۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اٰیَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ التَّابُوْتُ فِیْهِ سَكِیْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

۲۴۸ اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اس کے بادشاہ مقرر کئے جانے کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سامان تسکین اور آل موسیٰ اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی یادگاریں ہیں۔ اس صندوق کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہونگے ۳۹۲۔ اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم مؤمن ہو۔

۳۸۱۔ اللہ کی راہ میں جو مال خرچ کیا جائے اسے اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے تعبیر کیا گیا ہے یہ نہایت بلیغ انداز بیان ہے جس سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ تم جو کچھ اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ رہے گا اور جزا کے دن وہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر تمہیں واپس کرے گا اسلئے یہ سودا گھاٹے کا نہیں بلکہ بھرپور نفع کا ہے۔

''قرض حسن'' سے مراد ایسا قرض ہے جو خلوص اور فراخدلی کے ساتھ محض اللہ کی رضا جوئی کی خاطر دیا جائے اور اپنی محبوب اور پاکیزہ کمائی میں سے دیا جائے۔

۳۸۲۔ یعنی رزق میں تنگی وکشادگی پیدا کرنا اللہ ہی کے اختیار میں ہے لہٰذا تنگی کے اندیشہ سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا صحیح تدبیر نہیں ہے۔

۳۸۳۔ لہٰذا اصل فکر آخرت کی کرنی چاہیئے جہاں سب کو جواب دہی کرنا ہوگی۔

۳۸۴۔ یہاں بنی اسرائیل کی تاریخ کا ایک دوسرا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے جس سے مقصود مسلمانوں کو ان کی سیاسی و اجتماعی زندگی کے بارے میں نہایت اہم سبق دینا ہے۔

۳۸۵۔ یعنی تقریباً گیارہ سو سال قبل مسیح میں۔

۳۸۶۔ مراد سموئیل نبی ہیں جو فلسطین کے کوہستانی علاقہ افرائیم میں رہتے تھے۔ان کا زمانہ (1100 B.C.) قبل مسیح کا ہے۔

۳۸۷۔ اس وقت بنی اسرائیل کے بہت سے شہران کے دشمنوں کے قبضہ میں تھے اسلئے بنی اسرائیل چاہتے تھے کہ جنگ کے ذریعہ اپنے شہروں کو واپس حاصل کرلیں اس وقت حضرت سموئیل کافی بوڑھے ہو چکے تھے اسلئے انہوں نے ان سے یہ درخواست کی کہ وہ ایک بادشاہ (حکمراں) مقرر کریں جس کی سربراہی میں جنگ کی جا سکے۔

۳۸۸۔ بائبل میں طالوت کا نام ساؤل آیا ہے وہ بنی اسرائیل کے ایک چھوٹے قبیلہ بن یمین کا تیس سالہ نوجوان تھا اور ایسا قدآور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے۔

۳۸۹۔ متن میں ''مَلِک'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی صاحب اقتدار کے ہیں یہاں اس سے مراد مطلق العنان بادشاہ(Absolute Monarch) نہیں بلکہ ایسے بااقتدار شخص کے ہیں جو اللہ کے اقتدار اعلیٰ کو مان کر شرعی حدود کے اندر اپنے اختیارات استعمال کرے۔طالوت کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ مقرر کیا تھا۔جس کا اعلان اللہ کے پیغمبر حضرت سموئیل نے کیا تھا اور ان کو بادشاہ مقرر کرنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل ان کی قیادت میں جہاد کریں اور اپنے وہ علاقے واپس لیں جن پر عمالقہ نے قبضہ کر رکھا تھا اس سے ظاہر ہے کہ طالوت کا تقرر محض حکمرانی کے لئے نہیں بلکہ دینی فرائض کی انجام دہی کے لئے ہوا تھا۔اس لئے اس کو ملوکیت کے ہم معنی سمجھنا صحیح نہیں۔

۳۹۰۔ بنی اسرائیل کو طالوت کے بادشاہ مقرر کئے جانے پر اس وجہ سے اعتراض تھا کہ وہ ایک چھوٹے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے جو اثر ورسوخ نہیں رکھتا تھا۔اور مالدار بھی نہیں تھے۔اس کا جواب سموئیل نبی نے یہ دیا کہ یہ اللہ کا انتخاب ہے وہ قیادت کی اہلیت کے لئے دولت، اثر ورسوخ کو نہیں بلکہ علم وعمل کی قوتوں کو دیکھتا ہے اور اس اعتبار سے طالوت موزوں ترین شخص ہے اس وقت جنگ کا مرحلہ درپیش تھا اس لئے ایسے شخص کی ضرورت تھی جو فوج کو کمانڈ کر سکے اور بہترین جنگی تدابیر اختیار کر سکے ،طالوت کے کمان سنبھالنے کے بعد جو کامیابیاں ہوئیں اس نے ثابت کر دکھایا کہ ان کا انتخاب بہت صحیح تھا۔

۳۹۱۔ یعنی تمہاری نظر تنگ اور تمہارا علم محدود ہے لیکن اللہ کی نظر وسیع اور اس کا علم لامحدود ہے اس لئے اس کے فیصلوں کو تم اپنے فیصلوں پر قیاس نہ کرو۔

۳۹۲۔ اس صندوق کا نام بائبل میں ''خداوند کا صندوق'' آیا ہے اور اس کی بنی اسرائیل کے نزدیک کافی اہمیت تھی کیونکہ اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی یادگاریں مثلاً وہ تختیاں جن پر احکام عشرہ کندہ تھے۔تورات کا اصل نسخہ اور عصائے موسیٰ جیسی چیزیں تھیں۔یہ چیزیں حق کی فتح ونصرت کی علامات تھیں اس لئے ان کو دیکھ کر حوصلے بلند ہوتے تھے۔

فلسطینیوں نے ایک جنگ کے موقع پر بنی اسرائیل سے یہ صندوق چھین لیا تھا جس کی وجہ سے ان کے حوصلے پست ہو گئے تھے حضرت سموئیل نے طالوت کے منجانب اللہ بادشاہ مقرر کئے جانے کی علامت یہ بتائی کہ وہ صندوق ان کے دور حکومت میں واپس آجائے گا۔چنانچہ یہ پیشین گوئی پوری ہوئی اور واقعہ یہ پیش آیا کہ جو لوگ صندوق چھین کر لے گئے تھے۔ان کے علاقے میں وبائیں پھوٹ پڑیں انہوں نے اس کے پیش نظر اور غالباً جنگ کے متوقع خطرہ سے بچنے کے لئے بھی خیریت اسی میں سمجھی کہ اس صندوق کو وہ واپس کر دیں چنانچہ انہوں نے دو گایوں کی ایک گاڑی پر صندوق رکھ کر بغیر گاڑی بان کے اس کو بنی اسرائیل کے علاقہ کی طرف ہانک دیا جس کا ذکر بائبل میں اس طرح ہوا ہے۔

''سو ان لوگوں نے ایسا ہی کیا اور دودھ والی گائیں لیکر ان کو گاڑی میں جوتا اور انکے بچوں کو گھر میں بند کیا اور خداوند کے صندوق اور سونے کی چھیوں اور اپنی گلٹیوں کی مورتوں کے صندوقچہ کو گاڑی پر رکھ دیا ان گایوں نے بیت شمس کا سیدھا راستہ لیا وہ سڑک ہی سڑک ڈکارتی گئیں اور داہنے یا بائیں ہاتھ نہ مڑیں اور فلستی سرداران کے پیچھے بیت شمس کی سرحد تک گئے اور بیت شمس کے لوگ وادی میں گیہوں کو فصل کاٹ رہے تھے انہوں نے جو آنکھیں اٹھائیں تو صندوق کو دیکھا اور دیکھتے ہی خوش ہو گئے۔''

(سموئیل اوّل ۶:۱۰۔۱۳)

بغیر گاڑی بان کے گایوں کا بنی اسرائیل کے علاقہ میں ٹھیک ٹھیک پہنچ جانا فرشتوں کی رہنمائی کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا اس لئے اسکو تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِکَةُ (فرشتے اس کو اٹھائے ہوئے ہوں گے) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ
فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ
اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ
هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ
قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ
غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾

۲۴۹ پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر چلا ۳۹۳؎ تو اس نے کہا اللہ ایک دریا کے ذریعے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے ۳۹۴؎ ، تو جو اس کا پانی پی لے گا وہ میرا ساتھی نہیں، اور جو اس کو نہیں چکھے گا وہی میرا ساتھی ہے الا یہ کہ کوئی شخص اپنے ہاتھ سے چلو بھر پانی لے۔ مگر تھوڑے لوگوں کے سوا سب نے اس میں سے پانی پی لیا ۳۹۵؎۔ پھر جب طالوت اور اس کے اہل ایمان ساتھی دریا پار کر گئے تو کہنے لگے آج ہم میں جالوت ۳۹۶؎۔ اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے ۳۹۷؎ لیکن جو لوگ سمجھتے تھے کہ انہیں اللہ سے ملنا ہے انہوں نے کہا کتنے ہی چھوٹے گروہ اللہ کے اذن سے بڑے گروہ پر غالب آ گئے ہیں۔ اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے ۳۹۸؎۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٠﴾

۲۵۰ اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ میں آئے تو انہوں نے دعا کی اے ہمارے رب ہم پر صبر کا فیضان کر، ہمارے قدم جما دے اور کافر قوم پر ہمیں غلبہ عطاء فرما۔

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ
بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ
ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾

۲۵۱ آخر کار اللہ کے حکم سے انہوں نے ان کو شکست دی ۳۹۹؎ اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اس کو اقتدار اور حکمت سے نوازا اور جن جن چیزوں کا چاہا اس کو علم دیا۔ ۴۰۰؎ اگر اللہ ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہتا تو زمین فساد سے بھر جاتی لیکن اللہ دنیا والوں پر بڑا مہربان ہے۔ ۴۰۱؎

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۚ وَإِنَّكَ لَمِنَ
الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾

۲۵۲ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سنا رہے ہیں اور تم یقیناً پیغمبروں میں سے ہو۔ ۴۰۲؎

۳۹۳۔ مقابلہ فلسطینی مشرکین سے تھا جنہوں نے بنی اسرائیل کے علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔

۳۹۴۔ غالباً دریائے اردن (Jordan) مراد ہے۔

۳۹۵۔ یہ حکم فوج کے ڈسپلن اور اخلاقی انضباط کا امتحان لینے کی غرض سے دیا گیا تھا۔ اس امتحان میں مکمل کامیابی کے لئے شرط یہ تھی کہ دریا کا پانی چکھا بھی نہ جائے۔ تاہم چلو بھر پانی کو قابل درگذر قرار دیا گیا تھا۔ اس امتحان میں بہت تھوڑے لوگ پورے اترے۔

۳۹۶۔ جالوت ایک فلسطی پہلوان تھا جو قدآور ہونے کے علاوہ بڑا ماہر جنگ تھا اور فلسطی فوج کا کمانڈران چیف تھا بائبل میں اس کا نام ''جاتی جولیت'' (Goliath) آیا ہے۔

۳۹۷۔ یہ ان لوگوں کا قول ہے جنہوں نے خوب پانی پیا تھا اور امتحان میں ناکام ثابت ہوئے تھے۔

۳۹۸۔ یعنی عزم و ہمت سے کام لو کہ اس سے اللہ کی تائید حاصل ہوتی ہے اور جنگ میں کامیابی کا دارومدار اللہ کی تائید و نصرت پر ہے نہ کہ کثرت وقلت پر تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں ملیں گی کہ قلیل التعداد گروہ نے کثیر التعداد گروہ پر غلبہ پایا ہے۔

۳۹۹۔ داؤد جن کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں نبوت اور حکومت سے نوازا اس وقت نوجوان تھے۔ انہوں نے جالوت کے چیلنج کو قبول کیا اور ایسا حملہ کیا کہ وہ ڈھیر ہو گیا۔ اس کے قتل کے بعد فلسطی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ بری طرح شکست کھا گئے۔

بائبل میں ہے: ''اور داؤد نے اس فلستی سے کہا کہ تو تلوار بھالا اور برچھی لئے ہوئے میرے پاس آتا ہے پر میں رب الافواج کے نام سے جو اسرائیل کے لشکروں کا خدا ہے جس کی تو نے فضیحت کی ہے تیرے پاس آتا ہوں اور آج ہی کے دن خداوند تجھ کو میرے ہاتھ میں کر دے گا اور میں تجھ کو مار کر تیرا سر تجھ پر سے اتار لوں گا اور میں آج کے دن فلستیوں کے لشکر کی لاشیں ہوائی پرندوں اور زمین کے جنگلی جانوروں کو دوں گا تا کہ دنیا جان لے کہ اسرائیل میں ایک خدا ہے اور یہ ساری جماعت جان لے کہ خداوند تلوار اور بھالے کے ذریعے سے نہیں بچاتا اس لئے کہ جنگ تو خداوند کی ہے اور وہی تم کو ہمارے ہاتھ میں کر دیگا اور ایسا ہوا کہ جب وہ فلستی اٹھا اور بڑھ کر داؤد کے مقابلہ کے لئے نزدیک آیا تو داؤد نے جلدی کی اور لشکر کی طرف اس فلستی سے مقابلہ کرنے کو دوڑا۔ اور داؤد نے اپنے تھیلے میں اپنا ہاتھ ڈالا اور اس میں سے ایک پتھر لیا اور فلاخن میں رکھ کر اس فلستی کے ماتھے پر مارا اور وہ پتھر اس کے ماتھے کے اندر گھس گیا اور وہ زمین پر منہ کے بل گر پڑا۔ سو داؤد اس فلاخن اور ایک پتھر سے اس فلستی پر غالب آیا اور اس فلستی کو مارا اور قتل کیا اور داؤد کے ہاتھ میں تلوار نہ تھی۔ اور داؤد دوڑ کر اس فلستی کے اوپر کھڑا ہو گیا اور اس کی تلوار پکڑ کر میان سے کھینچی اور اسے قتل کیا اور اسی سے اس کا سر کاٹ ڈالا اور فلستیوں نے جو دیکھا کہ ان کا پہلوان مارا گیا تو وہ بھاگے۔'' (سموئیل اوّل ۱۷: ۴۵۔۵۱)

داؤد کی زندگی کا آغاز ان کے اسی کارنامے سے ہوتا ہے۔

۴۰۰۔ مراد وہ انعامات ہیں جو حضرت داؤد پر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکومت بھی عطا کی اور حکمت بھی۔ حکومت کے ساتھ اگر حکمت نہ ہو تو وہ چنگیزی بن جاتی ہے اور اگر حکمت ہو تو عادلانہ بن جاتی ہے اور اللہ کے احکام وقوانین کو جاری کر کے خلافت کا مقام حاصل کر لیتی ہے حضرت داؤد کی حکومت اسلامی خلافت تھی۔

۴۰۱۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی گروہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد حد سے بڑھنے لگتا ہے تو اس کا زور توڑنے کے لئے کسی دوسرے گروہ کو اٹھا کھڑا کرتا ہے۔ اس سے جنگ کی ضرورت واضح ہوتی ہے۔ اگر جنگ مطلقاً جائز نہ ہوتی تو زمین فساد سے بھر جاتی۔

اس سے مذہب کے راہبانہ اور جوگیانہ تصور کی تردید ہوتی ہے جس کی وجہ سے جنگ کو دینداری کے منافی خیال کیا جاتا ہے۔ انبیاء اور صلحاء جو جنگ کرتے ہیں وہ اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے اور عدل وقسط کے قیام اور شر وفساد کو مٹانے کی غرض سے ہوتی ہے اس لئے وہ انسانیت کے حق میں مفید اور باعث خیر ہوتی ہے۔

۴۰۲۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بنی اسرائیل نے طالوت کے اہم تاریخی واقعہ کو بے معنی بنا کر رکھ دیا تھا چنانچہ بائبل کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے صحیفۂ سموئیل کو رطب و یابس کا مجموعہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس واقعہ کو ٹھیک ٹھیک بیان فرمایا جس سے ایمان افروز اور حکیمانہ باتیں سامنے آ گئیں۔ اس صحت وصداقت کے ساتھ ڈیڑھ ہزار سال قبل کے اس واقعہ کو بیان کرنا جب کہ اس کے جاننے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرِ خدا ہونے کی صریح دلیل ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبروں میں سے ہیں اور پیغمبر کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور پیغامبر (Prophet Messenger) ہے اس کے اندر نہ الوہیت کی صفت ہوتی ہے اور نہ وہ خدا کا اوتار (incarnation) ہوتا ہے۔ قرآن رسالت کا جو تصور دیتا ہے وہ ان باطل توہمات سے بالکل پاک ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ
مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ
مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ
الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا
فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۠ ﴿۲۵۳﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ
لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ
مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ
وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ
الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ
بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ
اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

۲۵۳ یہ رسول ہیں ۴۰۳؎ جنہیں ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ۴۰۴؎۔ ان میں کوئی ایسا تھا جس سے اللہ خود ہم کلام ہوا اور کسی کے درجے بلند کئے۔ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور روح القدس سے اس کی تائید کی۔ ۴۰۵؎ اگر اللہ چاہتا تو جو لوگ ان رسولوں کے بعد ہوئے، وہ ان روشن نشانیوں کے آجانے کے بعد آپس میں نہ لڑتے لیکن انہوں نے اختلاف کیا پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کیا۔ اگر اللہ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ وہ باہم لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ۴۰۶؎

۲۵۴ اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تم کو بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی، اور نہ ہی سفارش چلے گی۔ ۴۰۷؎ اور کفر کرنے والے ہی اصل ظالم ہیں۔

۲۵۵ اللہ جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ۴۰۸؎ وہ زندہ ہستی ہے ۴۰۹؎ جو قائم ہے اور سب کو سنبھالے ہوئے ہے ۴۱۰؎۔ اسے نہ اونگھ لگتی ہے اور نہ نیند ۴۱۱؎۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے ۴۱۲؎؟ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور وہ اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا ادراک نہیں کر سکتے، بجز اس کے جو وہ چاہے۔ ۴۱۳؎ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے۔ ۴۱۴؎ اور ان کی حفاظت اس پر کچھ بھی گراں نہیں ۴۱۵؎، اور وہ نہایت بلند اور عظمت والا ہے۔ ۴۱۶؎

۲۵۶ دین کے بارے میں کوئی جبر نہیں ۴۱۷؎۔ ہدایت گمراہی سے بالکل ممتاز ہو کر سامنے آگئی ہے، تو جس شخص نے طاغوت کا انکار کیا ۴۱۸؎ اور اللہ پر ایمان لایا اس نے ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

۲۵۷ اللہ اہل ایمان کا کارساز ہے وہ انکو تاریکیوں سے نکال کر نور (روشنی) میں لاتا ہے۔ ۴۱۹؎ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے کارساز طاغوت ہیں وہ ان کو روشنی سے تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ آگ میں جانے والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

۴۰۳ ۔ اشارہ ہے رسولوں کی پوری جماعت کی طرف جس کا ذکر ماقبل کی آیت میں ہوا۔

۴۰۴ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو کسی نہ کسی پہلو سے فضیلت بخشی ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی بخشا، عیسیٰ علیہ السلام کو کھلے کھلے معجزات عطا فرمائے اسی طرح دوسرے رسولوں کو خاص خاص درجے اور مرتبے عطا کئے اس لئے کسی رسول کی فضیلت کو تسلیم کرنا اور دوسرے کی فضیلت سے انکار کرنا صحیح نہیں لیکن ان رسولوں کی امتوں نے مذہبی اور گروہی تعصّبات کا شکار ہو کر عجیب روش اختیار کی۔ وہ اپنی امت کے رسول کے لئے ہر قسم کے فضائل کی دعویدار ہوئیں اور دوسرے کسی رسول کی فضیلت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئیں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دوسرے رسولوں سے فیض حاصل کرنے سے محروم رہ گئیں۔

اگر وہ تعصب سے کام نہ لیتیں تو ان کیلئے بلا تفریق تمام رسولوں کو ماننا کچھ مشکل نہ تھا اور اس صورت میں وہ اس ہدایت سے بھی فیضیاب ہوتیں جو قرآن مجید کی شکل میں اللہ کی طرف سے اس کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے قرآن کی یہ تعلیم کتنی حقیقت پسندانہ ہے کہ جس جس پیغمبر کے جو جو مخصوصات رہے ہیں ان سب کو تسلیم کیا جائے اور ان کے درمیان تفریق نہ کرتے ہوئے اس آسمانی ہدایت کو قبول کیا جائے جو سب کے درمیان مشترک رہی ہے۔

۴۰۵ ۔ روح القدس سے مراد فرشتوں کے سردار جبرئیل علیہ السلام ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی تائید و نصرت فرمائی تھی لیکن عیسائیوں نے انہیں خدا بنا کر اپنے من گھڑت عقیدہ (Trinity) تثلیث میں شامل کر لیا۔

۴۰۶ ۔ اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کی اس سنت کی طرف کہ اس نے ہدایت کے معاملہ میں جبر کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ اگر وہ اپنے بندوں پر جبر کرنا چاہتا تو کوئی شخص بھی کفر کی راہ اختیار نہیں کر سکتا تھا لیکن اس نے بندوں کو ارادہ و اختیار کی آزادی بخشی کہ وہ چاہیں تو کفر کریں اور چاہیں تو ایمان لائیں اور ہر ایک اپنا اپنا انجام دیکھ لے۔

اللہ کا یہ چاہنا کہ بندوں پر جبر نہ کیا جائے اور اگر وہ مذہب کے نام پر دست گریباں ہوتے ہیں تو نہیں ایسا کرنے کی آزادی حاصل رہے اپنے اندر عظیم حکمت و مصلحت رکھتا ہے کیونکہ اللہ کا کوئی کام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ واضح رہے کہ اوپر سے بیان خانہ کعبہ کو مشرکین کے ہاتھوں سے آزاد کرنے کے تعلق سے جہاد اور انفاق کا چلا آرہا ہے اسی ضمن میں یہاں یہ واضح کیا جا رہا ہے کہ اہل کتاب نے اہل ایمان کے خلاف جو معرکہ آرائی شروع کی ہے اس کی وجہ دراصل ان کا یہ اندھا تعصب ہے کہ وہ اپنے گروہ کے رسول کے سوا کسی اور رسول کو نہ مانیں اور اس کے لئے کوئی فضیلت تسلیم نہ کریں۔ آج بھی دنیا کی مختلف قومیں تعصب کے اس مرض میں مبتلا ہیں اور وہ محض اس بنا پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے اور آپ کے لئے کوئی فضیلت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتیں کہ آپ ایک دوسرے ملک اور ایک دوسری قوم میں پیدا ہوئے تھے جب کہ وہ اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ آفتاب کی روشنی کسی ملک یا قوم کے دائرہ میں محصور ہو کر نہیں رہتی بلکہ اس کا فیضان اقوام عالم اور پوری دنیا کے لئے عام ہوتا ہے پھر وہ خدائی ہدایت کو کیوں جغرافیائی اور قومی دائروں میں بند دیکھنا چاہتے ہیں؟

۴۰۷ ۔ یہاں مقصود یہ ذہن نشین کرانا ہے کہ خدا کے یہاں کام آنے والی چیز جانی و مالی قربانیاں ہیں جو اس کی راہ میں دی جائیں نہ کہ وہ جھوٹے سہارے جن کے بارے میں لوگ اس اعتقاد میں مبتلا ہیں کہ وہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہوں گے اور ہم جن کی دوستی کا دم بھرتے رہے ہیں وہ ہمیں نجات کا پروانہ دلوا کے رہیں گے۔

۴۰۸ ۔ اس آیت کا نام حدیث میں آیت الکرسی آیا ہے اور اسے قرآن کی عظیم الشان آیت قرار دیا گیا ہے اس میں نہایت جامع طور پر اور نہایت موثر پیرایہ میں اللہ تعالیٰ کی معرفت بخشی گئی ہے اور توحید کی حقیقت واضح کرتے ہوئے شرک کی اور خاص طور سے شفاعت کے غلط تصور کی تردید کی گئی ہے تاکہ لوگ عقیدہ و عمل میں سچی خدا پرستی کی راہ اختیار کریں۔

۴۰۹ ۔ مشرکین دیوتاؤں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ایک خاص قسم کی شراب (Nectar) یا ایک خاص قسم کا مشروب ''سوما'' (सोमा) پی کر زندہ رہتے ہیں لیکن اللہ وہ زندہ و جاوید ہستی ہے جو زندہ رہنے کے لئے کسی چیز کا محتاج نہیں۔

۴۱۰؎ متن میں لفظ ''القیوم'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں وہ ہستی جو قائم بالذات ہو اور جس پر دوسروں کا قیام و بقا موقوف ہو اللہ صرف اپنے بل پر قائم ہے اور پوری کائنات کو وہ تنہا سنبھالے ہوئے ہے۔

۴۱۱؎ یعنی اللہ تو ہر وقت بیدار ہے اونگھ اور نیند کی کیفیت تو اللہ کی پیدا کردہ ہے جو مخلوق پر طاری ہوتی ہے۔ خالق پر اس کے طاری ہونے کا کیا سوال۔

۴۱۲؎ یہ شفاعت کے اس غلط تصور کی تردید ہے کہ بعض ہستیوں کو خدا کے یہاں ایسا درجہ حاصل ہے کہ وہ کسی کے لئے خدا کے ہاں سفارش کر سکتے ہیں اور خدا کو ان کی سفارش قبول کرنا پڑے گی۔ فرمایا خدا کے حضور کسی کا یہ مقام ہی نہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر وہ زبان کھول سکے کجا یہ کہ وہ سفارش منوا کے رہے۔ البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ اللہ اپنے خاص بندوں میں جس کو چاہے گا اور جس کے حق میں چاہے گا شفاعت کی اجازت دیگا۔ یہ ایک اعزاز ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہے گا عطا فرمائے گا تاہم یہ بات واضح ہے کہ کافروں کے حق میں کوئی بھی سفارش نہ کر سکے گا اس لئے ان کیلئے سفارش کی کوئی گنجائش اللہ تعالیٰ نے رکھی ہی نہیں ہے۔

۴۱۳؎ یعنی اللہ کا علم زمان اور مکان سب پر حاوی ہے لیکن بندوں کا علم صرف اس حد تک ہے جس حد تک کہ اس نے ان کو بخشنا چاہا۔

۴۱۴؎ متن میں لفظ کرسی استعمال ہوا ہے جس کے معنی بیٹھنے کی چیز تخت وغیرہ کے ہیں۔ بادشاہ کی کرسی (تخت) اس کے اقتدار کی علامت ہوتی ہے اس لئے یہ لفظ اقتدار کی تعبیر کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی کرسی کی نوعیت ہم نہیں جانتے کیونکہ یہ غیب کے حقائق میں سے ہے البتہ اس کا ابتدائی مفہوم بالکل واضح ہے کہ اللہ کا اقتدار آسمانوں اور زمین پر پوری طرح چھایا ہوا ہے کائنات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو اس کے دائرہ اقتدار سے باہر ہو۔

۴۱۵؎ یعنی کائنات کی نگرانی اس کی حفاظت اور اس کا انتظام اس پر گراں نہیں ہے کہ وہ کسی کی مدد کا محتاج ہو اس سے اس تصور کی نفی ہوتی ہے کہ خدا نے خدائی کے کام دیوی و دیوتاؤں میں بانٹ رکھے ہیں کوئی ہوائیں چلاتا ہے تو کوئی بارش برساتا ہے کوئی زمین کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے تو کوئی آسمان کا کوئی رزق رسانی کا سامان کرتا ہے تو کوئی موت کا اور کوئی دولت کی دیوی ہے تو کوئی بیماریوں کی۔

۴۱۶؎ یعنی جو فروتر باتیں اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور جو گھٹیا تصورات قائم کئے جاتے ہیں ان کے مقابلہ میں اس کی شان نہایت بلند و بالا ہے۔

۴۱۷؎ اس سے بخوبی واضح ہے کہ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ بلکہ عقیدہ وضمیر کی پوری آزادی دیتا ہے کیونکہ دین کی اصل غایت رضائے الٰہی کا حصول ہے جس کے مستحق وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو واقعی اس کو مقصود بنائیں جبر و کراہ کی صورت میں ظاہر ہے یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے کیونکہ جبراً کسی سے مذہبی مراسم کی ادائیگی تو کرائی جا سکتی ہے لیکن اس کی نیتوں کو بدلنا اور اس کے دل میں رضائے الٰہی کے حصول کے لئے مخلصانہ جذبات پیدا کرنا کسی کیلئے ممکن نہیں ہے لہٰذا کسی کا بادلِ ناخواستہ اسلام قبول کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعاً اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّیٰ یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ (یونس۔۹۹)

''اگر تمہارا رب چاہتا تو روئے زمین پر جتنے لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے پھر کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔''

اس حقیقت کے پیش نظر اسلام جس بات پر زور دیتا ہے وہ یہ ہے کہ تبلیغ کا معقول اور سنجیدہ انداز اختیار کیا جائے تاکہ حق بالکل نمایاں ہو کر سامنے آ جائے اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص کفر کی راہ پر جما رہتا ہے تو اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

رہا جہاد تو وہ اصلاً زمین سے فتنہ وفساد کو مٹانے اور اسلامی نظام کو قائم کرنے کے لئے مشروع ہوا ہے اور اس کے نظام میں اس بات کی پوری گنجائش ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ اس نظام کے تحت رہ سکتے ہیں۔ رہے عرب کے مشرکین اور وہ لوگ جو مرتد ہو جائیں تو ان کو قتل کرنے کا حکم بطور سزا کے ہے۔

۴۱۸؎ متن میں لفظ ''طاغوت'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی ''حدسے تجاوز کرنے اور کفر میں غلو کرنے کے ہیں۔'' (لسان العرب ج ۱۵ ص ۷)

اس سے مراد ہر وہ بندہ ہے جو حدود بندگی سے نکل جائے اور سرکشی پر اتر آئے اس کا اطلاق شیطان پر بھی ہوتا ہے اور باغی و سرکش انسانوں پر بھی اور خاص طور سے ان پیشواؤں اور حاکموں پر بھی جو اللہ کے احکام وقوانین کی جگہ اپنے احکام وقوانین چلاتے ہیں۔

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ نساء نوٹ ۱۱۶، ۱۲۸، ۱۲۹، نیز سورۂ مائدہ نوٹ ۱۸۰۔

۴۱۹۔ **نور** سے مراد **نورِ ھدایت** ہے جس سے اہل ایمان کے قلب وذہن اور اخلاق واعمال کو جلاملتی ہے اور ظلمات سے مراد ضلالت کی تاریکیاں ہیں جو اہلِ کفر کے ذہن وقلب اور اخلاق واعمال پر چھاجاتی ہیں۔نور کا لفظ واحد استعمال ہوا ہے جب کہ ظلمات کا لفظ جمع، یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ ہدایت خداوندی کی راہ ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام جب کہ ضلالت کی راہیں اور شکلیں متعدد اور مختلف ہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۰۹ سے آگے

''اور فلستی لڑے اور بنی اسرائیل نے شکست کھائی اور ہر ایک اپنے ڈیرے کو بھاگا اور وہاں نہایت بڑی خونریزی ہوئی کیونکہ تیس ہزار اسرائیلی پیادے وہاں کھیت آئے اور خدا کا صندوق چھن گیا۔'' (سموئیل اوّل ۴:۱۰۔۱۱)

اور سموئیل نے اسرائیل کے سارے گھرانے سے کہا کہ اگر تم اپنے سارے دل سے خداوند کی طرف رجوع لاتے ہو تو اجنبی دیوتاؤں اور عستارات کو اپنے بیچ سے دور کرو اور خداوند کے لئے اپنے دلوں کو مستعد کر کے فقط اسی کی عبادت کرو اور وہ فلستیوں کے ہاتھ سے تم کو رہائی دیگا۔تب بنی اسرائیل نے بعلیم اور عستارات کو دور کیا اور فقط خداوند کی عبادت کرنے لگے۔ (سموئیل اوّل ۷:۳۔۴)

''سو فلستی مغلوب ہوئے اور اسرائیل کی سرحد میں پھر نہ آئے اور سموئیل کی زندگی بھر خداوند کا ہاتھ فلستیوں کے خلاف رہا اور عقرون سے جات تک کے شہر جن کو فلستیوں نے اسرائیلوں سے لے لیا تھا وہ پھر اسرائیلیوں کے قبضہ میں آئے۔ (سموئیل اول ۷:۱۳۔۱۴)

آیت میں بنی اسرائیل کے اسی عروج وزوال کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے انکی دینی، اخلاقی اور سیاسی پست حالی کو موت سے اور عزم وحوصلہ کے ساتھ ایمانی اور مجاہدانہ زندگی اختیار کرنے کو 'زندگی' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس واقعہ کو یہاں ذکر کرنے سے مقصود اہل ایمان کو جہاد پر ابھارنا ہے بنی اسرائیل کا واقعہ فلسطین کی ارض مقدس سے متعلق تھا اور یہاں اہل ایمان کو جس جنگ کے لئے ابھارا جارہا ہے اس کا تعلق مکہ کی ارض مقدس سے ہے اس طرح مسلمانوں کو احساس دلایا جارہا ہے کہ اگر وہ موت سے ڈر گئے تو یہ انکی دینی، اخلاقی اور سیاسی موت ہوگی اور اگر انہوں نے موت سے بے پرواہ ہوکر جہاد کیا تو وہ زندگی کی حقیقی نعمت سے سرفراز ہوں گے اور انہیں عزت وسربلندی نصیب ہوگی۔

۳۸۰۔ لہٰذا وہ تمہاری فریاد سنے گا اور تمہاری مدد فرمائے گا نیز تمہاری قربانیوں کا تمہیں بھرپور صلہ بھی دیگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ ﴿۲۵۸﴾

۲۵۸ کیا تم نے [۴۲۰] اس شخص کو نہیں دیکھا [۴۲۱] جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں اس وجہ سے جھگڑا کیا کہ اللہ نے اس کو اقتدار بخشا تھا۔ [۴۲۲] جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جِلاتا اور مارتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا اچھا تو اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تو اسے مغرب سے نکال لا [۴۲۳]۔ یہ سن کر وہ کافر ششدر رہ گیا۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ [۴۲۴]

اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

۲۵۹ یا پھر اس شخص کی مثال (قابل غور) ہے جس کا گذر ایک ایسی بستی پر ہوا جو اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی [۴۲۵]۔ اس نے کہا اللہ اس کو اس کے مر چکنے کے بعد کس طرح زندہ کرے گا! [۴۲۶] اس پر اللہ نے اسے موت دی اور سو سال تک اسی حالت میں رکھا پھر اسے جِلا اٹھایا [۴۲۷]۔ اور پوچھا کتنی مدت اس حال میں رہے؟ اس نے جواب دیا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ فرمایا نہیں بلکہ تم ایک سو سال اس حالت میں گذار چکے ہو۔ [۴۲۸] اب اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ اس میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا، اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (کہ بوسیدہ ہونے کے باوجود ہم اس کو کس طرح زندہ کرتے ہیں)، اور تاکہ ہم تمہیں لوگوں کیلئے ایک نشانی بنا دیں۔ [۴۲۹] اور ہڈیوں کی طرف دیکھو کہ کس طرح اس کا ڈھانچہ کھڑا کرتے ہیں پھر ان پر گوشت پوست چڑھاتے ہیں۔ [۴۳۰] اس طرح جب اس پر حقیقت آشکارا ہو گئی تو پکار اٹھا: میں یقین رکھتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىْ كَيْفَ تُحْىِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِىْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶۰﴾

۲۶۰ اور (وہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے) جب ابراہیم نے کہا: میرے رب! مجھے دکھا دے تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ فرمایا کیا تم ایمان نہیں رکھتے؟ عرض کیا ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ دل مطمئن ہو جائے فرمایا: تو چار پرندے لے لو اور ان کو اپنے سے ہلا لو پھر ان کا ایک ایک جز و ایک ایک پہاڑی پر رکھ دو پھر ان کو پکارو وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ [۴۳۱] اور خوب جان لو کہ اللہ غالب اور حکیم ہے۔ [۴۳۲]

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

۲۶۱ جو لوگ [۴۳۳] اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں [۴۳۴] ان کے خرچ کی مثال اس دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگ آئیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں [۴۳۵] اس طرح اللہ جسے چاہتا ہے افزونی عطا فرماتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا [۴۳۶] اور علیم ہے۔ [۴۳۷]

۴۲۰۔ ہدایت وضلالت سے متعلق جو اصولی بات اوپر بیان کی گئی ہے اس کو ذہن نشین کرانے کے لئے تین واقعاتی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جن میں سے پہلے واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ کس طرح کے لوگوں کو حق واضح ہونے کے بعد گمراہی سے نکلنا نصیب نہیں ہوتا اور بعد کے دو واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ جنھوں نے اللہ کا سہارا پکڑا تھا ان کو اللہ نے کس طرح یقین وطمانیت بخشی اور غیبی حقائق تک کا انہیں مشاہدہ کرا دیا۔

۴۲۱۔ مراد نمرود ہے جو عراق کا بادشاہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔

۴۲۲۔ قدیم زمانہ میں بادشاہ دیوتاؤں کے اوتار سمجھے جاتے رہے ہیں۔ نمرود کی قوم ستاروں کی پرستار تھی اور سورج کو سب سے بڑے دیوتا کا درجہ حاصل تھا اس لئے نمرود کے بارے میں یہ اعتقاد رہا ہوگا کہ وہ سورج دیوتا کا اوتار ہے۔ ایسی صورت میں وہ ابراہیم علیہ السلام کی اس دعوت کو کس طرح برداشت کر سکتا تھا کہ حقیقی رب صرف اللہ ہی ہے۔ اس لئے اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر مجادلہ کیا کہ تم یہ کس رب کی دعوت دے رہے ہو، رب تو میں ہوں کہ اقتدار مجھے حاصل ہے۔ گویا اس کے زعم میں اس کا با اقتدار ہونا یہ معنیٰ رکھتا تھا کہ وہ فلاں اور فلاں دیوتا کا اوتار ہے اور اس بنا پر وہ اس بات کا مستحق ہے کہ مراسم عبودیت اس کے سامنے بجا لائے جائیں حالانکہ یہ اقتدار اللہ کا بخشا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ جس کسی کو اقتدار بخشا ہے اس کا امتحان لیتا ہے آیا وہ اقتدار کی نعمت کو پا کر اللہ کا شکر گذار اور فرماں بردار بنتا ہے یا استکبار میں مبتلا ہو کر بندگان خدا پر اپنی خدائی کا سکہ بٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔

۴۲۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ استدلال نہایت واضح اور قوی تھا کہ زندگی اور موت اللہ ہی کے اختیار میں ہے لہٰذا وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اسے رب مانا جائے لیکن نمرود نے اس پر یہ احمقانہ معارضہ کیا کہ زندگی اور موت تو میرے اختیار میں بھی ہے میں جس کو چاہوں قتل کر دوں اور جس کو چاہوں معاف کر دوں۔ نمرود کے اس معارضہ میں کوئی وزن نہ تھا بلکہ محض کٹ حجتی کی بات تھی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنی موت کو بھی ٹال نہیں سکتا تھا اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس میں الجھنے کی بجائے دوسری حجت ایسی پیش کر دی کہ نمرود سے کوئی جواب بن نہ پڑا اور وہ یہ کہ میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ اس استدلال میں یہ طنز بھی پوشیدہ تھا کہ سورج دیوتا نہیں ہے جس کے اوتار ہونے کا نمرود مدعی ہے بلکہ وہ اللہ کا تابع فرمان ہے اور اس کے قانون کے تحت طلوع اور غروب ہوتا ہے۔

۴۲۴۔ یعنی ہدایت کی راہ واضح ہو جانے کے بعد ان لوگوں پر نہیں کھلتی جو اللہ کی نعمت کو پا لینے کے بعد اس کے شکر گذار نہیں بنتے بلکہ غرور نفس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اپنے لئے بندگی کا نہیں بلکہ خدائی کا مقام تجویز کرنے لگتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر جب حق واضح ہو جاتا ہے تو اسے قبول کرنے کے لئے وہ آمادہ نہیں ہوتے بلکہ ششدر ہو کر رہ جاتے ہیں۔

۴۲۵۔ بستی سے مراد غالباً یروشلم (Jerusalem) ہے جو ۵۸۶ء قبل مسیح میں نبوکدنضر (Nebuchadnezzer) کے ہاتھوں تباہ ہو گیا تھا۔

۴۲۶۔ یہ سوال انکار کے طور پر نہیں بلکہ اظہار حیرت کے طور پر تھا۔

۴۲۷۔ حیات بعد الموت کا یہ مشاہدہ جس شخص کو کرایا گیا وہ ضرور کوئی نبی ہوگا کیونکہ انبیاء علیہم السلام ہی کو ملکوتی سیر کرائی جاتی ہے۔ غالباً یہ واقعہ حزقیل نبی کے ساتھ پیش آیا تھا کیونکہ بائبل کے صحیفہ حزقی ایل میں اس سے ملتے جلتے ایک واقعہ کا ذکر ملتا ہے۔ (ملاحظہ ہو حزقی ایل ب ۷ ۱۳ تا ۱۴)

۴۲۸۔ یہ واقعہ اس حقیقت کا مظہر ہے کہ قیامت کے دن جب آدمی قبر سے اٹھے گا تو عالمِ برزخ میں جو زمانہ اس نے گذارا ہوگا اس کا احساس اس کو نہ ہوگا بلکہ وہ یہ محسوس کریگا کہ ابھی ابھی سویا تھا اور ابھی جاگ اٹھا ہے۔

۴۲۹۔ نشانی اس بات کی کہ اللہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے اور نشانی اس بات کی کہ وہ اجڑی ہوئی بستی کو دوبارہ آباد کر سکتا ہے اور بنی اسرائیل کو محکومی کی ذلت سے نکال کر حیات نو بخش سکتا ہے۔

۴۳۰۔ واضح ہوا کہ اگر اللہ چاہے تو کسی چیز کو اس کے سڑ گل جانے کے بعد زندہ کر سکتا ہے اور اگر وہ چاہے تو کسی چیز کو طبعی قوانین کے اثرات سے بالاتر بھی

رکھ سکتا ہے کہ وہ سڑے گلے ہی نہیں۔

۴۳۱۔ یعنی چار پرندے لے کران کو پہلے اپنے سے ہلالو پھران کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کے اجزاء اطراف کی پہاڑیوں پر رکھ دو پھران کو بلاؤ تو وہ زندہ ہوکرتمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے اس طرح ابراہیم علیہ السلام کو حیات بعدالموت کا مشاہدہ کرایا گیا۔

پرندوں کو اپنے سے مانوس کرنے کی ہدایت اس لئے دی گئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین ہوجائے کہ وہی پرندے دوبارہ زندہ ہو گئے ہیں جن کو انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پہاڑوں پر بکھیر دیا تھا۔اس طرح واضح ہوا کہ قیامت کے دن پروردگار کی پکار پر مردے ہرسمت سے اس کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

مانوس پرندوں کا دوبارہ زندہ ہونے پر اپنے مالک کی آواز کو پہچان لینا اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان جب دوبارہ اٹھائے جائیں گے تو ان کی دنیوی زندگی کے بارے میں یادداشتیں تازہ ہوجائیں گی۔

۴۳۲۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی ان دوصفتوں کا ذکر اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسانوں کا دوبارہ اٹھایا جانا برحق ہے اس لئے کہ اللہ اس پر قادر ہے نیز ایسا کرنا اس کی حکمت کا تقاضا بھی ہے۔

۴۳۳۔ یہاں سے بیان کا رخ پھر اصل سلسلہ کلام کی طرف مڑ رہا ہے۔

۴۳۴۔ ''**فی سبیل اللّٰہ**'' (**اللہ کی راہ میں**) سے مراد وہ خرچ ہے جس کا مقصد رضائے الٰہی کا حصول ہو اور جو اللہ کی ہدایت کے مطابق خرچ کیا جائے۔

۴۳۵۔ یہ خدا کی راہ میں خرچ کئے ہوئے مال کے اجر وثواب میں افزونی کی مثال ہے۔جس طرح ایک دانے سے سات بالیں نکلیں اور ہر بال میں سودانے ہوں اسی طرح ایک نیکی کا اجر سات سوگنا تک ملے گا۔اللہ تعالیٰ کے یہاں انفاق کی صرف مقدار نہیں دیکھی جائیگی بلکہ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ کس نے کس جذبہ سے اور کن حالات میں انفاق کیا۔جس شخص نے دل کی پوری آمادگی اور گہرے ایمانی جذبات کے ساتھ مشکل حالات میں انفاق کیا ہوگا وہ اس شخص کے مقابلہ میں اجر کا زیادہ مستحق ہوگا جس نے خوشحالی میں نیم دلی کے ساتھ خرچ کیا ہوگا۔

۴۳۶۔ یعنی اللہ نہایت وسیع وسائل اور لامحدود خزانوں کا مالک ہے اور اجر دینے میں نہایت فراخ دست ہے۔

۴۳۷۔ اللہ علیم ہے لہٰذا جو کار خیر بھی تم کرو وہ اس کے علم میں ہوگا اور وہ تمہیں برابر اس کا اجر دے گا۔

جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر
اس کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دلآزاری کرتے ہیں، ان کا اجر
ان کے رب کے پاس ہے۔ ان کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
بھلی بات کہنا اور درگذر سے کام لینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے دلآزاری ہو۔
اور اللہ بے نیاز اور بُردبار ہے۔ اے ایمان والو! احسان جتا کر اور دلآزاری کر کے اپنے
صدقات کو اس شخص کی طرح برباد نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے
اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان جس پر کچھ
مٹی (جمی ہوئی) تھی اس پر جب زور کا مینہ برسا تو وہ صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔
ایسے لوگوں کی کمائی کچھ بھی ان کے ہاتھ لگنے والی نہیں۔ اور اللہ کافروں کو
راہ راست نہیں دکھاتا۔ **(القرآن)**

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ
مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٦٢﴾

۲۶۲ جولوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اسکے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دلآزاری کرتے ہیں، ان کا اجران کے رب کے پاس ہے ۴۳۸۔ ان کیلئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ
وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿٢٦٣﴾

۲۶۳ بھلی بات کہنا اور درگذر سے کام لینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے دلآزاری ہو۔ ۴۳۹ اور اللہ بے نیاز اور بردبار ہے۔ ۴۴۰

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ
كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۖ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ
وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۗ وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦٤﴾

۲۶۴ اے ایمان والو! احسان جتا کر اور دلآزاری کر کے اپنے صدقات کو اس شخص کی طرح برباد نہ کرو جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان جس پر کچھ مٹی (جمی ہوئی) تھی اس پر جب زور کا مینہ برسا تو وہ صاف چٹان کی چٹان رہ گئی ۴۴۱ ایسے لوگوں کی کمائی کچھ بھی ان کے ہاتھ لگنے والی نہیں۔ اور اللہ کافروں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔ ۴۴۲

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ
فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٦٥﴾

۲۶۵ اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ کی رضا جوئی کیلئے ثبات قلب کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اس باغ کی مانند ہے جو بلندی پر واقع ہو۔ اس پر بارش ہوجائے تو دوگنا پھل لائے اور اگر بارش نہ ہو تو پھوار ہی کافی ہوجائے۔ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ
وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ
اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٦٦﴾

۲۶۶ کیا تم میں سے کوئی بھی یہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اور اس کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل موجود ہوں ۴۴۳ اور وہ بڑھاپے کی حالت کو پہنچ گیا ہو اور اس کے بچے ابھی ناتواں ہوں اور اس باغ پر آگ (سموم) کا بگولہ چلے ۴۴۴ جس سے وہ جھلس کر رہ جائے۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے آیتیں واضح فرماتا ہے تاکہ تم غور وفکر کرو۔ ۴۴۵

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ
اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ
تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا
فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿٢٦٧﴾

۲۶۷ اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے اچھی اور پاکیزہ چیزیں خرچ کرو۔ ۴۴۶ اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو زمین سے ہم نے تمہارے لئے نکالی ہیں۔ ۴۴۷ اور بری اور ناپاک چیزیں خرچ کرنے کا ہرگز ارادہ نہ کرو اگر وہی چیزیں تمہیں دی جائیں تو تم کبھی نہ لوگے الا یہ کہ اغماض برت جاؤ۔ اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ بے نیاز اور تعریف کا مستحق ہے۔

۴۳۸۔ کم ظرف لوگ جب کسی پر خرچ کرتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ وہ ان کے احسان تلے ہمیشہ دبے رہیں اور جب انہیں اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو وہ طنز و تشنیع کر کے انہیں ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرمایا جس اجر کا وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ایسے لوگوں کے لئے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے لئے ہے جن کا کردار ان آلائشوں سے پاک ہو اور جو اپنے انفاق میں مخلص ہوں۔

۴۳۹۔ مالدار بالعموم غریبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور مانگنے والوں کو جھڑک دیتے ہیں قرآن صرف انفاق کی ترغیب نہیں دیتا بلکہ مالداروں کی ذہنی و اخلاقی اصلاح بھی کرنا چاہتا ہے اس لئے اس نے اس قسم کی خرابیوں کی اصلاح کی طرف خاص طور سے توجہ کی ہے اور اس بات کی تاکید کی ہے کہ مانگنے والا اگر نامناسب رویہ اختیار کرے تو عفو و درگذر سے کام لینا چاہئے۔

۴۴۰۔ اللہ غنی ہونے کے ساتھ بردبار بھی ہے چنانچہ بندوں کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود وہ انہیں اپنے فضل سے نوازتا رہتا ہے۔ ان صفات کا اثر بندہ کو یہ قبول کرنا چاہئے کہ اگر اللہ نے اسے غنی بنایا ہے تو وہ اپنے اندر بردباری کی صفت پیدا کرے اور اگر غریبوں اور مانگنے والوں کا رویہ ناگوار ہو تو عفو و درگذر سے کام لے۔

۴۴۱۔ یہ ایسے شخص کی مثال ہے جو کسی سخت اور چکنی چٹان پر جس پر مٹی کی تہ جمی ہوئی ہو کاشت کرے جب اس پر زور کی بارش ہو تو فصل سمیت ساری مٹی بہ جائے اور صاف چٹان کی چٹان رہ جائے (Land Slip) کے اس واقعہ کے نتیجہ میں جس طرح کاشت کار کی محنت رائیگاں جاتی ہے اسی طرح جو لوگ نام و نمود کے لئے خیرات کرتے ہیں وہ اپنی خیرات کو برباد کرتے ہیں۔ جس خیرات کی بنیاد خلوص وللّٰہیت پر نہ ہو اور جس کے پیچھے بندگان خدا کی سچی ہمدردی کا جذبہ نہ ہو اس کا کوئی اجر و ثواب آخرت میں مرتب نہ ہوگا۔

۴۴۲۔ یعنی جو لوگ دولت کی نعمت پا کر اللہ کے شکر گذار نہیں بنتے انہیں خلوص وللّٰہیت کے ساتھ انفاق کرنے کی توفیق نہیں ملتی اور ایک نیکی کا کام بھی وہ نیکی کے جذبہ سے نہیں کر پاتے۔

۴۴۳۔ عربوں کے ہاں کھجور کے درختوں (Date - Palmtrees) کو خاص اہمیت تھی۔ اس کا پھل ان کے لئے غذا کا کام دیتا تھا اور اس کا شمار دولت کے اہم وسائل میں ہوتا تھا۔ عرب اپنے باغات کو کھجور کے درختوں سے گھیر لیتے تھے تاکہ گرمی اور تند ہوا سے باغ محفوظ رہ سکے۔ بیچ میں انگور وغیرہ کے درخت لگاتے اور بعض قطعات میں فصلوں کی کاشت کرتے تھے۔

۴۴۴۔ آگ کے بگولہ سے یہاں مراد بادسموم اور لُو کا بگولہ ہے جس سے باغ جھلس کر رہ جائے۔

۴۴۵۔ اس مثال سے جو بات ذہن نشین کرانی مقصود ہے وہ یہ ہے کہ کیا تم اس بات کو پسند کرو گے کہ اپنی دنیا آباد کرنے کے بعد تم یہاں سے رخصت ہو اور عالم آخرت میں قدم رکھو تو ایک شدید حادثہ سے دوچار ہو جاؤ اور تمہیں پتہ چلے کہ تمہارا سب کیا کرایا برباد ہو گیا اور اب کوئی موقع نہیں کہ از سر نو کمائی کر سکو اور نہ کہیں سے کوئی مدد پا سکو اگر اس حادثہ سے دوچار ہونا نہیں چاہتے تو دنیا پرستانہ ذہنیت ترک کرو اور رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر راہ خدا میں خرچ کرو۔

۴۴۶۔ اللہ تعالیٰ وہی صدقہ قبول کرتا ہے جو پاک اور حلال کمائی میں سے کیا گیا ہو۔ ناپاک اور حرام کمائی میں سے جو صدقہ کیا جائے گا وہ اللہ کے ہاں ہرگز مقبول نہ ہوگا۔ مثلاً سود، جوا، شراب اور دیگر حرام چیزوں کی بیع، بے حیائی کے کام اور اسکی اشاعت نیز چوری غبن وغیرہ کے ذریعہ آدمی جو حرام مال کمائے اس کی کتنی ہی بڑی مقدار وہ کسی کار خیر میں صرف کرے اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ہرگز مقبول نہیں ہے بلکہ مردود ہے۔

۴۴۷۔ انفاق کی یہ ہدایت اگرچہ زکوٰۃ اور نفل صدقات دونوں کے لئے ہے لیکن زمین کی پیداوار سے خاص طور پر اشارہ پیداوار کی زکوٰۃ کی طرف ہے اور اپنی کمائی سے تجارتی اموال وغیرہ کی زکوٰۃ کی طرف۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ
يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚۖ ﴿۲۶۸﴾

۲۶۸ شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دیتا ہے، ۴۴۸؎ مگر اللہ اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور بڑے علم والا ہے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ
اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

۲۶۹ وہ جسے چاہتا ہے حکمت سے نوازتا ہے ۴۴۹؎ اور جسے حکمت ملی اسے بڑی دولت مل گئی مگر نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ
فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

۲۷۰ تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا ہو اور جو نذر بھی مانی ہو ۴۵۰؎ اللہ اس کو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ۴۵۱؎

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا
وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ
مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

۲۷۱ اگر تم اپنے صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے، لیکن اگر اخفا کے ساتھ محتاجوں کو دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ ۴۵۲؎ اللہ تمہاری کتنی ہی برائیوں کو دور کر دے گا۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا
ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ
وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

۲۷۲ ان کو ہدایت دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے ۴۵۳؎ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور تم جو مال بھی خرچ کرو گے اس کا فائدہ تم ہی کو پہنچے گا۔ اور تم اللہ کی رضا جوئی ہی کے لئے خرچ کرتے ہو، تو جو مال بھی تم خرچ کرو گے اس کا اجر تمہیں پورا پورا دیا جائے گا۔ اور تمہاری ہرگز حق تلفی نہ ہوگی۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ
اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ
النَّاسَ اِلْحَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
بِهٖ عَلِيْمٌ ۧ ﴿۲۷۳﴾

۲۷۳ اعانت کے اصل مستحق وہ حاجتمند ہیں جو اللہ کی راہ میں ایسے گھر گئے کہ زمین میں دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ ۴۵۴؎ بے خبر آدمی ان کی خودداری کو دیکھ کر ان کو غنی خیال کرتا ہے۔ تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔ اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا
وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

۲۷۴ جو لوگ اپنے مال رات اور دن کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ان کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ غم۔

۴۴۸۔ یعنی شیطان نہیں چاہتا کہ تم نیک کاموں میں خرچ کرو لہٰذا وہ مفلسی کا خطرہ دل میں ڈالتا ہے اور بدکاری اور عیاشی کے کاموں میں روپیہ اڑانے پر آمادہ کرتا ہے آج بے حیائی کی نت نئی شکلیں مثلاً عریاں تصاویر والے رسالے، فحش ناولیں، حیا سوز گانے، ناچ رنگ کی محفلیں، بے حیائی کو فروغ دینے والے کلب اور اخلاق کو تباہ کرنے والی فلمیں انسان سے بے دریغ خرچ کا مطالبہ کرتی ہیں اور حقوق کی ادائیگی اور نیک کاموں میں خرچ کرنے سے باز رکھتی ہیں۔

۴۴۹۔ متن میں لفظ حکمت استعمال ہوا ہے جس سے مراد فہم، دانائی اور بصیرت ہے دنیا کی اصل دولت مال نہیں بلکہ وہ دانائی ہے جو انسان میں دور اندیشی پیدا کرے اور ان کاموں کی طرف اسکی رہنمائی کرے جن میں اس کا حقیقی مفاد مضمر ہے۔ یہ دانائی اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے اور اللہ تعالیٰ اس نعمت سے اسے نوازتا ہے جسے وہ چاہتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ چاہنا بھی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا وہ ان لوگوں کے دامن حکمت کے موتیوں سے بھر دیتا ہے جو دنیا پرستی اور عیش کوشی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر اس کے لئے قربانیاں دیتے اور اس کی راہ میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔

۴۵۰۔ متن میں لفظ "نذر" استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ منت ماننے کے ہیں یعنی آدمی یہ عہد کرے کہ اگر میری فلاں اور فلاں مراد پوری ہو گئی تو میں یہ اور یہ عبادت کروں گا یا اتنا اور اتنا صدقہ کروں گا۔ اسلام میں نذر صرف اللہ کے لئے جائز ہے۔ غیر اللہ کے نام کی نذر شرک اور حرام ہے کیونکہ نذر بھی عبادت کی ایک شکل ہے جو اعتراف نعمت اور شکر کے طور پر آدمی انجام دیتا ہے اور جب حقیقت یہ ہے کہ جو نعمت بھی آدمی کو ملتی ہے اسکا عطا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تو پھر اسکی بخشی ہوئی نعمت کے حاصل ہو جانے پر غیر اللہ کا شکر ادا کرنے کے کیا معنیٰ؟

اسلام نے نذر ماننے کی ترغیب نہیں دی ہے لیکن اگر کوئی شخص نذر مانے اور اسکی مراد پوری ہو جائے تو اس کا پورا کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اللہ کے ساتھ عہد ہے جس میں تساہل برتنا بہت بڑی اخلاقی کمزوری ہے۔

۴۵۱۔ یہاں ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو دولت دنیا کو سب کچھ سمجھ بیٹھیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے جی چرائیں یا خرچ کریں تو نام و نمود وغیرہ کے لئے۔

۴۵۲۔ صدقہ و خیرات بعض مواقع پر ظاہر کر کے دینا مفید ہوتا ہے مثلاً دوسروں کو انفاق کی ترغیب دینے اور کسی اجتماعی مقصد کے لئے تحریک پیدا کرنے کی غرض سے لیکن اگر ایسی کوئی ضرورت نہ ہو تو پوشیدہ طور پر صدقہ کرنا ہی بہتر ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں آدمی ریاکاری سے بچتا ہے اور حاجت مندوں کی خود داری کو ٹھیس نہیں پہنچتی اس لئے حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس شخص کو اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ دے گا جس نے اخفا کے ساتھ صدقہ دیا ہو گا یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہیں کہ اس کے داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

۴۵۳۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اہل حاجت کی مدد کرنا چاہئے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ کسی کو ہدایت دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے لہٰذا کسی غیر مسلم حاجتمند کی مدد کرنے میں اس لئے تامل نہ کرو کہ اس نے ہدایت قبول نہیں کی ہے بلکہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے جس حاجتمند انسان کی بھی تم مدد کرو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا پورا پورا اجر دے گا۔

۴۵۴۔ یعنی وہ دین کی خدمت انجام دینے میں ایسے مصروف ہو گئے ہیں کہ کسب معاش کے لئے جدوجہد نہیں کر سکتے اور خود داری کی وجہ سے وہ اپنی حاجت کا اظہار نہیں کرتے ان کو ان کے چہرے بشرے سے پہچان لیا جا سکتا ہے کہ وہ واقعی حاجتمند ہیں ایسے لوگ امداد و اعانت کے اصل مستحق ہیں اس کے مصداق اس زمانے میں اصحاب صفہ تھے جو دین کا علم حاصل کرنے، دوسروں کو اس کی تعلیم دینے اور اعلاء کلمۃ اللہ کی جدوجہد میں ہمہ تن مصروف تھے اور اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے معاشی وسائل سے محروم تھے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ فَمَنْ جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

۲۷۵ جو لوگ [۴۵۵] سود کھاتے ہیں [۴۵۶] وہ اس شخص کی طرح اُٹھیں گے [۴۵۷] جسے شیطان نے اپنی چھوت سے خبطی بنا دیا ہو۔ [۴۵۸] یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں بیع بھی تو سود کی طرح ہے [۴۵۹]۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال ٹھہرایا ہے اور سود کو حرام [۴۶۰]۔ اب جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور وہ باز آجائے تو جو کچھ وہ پہلے لے چکا وہ اس کا ہوا۔ اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے۔ اور اگر پھر اس کا اعادہ کرے تو ایسے لوگ دوزخی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ [۴۶۱]

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

۲۷۶ اللہ سود کو نیست و نابود کرتا ہے اور صدقات کو افزونی عطاء فرماتا ہے [۴۶۲]۔ اللہ کسی ناشکرے اور حق تلفی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ [۴۶۳]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

۲۷۷ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ ان کو نہ کسی قسم کا اندیشہ ہوگا اور نہ غم۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾

۲۷۸ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم مؤمن ہو۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

۲۷۹ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے [۴۶۴]۔ اور اگر توبہ کرلو تو تم کو اپنا اصل مال لینے کا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

۲۸۰ اگر مقروض تنگ دست ہو تو کشادگی تک مہلت دو [۴۶۵]۔ اور معاف کر دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۼ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

۲۸۱ اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہوگی۔

۴۵۵۔ انفاق پر زور دینے کے بعداب سود کی حرمت بیان کی جارہی ہے جو صدقات وخیرات کی عین ضد ہے صدقہ وخیرات سے انسان کے اندر ہمدردی، فیاضی، ایثار، رحمدلی اور محبت خداوندی کے جذبات پرورش پاتے ہیں لیکن سود انسان کے اندر خودغرضی، بخل، سنگدلی اور زر پرستی جیسے رذائل پیدا کرتا ہے اس لئے قرآن نے جہاں انفاق کی ہدایت کی ہے وہاں سودخوری سے بچنے کی بھی تاکید کی ہے۔

۴۵۶۔ متن میں لفظ "ربٰو" استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی زیادتی اور اضافہ کے ہیں۔ اس سے مراد وہ اضافہ ہے جو کسی قرض پر مہلت کے عوض وصول کیا جاتا ہے جسے ہم "**سود اور بیاج**" کہتے ہیں۔ سود بیع سے بالکل مختلف چیز ہے اور اسلام نے اسے مطلقاً حرام قرار دیا ہے اس لئے ساہوکاری سود ہو یا بنک کا سود، کسی غریب سے لیا جائے یا مالدار سے، اور قرض کاروبار اور تجارت کے لئے دیا گیا ہو یا رفاہ عامہ کے کسی منصوبہ کو روبہ عمل لانے کے لئے سود سود ہی رہے گا اور اس کی حرمت میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا۔ واضح رہے کہ سود کی ممانعت پہلے سے آسمانی کتابوں میں چلی آرہی ہے چنانچہ تورات میں ہے:

"اگر تو میرے لوگوں میں کسی محتاج کو جو تیرے پاس رہتا ہو کچھ قرض دے تو اس سے قرض خواہ کی طرح سلوک نہ کرنا اور نہ اس سے سود لینا" (خروج ۲۲۔۲۵)

"تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا سود یا کسی ایسی چیز کا سود ہو جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے۔" (استثناء ۲۳۔۱۹)

زبور میں ہے:

"وہ جو اپنا روپیہ سود پر نہیں دیتا اور بے گناہ کے خلاف رشوت نہیں لیتا ایسے کام کرنے والا کبھی جنبش نہ کھائے گا" (زبور ۱۵۔۵)

حزقی ایل میں ہے:

"سود پر لین دین نہیں کیا۔۔۔۔۔وہ صادق ہے"۔۔۔۔سود پر لین دین نہ کرے۔ (حزقی ایل ۱۸۔۸۔۱۷)

البتہ بنی اسرائیل نے تورات کے اصل حکم میں تحریف کر کے غیر قوموں سے سود لینا جائز کرلیا تھا۔

کتاب استثناء میں ہے:

"تو پردیسی کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا" (استثناء ۲۳۔۲۰)

ان کی اسی حرکت پر قرآن نے تعریض کی ہے کہ:

قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّيْنَ سَبِيْلٌ (وہ کہتے ہیں امیوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ (آل عمران۔۷۵)

قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ بدمعاملگی کسی کے ساتھ بھی جائز نہیں خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور سودخواری سب سے بڑی بدمعاملگی ہے۔ اس لئے کافروں کا مال بھی سود کی راہ سے ہڑپ کر جانے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے جو لوگ دور حاضر کی معاشیات واقتصادیات سے متاثر ہیں وہ قرآن کے "ربٰو" کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد صرف وہ سود ہے جو غریبوں اور محتاجوں کو اپنی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لئے دیئے جانے والے قرضوں پر لیا جائے۔ رہا کاروباری قرضہ پر سود تو نہ اس کا چلن قدیم زمانہ میں تھا اور نہ قرآن نے اس کی ممانعت کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ کاروباری قرضوں کا رواج قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، مثلاً بابل قدیم میں حمورابی کے زمانہ میں اس کا رواج تھا۔ (ملاحظہ ہو انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنس اینڈ اتھکس جلد ۱۲ ص ۵۵۵)

رہی قرآن سے اسی کی ممانعت تو قرآن نے عمومیت کے ساتھ ربٰو (**سود**) کو حرام ٹھہرایا ہے جسمیں ہر قسم کا سود شامل ہے خواہ وہ محتاجوں سے لیا جائے یا بڑے بڑے تاجروں سے، خواہ اس کی شرح معمولی ہو یا بھاری اور خواہ وہ (Interest) کی تعریف میں آتا ہو یا (Usury) کی۔

۴۵۷۔ اٹھنے سے مراد قیامت کے دن اٹھنا ہے۔

۴۵۸۔ شیطان کی چھوت سے مراد شیطان کے وہ اثرات ہیں جو سودخور کے قلب وذہن پر پڑتے ہیں اور جس کے نتیجے میں اس پر زر پرستی کا بھوت ایسا سوار ہو جاتا ہے کہ اس کی حالت مخبوط الحواس کی سی ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ مال بٹورنے کی فکر میں دیوانہ ہو جاتا ہے اور اس بات کا اسے احساس نہیں ہوتا کہ وہ سود کے ذریعہ

غریبوں کا خون چوس رہا ہے اور اخلاق اور ہمدردانہ جذبات کو کچل رہا ہے نیز سماج کی معاشی واقتصادی حالت پر تباہ کن اثر ڈال رہا ہے۔ جو لوگ مال کے اس مالیخوئے میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ قیامت کے دن جب اٹھیں گے تو جو خون وہ چوستے رہے ہیں وہ ان کے دماغوں کو ماؤف کئے ہوئے ہوگا اور یہ دیکھ کر کہ سود در سود کا جو چکر وہ دنیا میں چلاتے رہے ہیں وہ اس دنیا میں خسران در خسران کا باعث بن گیا ہے ان کا حال دیوانوں اور پاگلوں کا سا ہوگا۔

۴۵۹۔ سود کو بیع پر قیاس کرنے والے اور اس کی حرمت پر اعتراض کرنے والے عصر حاضر کے علماء معیشت(Economists) ہی نہیں بلکہ ایسے ''عقلمند'' نزول قرآن کے زمانہ میں بھی موجود تھے حالانکہ دونوں کی نوعیت ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور ان کے درمیان جوہری اور بیّن فرق ہے، یہی وجہ ہے کہ سود کو سماج کے لئے لعنت قرار دینے والے قدیم زمانہ میں بھی موجود رہے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ارسطو نے سود کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا تھا:

" Money does not breed " (Ency. of Social Sciences Vol. VIII P. 131)

یعنی ''روپیہ روپیہ کو جنم نہیں دیتا۔''

اور موجودہ دور کے سوشلسٹ سود کو غریب اور مزدور طبقہ کے حق میں ناانصافی اور ظلم سے تعبیر کرتے ہیں:

" By Interest, then the socialist claisms the rich are made richer and the poor poorer and the stability of the social organism is disturbed __ the evil that Melamchthon had feared " (Ency of R.E.Vol. 12 P.554)

سوشلسٹ کا دعویٰ ہے کہ سود امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بناتا ہے اور اس کا اثر سماجی نظام کے استحکام پر پڑتا ہے۔ یہ وہ خرابی ہے جس کا اندیشہ میلیچتھن نے محسوس کیا تھا:

Usury has come to mean exorbitant interest but the legitimacy of interest is still debated. The early attacks on usury were motived by the church's sympathy with the oppressed poor. The latest attack finds its strength in the plea that interest is an un-just tax on the labouring classes," (Do. P. 554)

''یوژری(Usury) کا مطلب ہوا بھاری سود لیکن سود کا جواز اب بھی موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ پہلے اس پر اعتراض کی وجہ چرچ کی مظلوم غریب کے ساتھ ہمدردی تھی اور اب تازہ اعتراض اس بنیاد پر کیا جا رہا ہے کہ سود(Interest) مزدور طبقہ پر ایک غیر منصفانہ ٹیکس ہے۔''

"Interest is the unpaid wage of the labourer" (Do. P. 554)

''سود مزدور کی غیر ادا شدہ اجرت ہے''

۴۶۰۔ سود کی حرمت کے وجوہ مختصراً درج ذیل ہیں:

(۱) سود وہ منافع ہے جو قرض خواہ سرمایہ کے استعمال پر قرض دار سے وصول کرتا ہے۔

Interest in its primery meaning is the payment for the use of money. (Ency. of S.S. Vol. VIII P. 131)

اس سے بالکل واضح ہے کہ سودی معاملہ کوئی بیع یا تجارت(Trade) نہیں ہے کیونکہ اس میں نہ کوئی چیز خریدی جاتی ہے اور نہ فروخت کی جاتی ہے بلکہ سرمایہ صرف استعمال کرنے کیلئے دیا جاتا ہے یہ کرایہ بھی نہیں ہے کیونکہ جو چیز کرایہ (Rent) پر لی جاتی ہے وہ اصلاً باقی رہتی ہے اور استعمال کرنے کے بعد وہی چیز بعینہ مالک کو لوٹا دی جاتی ہے۔ لیکن سودی لین دین میں قرضدار سرمایہ کو صرف کر چکا ہوتا ہے اور جب واپس کرتا ہے تو مالک کے دیئے ہوئے سرمایہ کو بعینہ واپس نہیں کرتا بلکہ دوسری رقم واپس کرتا ہے لہٰذا اس کو کرایہ کہنا بھی صحیح نہیں۔ اس سے سودی لین دین کی یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ وہ معروف معنی میں نہ بیع کا معاملہ ہے اور نہ کرایہ کا بلکہ اس سے بالکل مختلف ہے اور جب وہ نہ بیع کا معاملہ ہے اور نہ کرایہ کا تو منافع کس چیز کا لیا جاتا ہے؟ یہیں سے اس کا منکر ہونا واضح ہے۔

(۲) تجارت میں نفع کا بھی امکان ہوتا ہے اور نقصان کا بھی اس لئے اس میں آدمی کو خطرہ مول لینا پڑتا ہے لیکن سود خور کو کوئی خطرہ(Risk) مول لینا نہیں پڑتا کیونکہ زر اصل کے ساتھ فائدہ کا حصول اس کے لئے یقینی ہوتا ہے۔

(۳) تجارت میں آدمی کو اپنی ذہنی اور عملی قوتیں صرف کرنا پڑتی ہیں لیکن سودی کاروبار میں اسے کچھ کئے بغیر متعین اور یقینی فائدہ حاصل ہو جاتا ہے اس لئے انسان محنت سے جی چرانے اور سود پر روپیہ لگانے کی آسان راہ اختیار کرنے لگتا ہے۔ یہ صورت اخلاقی اور معاشی دونوں اعتبار سے غلط اور مضر ہے۔

علاوہ ازیں یہ ایک حقیقت ہے کہ سودخور کے بارے میں قرضدار کا تاثر اچھا نہیں ہوتا وہ سود کو اپنے اوپر زیادتی ہی شمار کرتا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ انسانی فطرت سود سے ابا کرتی ہے اور اسے برا سمجھتی ہے جب کہ ایک تاجر کے بارے میں جو واجبی منافع پر اشیاء فروخت کرتا ہے کسی غریب سے غریب آدمی کا بھی یہ تاثر نہیں بنتا، الغرض سود غریب کا خون چوس لینے (Blood Sucking) اور سرمایہ دار طبقہ کا غریب طبقہ سے ناجائز فائدہ اٹھانے (Exploitation) کا نام ہے۔ کاروبار کی ترقی کے لئے جو سودی قرضے دیئے جاتے ہیں اس کا بار بھی لازماً غریبوں پر پڑتا ہے اس لئے کہ ایک تاجر اور ایک کارخانہ دار اشیاء کی قیمت مقرر کرتے وقت جو سود ادا کرتا ہے اس کو محسوب کر کے قیمت متعین کرتا ہے۔

ظاہر ہے اشیاء کی قیمت سود کی مناسبت سے اسے زائد ہی مقرر کرنا پڑتی ہے اور اس زائد قیمت کا بار زیادہ تر غریب طبقہ پر پڑتا ہے۔

۴۶۱۔ سودخور کے لئے آگ کی دائمی سزا کا اعلان اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ سود کی حرمت دیگر گناہوں کے مقابلہ میں شدید تر ہے اور اتنی واضح تنبیہ کے بعد بھی جو لوگ خدا کا حکم ماننے کے لئے تیار نہ ہوں اور سودخوری پر اصرار کریں ان کا یہ رویہ ان کے نافرمان اور سرکش ہونے کا واضح ثبوت ہوگا۔ کیونکہ یہ رویہ ایمان کے ساتھ کسی طرح میل نہیں کھاتا۔

۴۶۲۔ بظاہر سود سے سرمایہ بڑھتا اور صدقات سے گھٹتا نظر آتا ہے لیکن حقیقۃً سود سے گھٹتا اور صدقات سے بڑھتا ہے۔ یہ گھٹنا اور بڑھنا دراصل اخروی انجام کے لحاظ سے ہے چنانچہ قیامت کے دن سودخور دیکھ لیگا کہ دنیا میں جس سرمایہ کو وہ سود کے ذریعہ بڑھاتا رہا ہے اور بنک میں لاکھوں روپیہ جمع کرتا رہا ہے آخرت کے بنک میں اس کا بقایا (Balance) صفر نکلے گا اور اس کے حصہ میں سوائے حسرت اور ندامت کے کچھ نہیں آئے گا۔

اس کے برخلاف جو لوگ غیر سودی قرضے دیتے رہے وہ اپنے حسن عمل کا اجر ضرور پائیں گے بالخصوص جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے ہیں وہ آخرت کے بنک میں اپنا وہ سارا سرمایہ محفوظ پائیں گے جو انہوں نے خرچ کیا تھا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ انہیں ملے گا۔ یہ تو ہوئی بات آخرت کے انجام کے لحاظ سے، رہا دنیا میں نتیجہ تو سود دنیا میں بھی خیر و برکت کو مٹاتا ہے اور سوسائٹی کی معیشت پر بھی خراب اثرات ڈالتا ہے۔ برعکس اس کے صدقات سے خیر بھی پروان چڑھتا ہے اور سوسائٹی کی معیشت پر بھی خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۴۶۳۔ سودخور ناشکرا ہے کہ اللہ کی دی ہوئی دولت کو اس کی مرضی کے خلاف استعمال کرتا ہے اور حق تلفی کرنے والا ہے کہ بندوں کے حقوق کے معاملہ میں ظلم و زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے۔

۴۶۴۔ ان آیات کے ذریعہ جو مدینہ کے آخری دور کی آیات میں سے ہیں سود پر قانونی بندش عائد کی گئی اور سودخوروں کو الٹی میٹم دیتے ہوئے آگاہ کیا گیا کہ اسلامی نظام میں سودی کاروبار کرنے والوں کی حیثیت باغیوں اور مفسدوں کی ہے اور حکومت سودخوری سے باز نہ آنے والوں کو قتل کی سزا تک دے سکتی ہے اسلامی نظام کی یہ خصوصیت کہ اس میں سودی کاروبار کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے اسے سرمایہ دارانہ نظام سے جسمیں سود ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے بالکل ممتاز کرتی ہے۔

سود کی حرمت اور اس کے قانونی امتناع کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر نہایت سخت الفاظ میں واضح فرمایا۔

وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ وَاَوَّلُ رِبًا اَضَعُ رِبَانَا رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَاِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ

''جاہلیت کا سود ساقط ہے سب سے پہلا سود جو میں ساقط کرتا ہوں وہ ہمارے خاندان کے فرد عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے کہ وہ پوری طرح ساقط کر دیا گیا'' (مسلم کتاب الحج)

۴۶۵۔ قدیم زمانہ میں اگر مقروض قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہوتا تو اسے اپنی آزادی تک سے محروم ہو جانا پڑتا تھا چنانچہ عدم ادائیگی کی بنا پر اس کو یا اس کے بال بچوں کو لونڈی غلام بنا لیا جاتا تھا لیکن قرآن نے ایسی سخت سزاؤں کا یہ کہہ کر خاتمہ کر دیا کہ

''اگر مقروض تنگ دست ہو تو کشادگی تک مہلت دو'' اس حکم کے پیش نظر جو لوگ قرض کی ادائیگی سے مجبور ہوں انہیں مہلت دینا ضروری ہے۔ نہ ان کو غلام بنایا جا سکتا ہے اور نہ ان کی ضروریات زندگی مثلاً رہنے کا مکان، کھانے کے برتن اور پہننے کے کپڑے وغیرہ ضبط کئے جا سکتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ
يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ
الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ
وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ
لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ
الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىھُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ
وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ
صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ
لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا
تَكْتُبُوْھَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ
وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۲۸۲

۲۸۲ اے ایمان والو! جب تم کسی معیّن مدت کیلئے قرض کا لین دین کرو۴۶۶ تو اسے لکھ لیا کرو۴۶۷۔اور کوئی لکھنے والا تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے۔ لکھنے والے کو جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھایا ہے (دستاویز) لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہئے بلکہ لکھ دینا چاہئے۔۴۶۸ اور یہ دستاویز وہ شخص لکھوائے جس کے ذمے حق ہے۴۶۹۔اور وہ اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور اس میں کوئی کمی نہ کرے، لیکن اگر وہ شخص جس پر حق عائد ہوتا ہے نادان یا ضعیف ہو یا دستاویز لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوائے۔اور اس پر اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ ٹھہرالو ۴۷۰ ۔اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہوں جنہیں تم (گواہی کے لئے) پسند کرتے ہو۔۴۷۱ دو عورتیں اس لئے کہ اگر ایک غلطی کرے تو دوسری اسے یاد دلائے۔۴۷۲ اور جب گواہوں کو بلایا جائے تو انہیں انکار نہیں کرنا چاہئے۔قرض کا معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا مدت کی تعیین کے ساتھ اس کو لکھنے میں تساہل نہ برتو۔ یہ طریقہ اللہ کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے، شہادت کو زیادہ درست رکھنے کا موجب ہے اور اس لحاظ سے انسب ہے کہ تم شبہات میں نہ پڑو۔ ہاں اگر معاملہ دست بدست لین دین کا ہو تو اس کے نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔اور خرید فروخت کا معاملہ کرو تو گواہ کرلیا کرو۔ کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے، ایسا کروگے تو یہ بڑی ناانصافی ہوگی۔اور اللہ سے ڈرو۔ ۴۷۳ اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے۔اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰي سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ
اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ
رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۲۸۳

۲۸۳ اور اگر تم سفر میں ہو اور کاتب نہ مل سکے تو رہن قبضہ میں دیکر ۴۷۴ معاملہ کرسکتے ہو پھر اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر اعتماد کرتا ہے تو جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے اسے چاہئے کہ اس کی امانت ادا کرے اور اللہ سے جو اس کا رب ہے ڈرے۔اور شہادت کو نہ چھپاؤ۔ جو شخص شہادت کو چھپاتا ہے وہ درحقیقت اپنے دل کو گناہ سے آلودہ کرتا ہے۔اور تم جو کچھ کرتے ہو اسے اللہ بخوبی جانتا ہے۔

۴۶۶؂ اس آیت میں صفائی معاملات کے تعلق سے ہدایات دی گئی ہیں کیونکہ معاملات کا انسان کے کردار پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اگر کردار کی پاکیزگی مطلوب ہے تو کاروباری معاملات اور لین دین میں ذمہ دارانہ اور محتاط رویہ اختیار کرنا ہوگا اس سلسلہ میں جو ہدایات دی گئی ہیں ان پر اگر ٹھیک طور سے عمل کیا جائے تو کاروباری نزاعات اور جھگڑے کھڑے نہ ہوں۔

۴۶۷؂ یعنی قرض کی دستاویز لکھ لی جائے اور اس معاملہ میں تساہل نہ برتا جائے۔ یہ ہدایت ادھار لین دین کے بارے میں بھی ہے۔

۴۶۸؂ لکھنے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ کی بخشش ہے اور اس بخشش کا تقاضہ ہے کہ آدمی ضرورت پڑنے پر بندگان خدا کے کام آئے۔ اس ہدایت کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھنے کے لئے اس وقت کے ماحول کو سامنے رکھنا چاہیئے جس میں پڑھے لکھے لوگوں کی بڑی کمی تھی یہاں تک کہ جس قوم میں قرآن نازل ہوا وہ امی کے نام سے معروف تھی۔

آیت کے مضمون سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ قرآن نے لکھنے پڑھنے کی تعلیم کو اہم اور ضروری قرار دیا اور اسے اللہ کی نعمت سے تعبیر کیا۔

۴۶۹؂ یعنی قرض لینے والا۔

۴۷۰؂ یعنی قرض کی دستاویز پر دو مسلمان مردوں کی گواہی ثبت ہونی چاہیئے۔ واضح رہے کہ یہ ہدایت مسلمانوں کو دی جارہی ہے۔

۴۷۱؂ یعنی ایسے مردوں اور عورتوں کو گواہ بنایا جائے جو اخلاق و عمل کے لحاظ سے پسندیدہ اور قابل اعتماد ہوں۔

۴۷۲؂ ایک مرد کے مقابلہ میں دو عورتوں کی گواہی کو ضروری قرار دینے میں عورتوں کی تحقیر کا کوئی پہلو نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ قرآن کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ گواہی کے معاملہ میں عورتوں سے غلطی کے سرزد ہونے کا زیادہ امکان ہے اور واقعہ یہ ہے کہ عورتیں تجارتی اور کاروباری دنیا سے کم اور گھریلو مسائل سے زیادہ تعلق رکھتی ہیں اس لئے کاروباری معاملات میں دقیقہ رسی کی ان میں کمی ہوتی ہے اور اس بنا پر ان کے مغالطہ میں پڑنے کا زیادہ امکان ہوتا ہے علاوہ ازیں عورتوں میں جذبات کا وفور ان کی معاملہ فہمی پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔ جدید علم النفسیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اس سلسلہ میں مولانا عبدالماجد دریا بادی نے اپنی انگریزی تفسیر میں علماء نفسیات کی کتابوں کے جو اقتباسات پیش کئے ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

In women deception is almost psychological. (Havelock Ellis: Man and Woman P. 196)

''عورتوں کا مغالطہ میں پڑنا قریب قریب نفسیاتی بات ہے۔''

"We are again forced to admit that a women is not in a position to judge objectively being influenced by her emotion (Baver Opcit. i.p.289)

عورتوں کی ان نفسیات کے پیش نظر اسلام نے اپنے قانون شہادت میں یہ محتاط طریقہ اختیار کیا ہے کہ اگر مردوں میں سے دو گواہ نہ ملیں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنالیا جائے تاکہ اگر ایک عورت معاملہ کی نوعیت کو ٹھیک سے سمجھ نہ سکی ہو یا صورت واقعہ ٹھیک طور سے بیان نہ کر پارہی ہو تو دوسری عورت اسے متنبہ کردے۔

۴۷۳؂ اللہ کا ڈر کاروباری اور عدالتی معاملات میں بھی ہونا چاہیئے۔

۴۷۴؂ رہن اس چیز کو کہتے ہیں جو قرض کی ضمانت کے طور پر قرض دینے والے کے قبضہ میں دی جاتی ہے۔ یہ گروی رکھی ہوئی چیز قرض دینے والے کے پاس بطور امانت ہوتی ہے جس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا اس کے لئے جائز نہیں مثلاً اگر مکان گروی رکھا گیا ہو تو اس کا کرایہ کھانے کا حق اس کو نہیں پہنچتا۔ رہن کا معاملہ سفر کے ساتھ مشروط نہیں ہے سفر کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ بالعموم حالت سفر میں اس کی ضرورت پیش آتی ہے نیز اخلاقاً یہ بات پسندیدہ نہیں ہے کہ کسی معقول وجہ کے بغیر کسی کی ضرورت کی چیزیں روک کر اسے قرض دیا جائے۔ لیکن اگر کوئی شخص رہن قبضہ میں لیکر ہی قرض دیتا ہے تو ایسا کرنا سفر اور حضر دونوں میں جائز ہے بشرطیکہ نہ اس پر سود لے اور نہ اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھائے کیونکہ قرض دیکر جو فائدہ بھی حاصل کیا جائے گا وہ سود ہی ہوگا۔

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْٓ
اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ
يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

۲۸۴ جو کچھ آسمانوں میں ہے ۴۷۵؎ اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے ۴۷۶؎۔ تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ انکا حساب تم سے لے لیگا۔ ۴۷۷؎ پھر جسکو چاہے گا معاف کریگا اور جس کو چاہے گا سزا دیگا۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ۴۷۸؎

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ
وَالْمُؤْمِنُوْنَؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا
غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

۲۸۵ رسول ایمان لایا اس چیز پر جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور مؤمنین بھی ۴۷۹؎۔ یہ سب ایمان لائے اللہ پر اس کے فرشتوں پر اسکی کتابوں پر اس کے رسولوں پر، ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے ۴۸۰؎۔ اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا ۴۸۱؎ اور اطاعت کی۔ اے ہمارے رب! ہم تجھ سے مغفرت کے طالب ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
اكْتَسَبَتْؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا
وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا
وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

۲۸۶ اللہ کسی نفس پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا ۴۸۲؎۔ اس نے جو نیکی کمائی وہ اسی کے لئے ہے اور جو بدی سمیٹی اس کا وبال بھی اسی پر ہے۔ ۴۸۳؎ اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول یا غلطی سرزد ہوجائے ۴۸۴؎ تو اس پر مواخذہ نہ فرما ۴۸۵؎، اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ ۴۸۶؎ اے ہمارے رب! ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈال ۴۸۷؎ جس کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ ۴۸۸؎ ہم سے درگذر فرما، ۴۸۹؎ ہمیں بخش دے ۴۹۰؎ اور ہم پر رحم فرما، تو ہمارا مولیٰ ہے ۴۹۱؎ پس تو ہمیں کافروں پر غلبہ عطاء فرما۔ ۴۹۲؎

۷۷۵؎ یہ آخری تین آیتیں خاتمۂ کلام کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۷۷۶؎ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔'' اس ہمہ گیر اور وسیع کائنات (Universe) کی تعبیر کے لئے قرآن کا اسلوب بیان ہے اور اللہ کے لئے سب کچھ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک دنیا ہو یا ہزار دنیا جہاں کہیں جو کچھ بھی ہے اللہ ہی کی ملکیت ہے، سب چیزیں اسی کے اختیار میں ہیں، سب پر اسی کی فرمانروائی ہے اور سب کا مرجع بھی وہی ہے۔ یہ ہے اس کائنات کی اصل حقیقت اور یہ ہے خالص توحید جو اسلام کے عقیدہ و ایمان کی اساس ہے اور اسی کا صحیح شعور ہی انسان کو شریعت الٰہی کی گرانبار ذمہ داری اٹھانے کا اہل بناتا ہے۔

۷۷۷؎ یعنی دل کے ارادوں اور نیتوں کا بھی محاسبہ ہوگا۔

۷۷۸؎ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جزا و سزا کا معاملہ عدل و حکمت کے ساتھ انجام نہیں پائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جزا و سزا کے معاملہ میں کوئی قوت ایسی نہیں ہے جو اللہ کی مشیت میں مداخلت کر سکے وہ مختار مطلق ہے اور اسے سزا دینے اور معاف کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔

۷۷۹؎ سورہ کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ اللہ کی ہدایت کو قبول کرنے اور اس پر ایمان لانے والے کون لوگ ہوں گے۔ یہاں خاتمۂ کلام کے طور پر واضح کیا جا رہا ہے کہ رسول کو ایسے ساتھی مل گئے ہیں جو دولت ایمان سے بہرہ مند ہیں۔ وہ چونکہ کسی قسم کے تعصب میں مبتلا نہیں تھے اس لئے انہوں نے ایمان کی نعمت پائی۔ اس طرح رسول کی رہنمائی میں وہ امت برپا ہوگئی ہے جسے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہے اور جسے شریعت الٰہی کا حامل اور اسلامی نظام کا علمبردار بنایا گیا ہے۔

۷۸۰؎ یہ اہل ایمان کا قول ہے گویا امت بیک زبان اعلان کر رہی ہے کہ ہم دوسری امتوں کی طرح ہدایت الٰہی کے معاملہ میں قومی، گروہی یا نسلی تعصب میں مبتلا نہیں ہیں کہ کسی پیغمبر کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں بلکہ ہم بلاتفریق تمام انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں خواہ وہ کسی قوم کسی ملک اور کسی نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔

۷۸۱؎ یہاں سننا ماننے اور قبول کرنے کے معنی میں ہے۔

۷۸۲؎ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قاعدہ کلیہ کا اظہار ہے کہ شریعت کی ذمہ داری اگرچہ ایک بھاری ذمہ داری ہے لیکن ہر شخص اپنی مقدرت کے لحاظ سے ذمہ دار ہے۔ جو شخص کسی واقعی مجبوری کی وجہ سے کسی حکم کی پوری طرح تعمیل نہ کر سکتا ہو تو جس حد تک عمل کرنا اس کیلئے ممکن ہو اسی حد تک وہ اس کا مکلف قرار پائے گا ،اس اصول کا شرعی احکام میں لحاظ کیا گیا ہے اور مجبوریوں کی صورت میں رخصتیں دی گئی ہیں مثلاً جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا اسے بیٹھ کر نماز پڑھنے کی رخصت، وضو کیلئے پانی نہ مل سکے یا اسے استعمال کرنا مضر ہو تو تیمم کرنے کی رخصت وغیرہ۔ اسی طرح اسلام کے اجتماعی احکام پر جس حد تک عمل کیا جا سکتا ہو یا ان کو رو بہ عمل لانے کیلئے جس حد تک جدوجہد ممکن ہو اسی حد تک بندہ اس کا ذمہ دار قرار پائیگا اور جو کام اس کے بس میں نہ ہو اس کے بارے میں اس سے باز پرس نہ ہوگی۔

۷۸۳؎ یعنی ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن اس کا لازمی نتیجہ اس کے سامنے آنا ہے۔ اس روز ہر متنفس وہی کاٹے گا جو اس نے دنیا میں بویا ہوگا۔ ہر عمل خواہ نیک ہو یا بد اپنا ایک لازمی اثر اور نتیجہ رکھتا ہے اور اللہ کا قانون مکافات عمل بالکل بے لاگ اور غایت درجہ منصفانہ واقع ہوا ہے اس لئے یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص بدی سمیٹے اور وہ دوسرے کے سر تھوپ دی جائے اور نہ یہ ممکن ہے کہ زید نیکی کرے اور بکر کے کھاتہ میں اسے جمع کر لیا جائے۔ عمل کا بدلہ کوئی قابل انتقال (Transferable) چیز نہیں ہے۔ جس کام میں انسان کی نیت اور اس کی کوشش کو دخل نہ ہو اس کی جزا و سزا اسے کیوں ملنے لگے؟ جزا و سزا کے بارے میں قرآن کا بیان کردہ یہ اصول ایک قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے جس سے عیسائیوں کے کفارہ کے عقیدہ کی تردید ہوتی ہے نیز ثواب کے بارے میں مسلمانوں میں رائج غلط رسوم کی بھی۔

ایصالِ ثواب کی بحث کے لئے دیکھئے سورۂ حٰم السجدہ نوٹ ۷۱۔

۷۸۴؎ سورہ کا اختتام دعا پر ہو رہا ہے یہ اجتماعی دعا ہے جو امت مسلمہ کی زبان سے ادا ہو رہی ہے جس کا ایک ایک لفظ دین کی گرانبار ذمہ داریوں کے احساس کی ترجمانی کرتا ہے۔

۴۸۵۔ اہل ایمان کی یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔
رفع عن امتی الخطاء و النسیان و ما استکرھو علیه (ابن ماجہ۔کتاب الطلاق) ''میری امت کی غلطی، بھول نیز جس کام کے لئے اس کے افراد کو مجبور کیا جائے وہ معاف ہے۔'' (مراد وہ قصور اور بھول ہے جس میں بے پرواہی کا کوئی دخل نہ ہو) اس کے باوجود معافی کی دعا کرتے رہنا اس لئے ضروری ہے کہ اس سے اپنے قصوروار ہونے کا احساس اور اللہ کے حضور خشیت و عاجزی کا اظہار کرنا ہے اور یہی بات ایک شکرگذار بندے کے لئے مناسب ہے۔
۴۸۶۔ اشارہ ہے اس بوجھ کی طرف جو یہود پر ڈالا گیا تھا۔ان کی سرکشی کی وجہ سے انہیں ''سبت'' منانے جیسے سخت احکام دیئے گئے تھے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی یہ دعا تھی کہ ہماری شریعت کو بوجھل نہ بنا اور ہم پر ایسی ذمہ داریاں نہ ڈال جن کو اٹھانا ہمارے لئے دشوار ہو۔اہل ایمان کی یہ دعا بھی مقبول ہوئی چنانچہ امت محمدیہ کو جو شریعت دی گئی وہ بوجھل احکام سے پاک ہے اور اس کا امتیازی وصف ہی یہ ہے کہ وہ نہایت آسان اور رخصتوں والی شریعت ہے حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:۔ بعثت بالحنيفية السمحة۔(احمد ج ۵ ص ۲۶۶)
''مجھے ایسے دین کے ساتھ بھیجا گیا ہے جو سیدھا اور آسان ہے۔''
دعا کی قبولیت کے باوجود اس کا اہل ایمان کی زبان پر جاری رہنا اس وقت کی یاد تازہ کرتا ہے جب کہ شریعت کا نزول ہو رہا تھا اور اس امت کو اس کا حامل بنایا جا رہا تھا نیز ان کلمات کے ذریعہ امت اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی ناتوانی اور عاجزی کا اظہار کر رہی ہے تاکہ مزید عنایات کی مستحق قرار پائے۔
۴۸۷۔ دعا میں ''اے ہمارے رب'' کی تکرار دعا کرنے والے کی اپنے رب کے ساتھ شدید محبت اور گہری وابستگی کا اظہار ہے دعا کے اس اسلوب میں آداب دعا کی تعلیم بھی مضمر ہے۔
۴۸۸۔ یعنی شرعی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ہمیں ایسی آزمائشوں سے گذرنا نہ پڑے جن میں ہم پورے اتر نہ سکیں اور ایسی سختیوں سے دوچار نہ ہونا پڑے جو ہماری قوت برداشت سے باہر ہوں۔
۴۸۹۔ یعنی دینی ذمہ داریوں کو ادا کرنے اور شرعی احکام کی تعمیل میں جو کوتاہیاں ہم سے سرزد ہو جائیں ان کو معاف فرما۔
۴۹۰۔ یا ''ہماری مغفرت فرما'' مغفرت کے معنیٰ ڈھانک دینے کے ہیں مراد گناہوں کو ڈھانکنا ہے۔
۴۹۱۔ مولیٰ یعنی ناصر و مددگار۔گویا امت اپنے اس احساس کا اظہار کر رہی ہے کہ راہ ہدایت پر قائم رہنا اور مخالفتوں کے طوفان سے سلامتی کے ساتھ گذرنا تیری نصرت اور مدد کے بغیر ممکن نہیں۔
۴۹۲۔ یہ دشمنان اسلام کے مقابلہ میں نصرت اور غلبہ کی دعا ہے۔شرعی احکام کو تفصیلاً بیان کرنے اور ان پر کاربند ہونے کی ہدایت کے بعد امت کی زبان سے دشمنان اسلام کے مقابلہ میں نصرت و غلبہ کی یہ دعا اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس امت کو شرعی طریقہ پر زندگی گذارنے کی آزادی ہونی چاہئے۔اور اجتماعی زندگی میں شرعی نظام کو قائم کرنے کے لئے اسے طاقت بھی فراہم ہونی چاہئے۔نیز اس راہ میں مخالفین اسلام کی طرف سے جو رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی ہوں ان کو اکھاڑ پھینکنے اور شرعی قانون کے اجراء اور نفاذ کی راہ کو ہموار کرنے کے لئے غلبہ و اقتدار ضروری ہے۔